سفرنامہ خواجہ حسن نظامی

بابت سیاحت مصر فلسطین شام و حجاز

جسمیں

مصور فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی ظلہ کی

سیاحت ۱۹۱۱ء اور

تمام ممالک اسلامی کی ہو بہو کیفیت

درج ہے

اپنی طرز کا سب سے پہلا اور سب سے آخری

سفرنامہ

خاکسار سید ابن عربی کارکن حلقہ مشائخ دہلی نے

بماہ جمادی الاخری ۱۳۴۱ھ مطابق فروری ۱۹۲۳ء تیسری بار

لالہ ہماکی پرشاد اینڈ سنز کے دلی پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر

شائع کیا

ہوالکل

یامعین

10-1699
CHECKED-2011

روزنامۂ
سفرِ حجاز و مصر و شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہ دن جو کل پرسوں آنکھوں کے سامنے تھے، کیسے غم آلود گذرے۔ بس دل ہی جانتا ہے کشش حجاز نے بمبئی تک کھینچا، مگر گردشِ ایام نے دامن پکڑ لیا، نامراد دہلی واپس آیا اب پھر ولولوں میں موج اٹھی، اور زیارتِ حجاز کا تصور لہریں لینے لگا۔ بہت زمانہ نہیں ابھی ہی کے اندر سب کچھ ہوا۔

شروع مئی کا ذکر ہے، میرٹھ میں مخلص دیرینہ مولوی احسان الحق صاحب قادری کے یہاں لال کرتی کی محفل شادی کے ایک گوشے میں چند یارانِ طریقت کے ساتھ یہ بے خانماں خیالی جہاز دوڑا رہا تھا کہ عزیزم محمد انوار ہاشمی کے چھوٹے بھائی حافظ سعید آئے بے ساختہ رکوع سنانے کی فرمائش ہوئی، اسرارِ غیب کے قربان جایئے۔ معصوم بچے نے سورۂ لقمان کا آخری رکوع شروع کیا جسمیں تسخیر فلک (جہاز) کا تذکرہ ہے۔ کلام پاک کے پہلے ہی

جملے نے چونکا دیا۔ جس میں ارشاد ہے کہ ہم نے تیرے لیے جہاز کو مسخر کر دیا تاکہ تو اپنے پروردگار کی نشانیاں دیکھے۔ میں نے محرم راز **واحدی** کو دیکھا اور واحدی مجکو تعجب سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ ان کو بھی اس شانِ غیبی کے کرشمے نے ششدر کر دیا تھا۔ اگرچہ رکوع کے ایک حصہ میں موج و طوفان کا بھی ذکر تھا لیکن ساتھ ہی اخلاص کامل اور صبار و شکور کے خطابات سے تسلی بھی تھی۔

بس پھر کیا تھا، دہلی آتے ہی شوق و ارمان سے سرگوشیاں ہونے لگیں۔ زنبیل درویشی کو ٹٹولا تو ضرورت کے موافق ہاتھ نہ آیا، فکر ہوئی کہ الٰہی اب کیا ہوگا۔ مگر وہ اس کی شان، آٹھ دن میں سب کچھ مہیا ہو گیا۔ بڑے بھائی مرحوم کے یتیم بچوں اور بیوہ کے تازہ زخم کا خیال زیادہ تھا۔ وہ بھی میرے نیک ارادہ کو سن کر خوشی خوشی بولے کہ جاؤ اور ہم کو خدا پر چھوڑ دو۔ اور بی حور بانو تو جن کو لوگوں کی اصطلاح میں نورِ چشم اور لختِ جگر کہنا چاہیے۔ ابھی جانتی ہی نہیں کہ ماں مر گئی تو کیا جاتا رہا۔ باپ چلا جائیگا تو کیا کم ہو جائے گا۔ خالہ جان کی آغوش شفقت نے سب کو بھلا رکھا ہے۔

حلقہ کی الجھن باقی تھی کہ جسکے سہارے سالس آتا جاتا ہے۔ اس کا بعد میں کیا حشر ہوگا دلدار ہی سمجھنا چاہیے۔ فوراً اس تجویز نے تسلی دیدی کہ یہ سفر ہی حلقہ کے لیے کرنا چاہیے۔ مدینہ پاک میں چل کر روضۂ اقدس کے سامنے دوہائی دو اور پھر سارے حجاز، مصر، قسطنطنیہ کا چکر لگا کر وہاں کے مشائخ سے ملو اور اپنے ملک کے مشائخ سے ان کا تعارف کراؤ، ان کی سنو اپنی سناؤ۔ اور جہاں کہیں انفاس قدسی کی برکت ملے اپنے اہل وطن کے لیے سمیٹ لاؤ۔

آخر وہ گھڑی آ گئی کہ یہ گنہگار اپنے آقائے نامدار محبوب پروردگار کے مقدس مزار کے بیچ میں کھڑے ہو کر مرخص ہوا۔

پہلی برکت اس سفر کی یہ دیکھی کہ برسوں کی کدورتیں صاف ہو گئیں۔ جن سے رات دن کی تو الذتیں کو قرن گزر گئے تھے۔ وہ سب چشم پُرآب ہو کر بغلگیر ہوئے اور گذشتہ واقعات

کی صفائی کرلی۔ قوم کے چھوٹے بڑے عورت مرد نے جس جوش الفت سے وداع کیا اُس کا اثر ہمیشہ یاد رہیگا ✤

احباب سے سفر کی خبر چھپانے میں گو بڑی احتیاط کی گئی تھی تاہم آس پاس کے دوست روانگی کے وقت پہونچ ہی گئے۔ انبالہ سے مخلص قدیم میر نیرنگ صاحب اور میرٹھ سے حاجی حفیظ الدین صاحب تاجر اور سید ذاکر علی صاحب وجدانی نے تشریف لاکر رخصتی وقت میں اثر ڈال دیا ✤

عین اُس وقت جبکہ گاڑی دروازہ پر آئی تاکہ ریل تک راستہ بتائے، خیالات کو ایک حادثہ سے تصادم ہوا۔ دماغ معطل ہوگیا۔ اندیشہ تھا کہ شاید یہ ارادہ بھی ملتوی رہا مگر ہمت کر کے اُسی دلگیری و افسردگی میں ریل پر سوار ہوگیا۔ یہاں بھی لوگوں نے اپنی دلسوزی کا ثبوت میں خاصا ہجوم دکھایا۔ لیکن میں کیا کرتا۔ ہجوم اندوہ میں مستغرق تھا ✤

چھوٹی لائن نے تیز رفتاری میں حد درجہ بڑائی دکھائی۔ اور زلزلہ خیزی سے ساری رات سونے نہ دیا۔ کچھ تو دماغ از خود رفتہ تھا۔ اسپر لوہے کی سڑک پر چلنے والی سواری کا ہلنا بس یوں سمجھئے کہ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی ✤

صبح سات بجے کے بعد اجمیر شریف کے اسٹیشن پر قدم رکھا۔ یہاں سے سفر کا روزنامہ شروع ہوتا ہے اور تمہید طے کی جاتی ہے ✤

۲۱ مئی ۔ ۲۱ جمادی الاولی ۱۹۱۱ء سنہ ۱۳۲۹

یکشنبہ ۔ ریل سے اُتر کر درگاہ شریف کے قریب ایک مکان میں قیام کیا ۔ یہ شہر اگرچہ پہاڑ کے دامن میں ہے لیکن گرمی کی وہ شدت نہیں جسکی کیفیت دہلی میں سہی نہیں جاتی ۔ پڑوس میں ایک شاہ صاحب ٹھہرے ہوئے تھے ۔ اُنھوں نے میرا نام سُنا تو ملنے کی درخواست بھیجی ۔ پہلے سے جانتے تھے ۔ خیال آیا کہ فقیروں کی صحبت باعث تسکین ہوتی ہے ۔ آؤ ذرا وہاں کا رنگ بھی دیکھیں ۔ چلا گیا ۔ واہ کیا مؤثر صحبت ہے ۔ جی باغ باغ ہو گیا ۔ حیدرآباد کے رہنے والے رسول شاہی فقیر ہیں ۔ چار ابرو کا صفایا ہے ، آنکھیں چمکدار ، فہم و فراست کی نشانی ، بشرہ متین ، گفتگو سنجیدہ ، سوز و گداز سے لبریز ۔ شاید نو بہار حسین نام تھا ۔ اُن کے ہمراہ ایک اور صاحب صوفی مہر الدین دکنی اور کسی ہندو راجہ کے صاحبزادے بھی ہیں ۔ دونوں میں ایک کیف پُر طلب باتیں ہوئیں اور خوب ہوئیں ۔ اس سفر میں کاش ایسی صورتیں روزانہ میسر آیا کریں ۔ کھانا کھایا ۔ آنکھ بند کر کے منہ سے باتیں کیں ۔ پورے تین گھنٹے عصر کے بعد درگاہ شریف میں حاضری دی ۔ قریب مغرب دیوان صاحب یعنی شیخ المشائخ دیوان سید امام الدین صاحب چشتی سجادہ نشین اجمیر شریف سے نیاز حاصل کیا ۔ ابتدا میں دیوان صاحب کی اس فقیر پر اور حلقہ پر خاص نظر عنایت تھی لیکن بعد میں دراندازوں نے اس میں رخنے ڈال دیئے تھے ۔ اندیشہ تھا کہ اس کا اثر موجود ملیگا ۔ مگر نہیں ۔ وہی قدیمی نوازشیں اور عنایت فرمانے لگے حج کا بھی ارادہ ہے یا صرف مدینہ منورہ کی حاضری ہوگی ۔ عرض کیا ۔ اس سفر میں تو شاید حج کا موقعہ نہ ملے ۔ آئندہ ارادہ کیا جائیگا ، بالفعل دربار رسول کے سلام کا قصد ہے ۔ ارشاد ہوا یہ خاص صوفیوں کا مسلک ہے ۔ حضرت خواجہ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فقیر کو پہلے مدینہ شریف حاضر ہونا چاہیے ۔ منزل درجہ بدرجہ طے ہوتی ہے ۔ اسکے بعد فرمایا ۔ تم جانتے ہو ، حلقہ کا کام کس کے سپرد کیا ۔ کہا گیا عزیزم

واحدی کے یہ امانت سپرد کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ سرگرمی سے اس خدمت کو انجام دینگے۔ پھر مدرسہ معینیہ کا ذکر نکل آیا۔ اس کی جدید شاخ معینیہ ہائی سکول کو درگاہ شریف کا خزانہ تین سو ساٹھ روپیہ ماہوار دیتا ہے۔ اس سکول میں اکثر بلکہ سب مسلمان بچے پڑھتے ہیں۔ دیوان صاحب نے ایک صوفی عالم کو تعلیم کے علاوہ تربیت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ چند روزہ تربیت کا یہ اثر ہے کہ جو بچہ نماز نہیں پڑھتا اُس کو دوسرے بچے اپنے ساتھ کھیلنے نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں کہ بے نمازی کا ہمارے ساتھ کام نہیں۔ اسی پر دوسری خوبیوں کو اندازہ کرنا چاہیئے۔ میں نے عرض کی کہ مدرسہ قدیم یعنی عربی مدرسہ کا کیا حال ہے فرمایا اسکو سو روپیہ ماہوار دیا جاتا ہے، اس میں بھی بتدریج ترقی دی جا رہی ہے۔ اسوقت میں نے درسگاہ تصوف کا پرانا خیال پیش کیا۔ ارشاد ہوا کہ وقت کم ہے، اور میں تم سے اس معاملہ میں مفصل گفتگو و مشاورت چاہتا ہوں۔ ایک زمانہ ہوا مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے اسکی تحریک کی تھی مگر وہ تحریک جس شرط پر مبنی تھی وہ مجھے پسند نہ آئی۔ وہ کہتے تھے کہ آئندہ کوئی شخص سجادہ نشین نہ ہو سکے جبتک کہ درسگاہ تصوف سے سند حاصل نہ کرے۔ یہ ایک طرح کا ہتھیار تھا جو مدرسین و ممتحنین کے ہاتھ میں فقراء و سجادہ نشینوں کے خلاف دیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ تحریک نامکمل رہ گئی۔ مدرسہ تصوف کی بیشک ضرورت ہے لیکن پہلے تم کو اس کے اصول پر غور کرنا چاہیئے۔ تعلیم تصوف کے دو طریقے ہیں۔ ایک حال اور دوسرا قال۔ حال نام ہے شیخ کی حرکات و سکنات کی پیروی کا۔ صحبت شیخ میں رہنے سے یہ تعلیم صرف آنکھ کے دیکھنے اور عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے درسگاہ کی ضرورت نہیں۔ رہا قال وہ اخلاقی کتب کا پڑھنا، اور احوالِ بزرگان کا معلوم کرنا، نکاتِ تصوف پر مجبور ہونا ہے اسکے واسطے بیشک درس کی ضرورت ہے۔ تم سفر سے واپس آجاؤ تو اس کام کے اٹھانے کا تدارک کریں گے۔ اسکے بعد یونیورسٹی پر گفتگو ہونے لگی، چلتے وقت وہ نوازش فرمائی جسکو اس سفر کی نیک

قوال کہنا چاہیئے۔ یعنی

دربار خواجہ کا خاص خلعت

عطا فرمایا۔ یہ وہ ملبوس ہے جسکو دیوان صاحب حاضری آستانہ کے وقت استعمال فرماتے ہیں۔ خلعت دیتے وقت جو الفاظ ارشاد ہوئے وہ بڑے مؤثر تھے۔ فرمایا جہاں جاتے ہو وہاں فقیری کی اصل شان موجود ہے، اس ملک میں اب کیا باقی رہا ہے اپنا کام جرأت اور مستعدی سے کرو۔ رسوائی و مخالفت سے نہ ڈرو۔ سب کام کرنے والے اس کا شکار ہوتے آئے ہیں، میں تمہاری کامیابی کی ہر وقت دعا کرتا رہوں گا۔

بعد نماز عشا مزار مبارک پر رخصتی سلام کو حاضر ہوا۔ آستانہ پاک سے خاص دستار عنایت ہوئی۔ اور حضرات صاحبزادگان نے متفق اللفظ ہو کر دعا فرمائی۔ الحمد للہ اس وقت میں نے اپنے حلقہ والوں کو فراموش نہیں کیا اور کل خواستگاران دعا کے واسطے دعائے خیر کرائی۔ اور انشاء اللہ جہاں جاؤں گا احباب و اہل حلقہ کا خیال مقدم رکھوں گا۔ روضۂ مبارک کے سامنے حقانی قوال کی چوکی گا رہی تھی۔ جسوقت اُس نے کہا "تیری محبت میں آوارہ و بے خانماں ہوتا ہوں۔ ساز و ساماں کی نہ پوچھ تیری اُلفت کا جنوں اچھا تو ہے" تو عجب از خود رفتگی کا عالم ہو گیا اور وہ بہار دیکھی جسکی برسوں سے آرزو تھی۔ قوالی کے بعد ان اچھی ساعتوں کا مزہ لے رہا تھا کہ حاضرین مصافحہ و دست بوسی پر ٹوٹ پڑے۔ دربار خواجہ کے سامنے ہاتھ پاؤں چھُوانا گستاخی تھی۔ گھبرا گیا اور جلدی سے باہر چلا آیا۔

گاڑی دو بجے جاتی ہے، اسباب لیکر ریل پر آیا۔ خواجہ کا کرم دیکھئے، آدھی رات سے زیادہ گزر گئی ہے، چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ مگر حضرات صاحبزادگان نے سٹیشن تک مشایعت کی اور نہایت شفقت و نوازش سے رخصت کیا۔ یہ نظارہ بھی خوب تھا۔

۲۲- مئی سنہ ۱۹۱۱ء

دوشنبہ۔ صبح آٹھ بجے کے قریب گاڑی چتوڑ گڈھ کے مشہور قلعہ کے پاس سے گزری۔ بلند پہاڑ پر شاندار قلعہ کے آثار نظر آئے۔ میدان کو دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ وہی کارزار ہے جہاں دینی بھائیوں نے تیر و شمشیر کے زور سے شہ زوروں کے منہ پھیر دئے، کٹ گئے اور کاٹ ڈالا۔ عالم خیال میں برچھیوں کی نوکیں دشمنوں کے سینوں سے ٹکراتی دیکھ رہا تھا کہ ایک نہایت کرخت و ناگوار آواز پلیٹ فارم سے آئی، اور ولولہ خیز تصور کو درہم برہم کر دیا۔ آواز یہ تھی "**چبینا مٹھائی**" گردن نکال کر دیکھا ایک میلا کچیلا حلوائی ہے، جس نے دھوتی کے پچھلے حصہ کو اس بدسلیقگی سے کولوں پر اڑسا ہے کہ آدھ گز کے قریب کپڑے کا گچھا دم کی طرح اوپر کو نکلا ہوا ہے۔ جب چلتا ہے تو نیچے کے حصہ کو اس طرح حرکت دیتا ہے کہ وہ گچھا گت بھرتا معلوم ہوتا ہے۔ زبان سے کہتا ہے "چبینا مٹھائی" یعنی اپنی مٹھائی کی تعریف کرتا ہے کہ وہ چنوں کی طرح چبانے اور پھانک لینے کے قابل ہے۔ گویا مٹھائی کی یہ سب سے اچھی مدح سرائی تھی۔ میں نے دہلی چھوڑی تو فالسوں کا موسم تھا، بیچنے والے آواز لگاتے تھے کہ "سانولے سلونے شربت کو" یہاں اسکے برعکس تعریف سنی۔ دہلی والے معمولی چیز کو مٹھائی سے تشبیہ دیکر تعریف کرتے ہیں اور یہ لوگ اچھی چیز کو بری چیز سے مشابہت دیتے ہیں۔ تمدن کی خوبی ہے مسلمان جہاں گئے انھوں نے ہر بات میں رنگ پیدا کر دیا۔ چتوڑ میں اگر وہ رہ جاتے تو آج میرے کانوں کو یہ صدمہ نہ اٹھانا پڑتا۔

۲ بجے گاڑی نیمچ چھاؤنی پر پہنچی۔ یہاں بابو محمد بخش صاحب گارڈ اور بابو عبدالرحیم صاحب نائب سررشتہ دار کچہری مئو وغیرہ خیر مقدم کو موجود تھے۔ جاورہ ابھی کئی گھنٹہ کی راہ ہے مگر مخلص طریقت بابو فخر الدین انجینیر ریاست جاورہ نے اتنی دور تک استقبال

کی تحریک کھیچی۔ جاورہ پر احباب موجود تھے۔ بابو فخر الدین اپنے مکان پر لے گئے اور ایک رات دن خوب سماع کی محفلیں ہوتی رہیں۔ دوسرے دن شام کو سوار ہو کر صبح ۷ بجے بمبئی میں داخل ہوا۔ شاہجہاں محل ہوٹل میں قیام کیا جو مسلمانوں کے لئے آرام کی جگہ ہے۔ اول اپنے محب صادق مولوی محمد یوسف صاحب ایم۔ اے کٹکیلے سے ملاقات کی۔ مولوی صاحب اسی وقت مختلف مقامات پر لے گئے اور سفر کے لئے مشورے شروع کردئے کہ کس طریق سے سفر کرنا چاہیئے ایک شامی صاحب نے صلاح دی کہ اول مصر جانا چاہیئے اور وہاں کے گرد و نواح کے تمام مزارات و خانقاہوں کی زیارت کر کے بیت المقدس ہوتے ہوئے دمشق جائیں اور وہاں سے مدینہ منورہ رجبی کے موقعہ پر حاضری دیں۔ اسکے بعد قسطنطنیہ کا ارادہ کریں۔ دو عرب تاجر بھی مصر جانے والے مل گئے۔ میں نے اس صلاح کو پسند کیا اور عربوں کی رفاقت میں جانا ٹھہر گیا۔ جو پاسپورٹ دہلی سے لایا تھا وہ کام نہیں دیسکتا۔ دوسرے پاسپورٹ کی درخواست کی ہے ٹکٹ آج لیا جائیگا۔ کیونکہ اسکے لینے میں کسٹم پاس دکھانا پڑتا ہے اور وہ کل نہیں ملا۔ سکھوں کی ایک بہت بڑی پارٹی عدن جا رہی ہے اُس کے پاس بنانے میں حکام مصروف تھے۔ آج پاس لیکر ٹکٹ لے لیا جائے گا۔ آسٹرین کمپنی کا جہاز ٹریسٹ بسارسئی کو جانے والا ہے۔ اُسی میں روانگی ہوگی ؎

بمبئی میں پورے آٹھ دن قیام ہوا۔ مگر یہ زمانہ بڑی بے لطفی کا تھا۔ اول تو یہاں گرمی کچھ ایسی تھی کہ دہلی کی طرح نہ لُو نہ تپش لیکن پسینہ کا سمندر اُبلا چلا آتا تھا۔ اسپر بھوک کی کمی، اور قبض کی زیادتی۔ معاذ اللہ ؎

اس کے علاوہ باشندے اس شہر کے سب خود غرض و مطلبی ہیں، سوائے چند مستثنیٰ لوگوں کے عموماً سب کے سب اول درجہ کے بے مروت اور طوطا چشم ہیں۔ روشن خیالی و احساس قومی نام کو نہیں۔ اور اگر کہیں اظہار ہوتا ہے تو وہ بھی محض نام و نمود کے لئے۔ میں نے

یہ زمانہ اکثر مولوی محمد یوسف صاحب کھٹکے کی صحبت میں گزارا۔ مولوی ہیں، ایم۔ اے ہیں، اور ظاہر و باطن پکے مسلمان ہیں یا کبھی کبھی مولانا شبلی نعمانی کے پاس جو اتفاق سے یہیں موجود تھے۔ وقت بسر ہوتا تھا۔

دو روز ترکی قونصل جنرل جعفر بے سے بھی خوب معرکۃ الآرا ملاقاتیں رہیں۔ دو دو گھنٹہ تک ترکی، اسلامی، درویشی امور پر مباحثے ہوتے رہے۔ جعفر بے کو اس عہدے پر آئے ہوئے صرف پندرہ دن ہوئے ہیں۔ دبلا، پتلا، پست قد، مگر بلا کا تیز طرار ہے۔ ترکی اور فرانسیسی کے سوا اور کوئی زبان اچھی طرح نہیں آتی۔ مجھ سے اپنے نائب محمود بے کے توسط سے گفتگو کرتے تھے۔ اوّل روز گیا تو اتفاقاً لال شاہ صاحب بھی میرے ہمراہ تھے جو بنّوں کے رہنے والے اور فارن آفس میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامور ہیں۔ ہوٹل میں ان سے بھی ملاقات ہوگئی تھی جعفر بے نے جب میری معیت میں ایک ایسے افسر کا کارڈ دیکھا جو انگریزی حکومت کے محکمہ راز کا افسر ہے تو ان کو مجھ سے ہمکلامی کے وقت بڑی احتیاط مدنظر رکھنی پڑی بار بار انگریزوں کی وفاداری کی تاکید کرتے تھے۔

جعفر بے کو احادیث نبوی پر خاصا عبور ہے۔ میں نے دیکھا کہ ہر بات کے ثبوت میں ایک حدیث بحوالہ کتاب پڑھ دیتے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ترکی مملکت میں رفاعی، قادری، نقشبندی، مولوی سلاسل کے مشائخ کثرت سے ہیں۔ اور ان سب کو حکومت کی جانب سے ہر طرح کی آزادی ہے۔ جعفر بے نے بیان کیا کہ وہاں بھی بعض مشائخ بے علمی کے سبب پستی اور زبونی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ جن کی اصلاح کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی ہے۔

باتوں باتوں میں آریہ سماج کا ذکر آگیا۔ جعفر بے اس جماعت کے وجود سے بالکل بےخبر تھے۔ اسلئے بہت دیر تک ان کے اصول اور طرزِ عمل کی نسبت سوالات کرتے رہے۔ خصوصاً اس رویہ کی نسبت جو آریوں کا مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ ہے۔ جعفر بے نے اپنی کتاب میں متعدد نوٹ لکھے۔ اور انگریزی سلطنت کے ساتھ وفاداری کی نصیحت کرکے کہا کہ ہم اپنے ہندی

مسلمان بھائیوں کے ہر حال میں ہمدرد ہیں۔

پاسپورٹ ملنے میں بڑی دیر لگتی، اگر مولوی عبداللہ احمد محافظ حجاج اور منشی حسین الدین صاحب کوشش نہ فرماتے۔ اس پر بھی پورے چھ روز کی آمد و رفت کے بعد پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری نصیب ہوا۔ انگریزی گورنمنٹ نے صرف ایک روپیہ فیس کا لیا۔ مگر ترکی قونصل نے تین روپئے لے کر پاسپورٹ کی تصدیق و تعمیل کی۔

روانگی سے پہلے میرا ارادہ تھا کہ کک کمپنی کی معرفت سفر کروں گا۔ بمبئی میں آ کر بعض دوستوں نے رائے دی کہ براہ راست ٹکٹ لینا چاہئے۔ کمپنی کے وسیلہ میں مصارف زیادہ ہوں گے لیکن مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ کمپنیاں مسافروں سے کچھ زیادہ چارج نہیں کرتیں۔ جہاز والوں سے اُن کو کمیشن ملتا ہے اور اُن کے توسل سے مسافر کو بڑی راحت رہتی ہے۔ ہر بڑے مقام پر ان کے نوکر مسافر کو اُتارنے چڑھانے اور تمام ضروری معاملات میں مدد دیتے ہیں۔ خطوط وغیرہ ان کی معرفت احتیاط سے پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کمپنیاں ایک طرح کی دلال ہیں، مگر ہمارے ملک کے سے دلال نہیں۔ ان کے سب معاملات صاف اور باضابطہ ہیں۔ ظاہری شان دیکھو تو والسرائے کا دفتر معلوم ہوتا ہے جہاں برقی پنکھے چل رہے ہیں اور سیکڑوں آدمی اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ ہم نے کک کمپنی کی معرفت سویز تک تین سو پچھتر روپئے میں اول درجہ کا ٹکٹ لیا اگرچہ پہلے ارادہ سکنڈ کلاس میں جانے کا تھا۔ مگر سکنڈ میں جگہ نہ تھی۔ دوسرا جہاز ۷ جون ۱۹۱۱ء کو جانے والا تھا جس کے انتظار میں سمندر میں طوفانی موسم شروع ہو جاتا۔ عدن تک ۵ جون کے بعد دریا میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے جو ۱۵ ستمبر تک رہتی ہے۔ اسلئے میں نے یکم جون کے جہاز میں جانا مناسب سمجھا۔ ۳۱ مئی کو کک کمپنی والوں نے ایک پرچہ دیدیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ۱۱ بجے وکٹوریا ڈاک پر پہنچ جانا چاہئے چنانچہ میں یکم جون کو جمعرات کے دن دس بجے ہوٹل سے روانہ ہو کر وکٹوریہ ڈک پر پہنچا۔ اب یہاں سے تاریخوار سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

یکم جون ۱۹۱۱ء مطابق ۲ جمادی الاخر ۱۳۲۹ھ

پنجشنبہ۔ آج سفر کی بسم اللہ ہے۔ دوست جہاز پر پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر مجھکو یہ رسم پسند نہیں۔ سب کو منع کر دیا۔ یہاں تک کہ برادر عزیز علی و جدی کو بھی روکا۔ علی الصباح لال شاہ صاحب تشریف لے آئے۔ اُن کو بھی رخصت۔ لیکن مولانا محمد یوسف صاحب نہ مانے اور جہاز تک ساتھ رہے۔ پھلوں کا ایک ٹوکرا ساتھ لائے تھے جو مجھکو جہاز میں کام دیرہا ہے۔ ۱۱ بجے ڈاکٹر نے معمولی معائنہ کیا۔ ساڑھے گیارہ بجے خدا کا نام لے کر جہاز میں داخل ہوئے آسٹرین کمپنی کا افریقہ نامی جہاز ہے۔

اوّل اوّل جب فرسٹ کلاس میں گئے تو بڑی گرمی معلوم ہوئی، اور تھرڈ کلاس ہزار درجہ بہتر نظر آیا۔ لیکن رات کے تجربہ سے حقیقت کھلی کہ یہ کیسے آرام کی چیز ہے۔

تھرڈ کلاس میں مسلمان، انگریز، ترک، سبھی لوگ ہیں۔ آج کا دن بیم و رجا کا ہے۔ طوفان کی خبریں اس کثرت سے کانوں میں پڑی ہیں کہ ہر وقت انھیں کا خیال رہتا ہے۔ بمبئی کے احباب نے چلتے چلتے صلاح دی کہ اس موسم میں سفر مناسب نہیں آیندہ کے لئے ملتوی کرنا چاہیے۔ دہلوی اخلاصمندوں نے خطوط کے طومار باندھ دیئے۔ اور کچھ دن بمبئی میں ٹھہر جانے کا مشورہ دیا۔

جب دل کو دیکھتا تھا تو وہ خوف میں ہراساں نظر آتا تھا۔ اور جب شوق مدینہ پر نگاہ کرتا تھا تو اس سے ہمّت و استقلال کی نصیحت ہوتی تھی۔ آخر شوق غالب آیا۔ برکت مدینہ نے اعجاز نمائی کی۔ اور وہ شخص جس نے کبھی جہاز کا اتنا بڑا سفر نہیں کیا، ہر طرح راحت و آرام سے ہے، اور جن لوگوں نے بارہا سفر کئے ہیں وہ سب کے سب بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ آپ یقین کیجیے یہ محض سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت سرکار کا طفیل ہے کہ مجھ بیکس کو سب آفات سے نجات عطا ہوئی۔

ایک بجے جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ شام کے قریب جب اسکی رفتار تیز ہوئی مسافر چکرانے اور بیمار ہونے لگے، مگر مجھکو نہ چکر آیا نہ متلی ہوئی، نہ اور کسی قسم کی پریشانی۔ سمندر خاصا گرم ہے موجیں چاروں طرف سے کف منہ میں لے لیکر جہاز پر حملہ کر رہی ہیں، مگر یہ بیچارہ متانت سے دوڑا چلا جاتا ہے، اور ان شوخیوں کی طرف ذرا متوجہ نہیں ہوتا۔

فرسٹ کلاس میں ایک اور مسلمان غلام حیدر نامی ہیں جو بہادر پور کے رہنے والے ہیں اور اب عرصہ سے مدینہ شریف میں رہتے ہیں، ان کو کبھی چکر نہیں آئے، بارہا سفر کیا ہے۔ میری نسبت ان کو بھی ڈر تھا، کیونکہ صفراوی مزاج والے کی بری گت ہوتی ہے۔ پر خدا کی شان، میں تو بھلا چنگا پھرتا ہوں اور غلام حیدر بیچارے سخت بیمار ہیں قے اس کثرت سے ہوئی کہ خون آنے لگا۔

ہمارے کیبن میں ایک پارسی رستم جی بمبئی کے تاجر ہیں۔ نوجوان اور زندہ دل، خوب گزرتی ہے۔ رستم جی نے تمام دنیا دیکھی ہے، اور سفر کے پکّے تجربہ کار ہیں، انھوں نے مجھکو نصیحت کی کہ چکّر کا خیال نہ کرو، ورنہ ضرور بیمار ہو جاؤ گے، یہ ترکیب سن کر میں نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور اُس کے معانی میں خیال کو اسقدر مستغرق کیا کہ سمندر کا خیال بالکل جاتا رہا۔ اس کے بعد اُس چیز کا تصور باندھ لیا جو مجھکو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اس علاج کا واقعی خوب اثر ہوا، مگر افسوس کہ خود حکیم صاحب یعنی رستم جی اس پر عمل نہ کر سکے اور بیمار ہو گئے۔ رات کو بار بار قے کرتے تھے اور گھبرائے جاتے تھے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا تیمارداری کرتا رہا۔

چکّر کا مجرّب علاج

اس میں شک نہیں کہ سمندری بیماری میں خیال کو بڑا دخل ہے۔ اور اسکا اس سے

بہتر کوئی علاج نہیں کہ خیال کو یکسو کر لیا جائے۔ آہا ہا۔ صوفیوں کی جنت دیکھی دین دُنیا کی راحت خیال کی یکسوئی میں بتاتے ہیں۔ اگر تم سمندر کی بیماری سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اپنے کسی محبوب اور پیاری چیز کا تصور کر کے بیٹھ جاؤ۔ اُس سے باتیں کرو، اُس سے ہنسو، اُس سے لڑو، غرض ہمہ تن اُس میں محو ہو جاؤ۔ کیا مجال جو سمندر تمہارا بال بیکا بھی کر سکے۔ سب سے اچھا تو یہ ہے کہ اپنے پیر کا دھیان جماؤ۔ ورنہ ہر منظور نظر کا خیال کر سکتے ہو۔

فرسٹ کلاس والوں کو چھ وقت کھانا ملتا ہے، یہ لوگ کسقدر کھاؤ ہیں۔ میں اپنے کمرے میں منگا لیتا ہوں سب کھاتا ہوں اور ہضم ہو جاتا ہے۔ گوشت چھوڑ دیا ہے۔ صرف مچھلی انڈے اور سبزی پر گزر ہے۔ اور یہ اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ گوشت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ذبیحہ کی احتیاط لازم ہے۔

رات کو خوب نیند آئی۔ بجلی کے پنکھے، بجلی کی روشنی۔ بس یوں سمجھئے کہ شداد کی بہشت کا ایک ٹکڑا ہے۔

۲۔ جون سنہ ۱۹۱۱ع

جمعہ۔ ۴ بجے بیدار ہوا۔ انگریز پڑے سوتے ہیں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھی اور قرآن شریف تلاوت کرنے لگا۔ عبد و معبود میں ہمکلامی کا مزا آ گیا۔ ۷ بجے رستم جی نے آنکھ کھولی۔ اور لیٹے ہی لیٹے دیوار کے ایک بٹن کو دبایا۔ اور مسکرا کر کہا آؤ، بہت دیر سوئے۔ میں رستم جی کی اس حرکت سے حیران تھا کہ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور ایک یورپین صاحب نمودار ہوئے۔ پارسی کو اور مجھ کو گردن خم کر کے سلام کیا۔ پارسی نے کہا چاء لاؤ۔ اُسوقت معلوم ہوا کہ اس بٹن کا تعلق ملازمین کے کمرے سے ہے۔ برقی رو ملازم کو اطلاع دیتی ہے کہ فلاں نمبر کے کمرے میں مسافر بلاتا ہے۔ یہ لوگ ان ہی ظاہری اختیارات کے سبب خدا کو بھولتے جاتے ہیں۔

چاء نوشی کے بعد صاحب بہادر نے کمرہ کو صاف کیا۔ بچھونے کو درست کیا، جوتیوں کو

پوچھا۔ یا اللہ! تیری شان۔ پونے چار سو روپے میں گورے غلام بن گئے۔ یہ لوگ پیسہ کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔

آج دن بھر لکھنے پڑھنے میں بسر ہوا۔ شام کو اوپر کے تختہ پر بیٹھ گئے۔ سب انگریز مرد عورت گشت کرتے پھرتے ہیں۔ میرا لباس اُن کے لئے تماشا ہے۔ مغرب کی نماز میں پڑھی۔ یہ بھی ان لوگوں کے لئے ایک منظر ہو گیا۔

سمندر کا تلاطم بڑھتا جاتا ہے۔ عورتیں نڈھال پڑی ہیں۔ میں آج کی رات بھی آرام سے سویا اور اہل دہلی کو خواب میں دیکھتا رہا۔

۳۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

شنبہ۔ سمندر میں جوش حد سے زیادہ ہے۔ چھتری پر جاتے ہوئے دماغ چکرا تا تھا لیکن گیا تاکہ اپنے اہل وطن کو اس کی کیفیت لفظوں میں بتاؤں۔

عام فہم طریقہ تو یہ ہے کہ ہوا سمندر کو اس طرح اونچا نیچا کرتی ہے کہ جہاز برابر نہیں چل سکتا کبھی نشیب میں جاتا ہے، کبھی بلندی پر آتا ہے، اسلئے سواریوں کو ہچکولوں سے چکر آنے لگتے ہیں۔

اہل تصوف کی اصطلاح میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھیے کہ سمندر ہمیشہ پاس انفاس کا شغل کرتا رہتا ہے، کنارے پر دیکھو تو وہاں بھی نظر آئیگا کہ کبھی تو سمٹ کر چار گز پرے ہٹ جاتا ہے اور کبھی دوڑ کر چار گز آگے بڑھتا ہے۔ وسط میں بھی یہی کیفیت رہتی ہے یعنی سانس لیتا رہتا ہے۔ اوپر کے سانس سے پانی اُبلتا معلوم ہوتا ہے اور نیچے کے سانس سے دھنستا ہوا منظر آتا ہے۔ گویا پانی اللہ کہکر اوپر آتا ہے اور ھُو کہکر نیچے گھس جاتا ہے۔

لیکن جب طوفان کا زمانہ ہو تو سمندر پاس انفاس کا شغل چھوڑ کر نفی اثبات کرنے لگتا ہے۔ لا الٰہ کی نفی اس زور سے کرتا ہے کہ پانی سر سے اونچا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور جب

الا اللہ کی ضرب لگاتا ہے تو رونگٹ رونگٹ میں سنسناہٹ ہونے لگتی ہے ؛

شغل کرنے والے لوگ اس کیفیت کو جانتے ہیں کہ پہلے ہی پہل مبتدی کو ذکر شغل میں کیسی کیسی جسمانی تکالیف ہوتی ہیں۔ بس یہی حال جہاز کا ہے۔ سمندر کی نفی اثبات سے اس کے مسافر جاں بلب ہو جاتے ہیں ؛

آج میں نے سوچا کہ جہاز کی اس طوفانی مصیبت کا کچھ علاج بھی ممکن ہے یا نہیں تو خشکی کی مثال یاد آئی کہ وہاں بھی اگلے زمانہ میں ناہموار راستوں کے سبب گاڑیوں میں جھٹکے اور ہچکولے زیادہ لگتے تھے۔ ترقی کے زمانہ میں کمانیاں اور ربڑ اس تکلیف کا علاج ہو گیا۔ اب دیکھئے کہ گاڑیاں کیسے آرام سے آتی جاتی ہیں۔ اگر جہازوں میں بھی کمانیاں لگ جائیں جن پر مسافروں کا حصہ ادھر رہے اور سمندری جھٹکے نیچے کے حصوں میں رک کر رہ جائیں تو ساری آفت جاتی رہے ؛

اوّل اوّل تو میں نے جہاز کا کھانا پیٹ بھر کر کھا لیا مگر اب وہ زہر معلوم ہوتا ہے پھیکا، بدمزہ، گلیساندا، ہر چیز کی صورت سے قے آتی ہے۔ رات کو کچھ نہ کھایا۔ اور کمزوری سے نڈھال پڑا رہا۔ شاباش ہے ہمارے بزرگوں کو جو دین کی خاطر غیر ملکوں کے کھانوں پر بسر کرتے تھے۔ اور سفر سے ہمت نہ ہارتے تھے۔ کاش ہم بھی اس جوش کے حصہ دار ہو جائیں

۴-جون سنہ ۱۹۱۱ء

یکشنبہ۔ آج طوفان کی کچھ حد نہیں۔ چلنا پھرنا دشوار ہے۔ اکثر مسافر بیمار ہیں۔ رستم جی بھی پڑ گئے۔ شکر کہ میں اب بھی اچھا ہوں۔ مگر نہ کھانے نے کمزور کر دیا ہے۔ کوئی چیز زبان پر رکھی نہیں جاتی بمشکل تھوڑا سا پنیر اور مکھن ڈبل روٹی سے کھایا۔ ان کا پنیر بھی بدمزہ اور بدبودار ہے۔ رستم جی سے میں نے کہا۔ ہمارے ملک والے انہی تکالیف کے سبب سفر سے گھبراتے ہیں خدا نے چاہا تو میں عنقریب

ایک درویشی بیڑا

تیار کرونگا جس میں ہندو مسلمانوں کی آسایش کا پورا انتظام ہوگا۔ تاکہ وہ غیر ملکوں میں جاکر ترقی کریں۔ رستم نے کہا ایسی کمپنی بمبئی میں قائم ہوئی جسکا سرمایہ دو کروڑ تجویز ہوا ہے ہندوستان کے نامور لوگ اسکے ڈائرکٹرز ہیں۔ رنگون کے جمال اور بمبئی کے آنریبل رحمت اللہ میاں اور مہاراجہ دربھنگہ وغیرہ اس میں شریک ہیں۔ اس کا منشا ہے کہ ہندیوں کے آرام کے قابل جہاز چلائے۔ پہلے حاجیوں کے لیئے جہاز جاری ہونگے جن میں اُن کے تمام ضروریات مذہبی اور راحت کا انتظام ہوگا۔ حصص کا ایک حصہ ہے۔ پچاس لاکھ جمع ہوچکا ہے۔ اگر واقعی یہ بیان ٹھیک ہے تو اس کمپنی کی شرکت ہم خرما و ہم ثواب ہے۔

آج تمام دن پڑا رہا۔ حرکت کرنے کی طاقت نہیں۔ کاش خشکی آجاتے اور جی ہلکا ہوجاتا۔

۵۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

دوشنبہ۔ آج صبح ستقوطرہ دریا شروع ہوا اور سمندر میں اس قدر طوفان ہے کہ بناہ۔ پرسوں صبح عدن پہنچینگے۔ اس کے بعد سمندر خاموش ملے گا۔

نہ کھانے سے بڑی کمزوری ہے پھل کھاتا ہوں مگر دل سیر نہیں ہوتا۔ کاش واحدی صاحب چٹ پٹا اسٹو بیرقابلی آلہ کے ذریعہ سے اِدھر پھینک سکتے۔

جی گھبرایا تو چھتری پر چلا گیا۔ فرسٹ کلاس کے لیئے ہر چیز اعلیٰ ہے۔ انگریزوں کا جمگھٹا کھیل میں مصروف تھا۔ نشستگاہ کیا ہے پس عروسی منزل ہے۔ میں بھی ایک کھلی کوچ پر بیٹھ گیا۔ ایک فرانسیسی ایک پارسی سے شطرنج کھیل رہا تھا۔ اتفاق سے پارسی کے مہرے سیاہ تھے۔ اور فرانسیسی کے سفید۔ اور فرانسیسی اچھا کھیل رہا تھا۔

جونہی میں نے توجہ کی اور سیاہ مہروں پر گورہ مہروں کی یورش دیکھی۔ بیساختہ مُنہ سے نکلا۔ فرزین کو بچاؤ۔ خوش مزاج فرانسیسی فارسی خوب جانتا ہے۔ ایران سے ابھی آیا ہے۔ بولا

آپ آئیے تو مزا ہو۔ میں دس برس سے شطرنج کا تارک ذرا ہچکچایا۔ مگر فرانسیسی ہمراہی سے مقابلہ میں اترنا پڑا۔

دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل چکا۔ بساط میں عالمگیر ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ شاہ کی حفاظت کا کچھ سامان نہیں۔ لشکر بے قاعدگی سے حرکت کر رہا ہے۔ مقابلہ میں حریف بڑی دانائی سے مورچوں پر چھایا ہوا چلا آتا ہے۔

فریب کے بغیر چارہ نہ تھا (الحرب خدعۃ) پہلی ہی چال میں دانستہ رُخ کو پیدل کے منہ میں دیدیا۔ فرانسیسی بہت دیر تک نشیب و فراز سوچتا رہا۔ اور جب اسکو کوئی بات نہ سوجھی تو بے تکان رُخ کو مار لیا۔ رُخ کے پٹتے ہی میں نے کھسیانی صورت بنائی۔ تاکہ حریف اس کو ناتجربہ کاری پر محمول کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دشمن بے خبر اور مطمئن ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ غنیم کا شاہ نہایت محفوظ قلعہ میں بیٹھا ہے۔ میسرہ کے گوشہ میں اس کا بچاؤ ہے۔ اسلئے میں نے اپنا لشکر میمنہ کی جانب بڑھایا تاکہ حریف بھی اُدھر جھکے اور میسرہ کا قلعہ ٹوٹ جائے۔ جونہی میمنہ پر میری یورش دیکھی۔ حریف اپنے سب مہروں کو ترتیب کے ساتھ نکالتا ہوا اُدھر جھک آیا اور قلعہ شاہ میں چند رخنے پڑ گئے۔ بس یہی میرا مطلب تھا۔ فوراً دونوں گھوڑے معرکہ سے جدا کئے اور اُن کو شاہ کی طرف جھونک دیا۔ دو پیدل بھی گھوڑوں کے سہارے قدم بڑھا کر قریب پہنچ گئے۔

اب دشمن بھی تاڑ گیا اور غضبناک ہو کر قلعہ کی طرف پلٹا۔ مگر یہاں کام تمام ہو چکا تھا۔ گھوڑے فصیل کود کر شاہ کو محاصرہ میں لے چکے تھے اور پیدل کی ایک چال پر قسمت کا فیصلہ رہ گیا تھا۔ حریف سے اور کچھ بن نہ آئی تو فرزین کو قربانگاہ پر بھیجدیا یعنی ایسے موقع پر اس کی شہ دی کہ میں آسانی سے اُس کو مار سکتا تھا۔ لیکن ایک ہی چال کے ہیر پھیر میں ادھر کا نقشہ بگڑ جاتا اسلئے کمال بے نیازی سے درگذر کی اور شکریہ کیساتھ فرزین کو چھوڑ دیا۔ غنیم نے ایک اور جنبش کی اور پھر سے نقشے کو بگاڑنا چاہا۔ مگر وقت آ چکا تھا۔

پیدل نے آگے بڑھکر شہ دی اور فرانسیس مات ہوگیا۔ میز پر قہقہہ کا غل مچ گیا۔ ایک بلجیم بولا میں روپیہ پیسہ کی شرط پر کھیلتا ہوں۔ میں نے جواب دیا ہمارے مذہب میں یہ جوا حرام ہے۔ یہ کہا اور اُٹھکر اپنے کیبن میں چلا آیا ؂

شام کو تو سمندر کی ہل چل پناہ مانگنے کے قابل ہوگئی۔ اسی عالم میں اوپر گیا اور نماز مغرب ادا کی۔ دھیان آیا کہ زمین پادشاہوں کی ہوس پرستیوں سے سراپا آزار ہوگئی ہے۔ آؤ اس متحرک وجود پر اپنے گوشہ نشینوں کو آباد کریں۔ سمندر کی زندگی خوب ہوگی۔ مگر یہاں بھی تو حکمرانوں کی حرص کا جال پھیلا ہوا ہے۔ اس سے نجات نہیں ؂

رات کے ۳ بجے سقوطرہ ختم ہوا اور طوفان تھم گیا۔ اس وقت اپنے اوراد کو جلدی جلدی ختم کرکے چھت پر گیا۔ عجب پُراثر منظر تھا ؂

۶۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

شنبہ۔ کل عدن کی آمد ہے۔ اسلئے آج صبح سے خطوط نویسی شروع کی اور ۲ بجے تک فراغت۔ سمندر چپ چاپ۔ جہاز اس طرح جاتا ہے کہ حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ آج تیسرے پہر میں نے تمام جہاز کا گشت لگایا۔ تھرڈ کلاس میں مسلمان زیادہ ہیں۔ کچھ عیسائی یعنی یورپین بھی ہیں۔ میرے خیال میں تھرڈ کلاس فرسٹ و سکنڈ سے لاکھ درجہ بہتر ہے بشرطیکہ دو چار آدمی رفیق و ہم وطن باہم ہوجائیں۔ فرسٹ و سکنڈ کے کیبن گرمی میں دوزخ ہوتے ہیں اور عموماً رات کو ان کے مسافر بھی انہی تختوں پر آکر سوتے ہیں۔ جنپر تھرڈ کلاس والے رہتے ہیں۔ تھرڈ کلاس بڑی ہوادار اور آرام کی چیز ہے۔ سوائے اسکے کہ وہاں کے مسافر بشرطیکہ وہ ہندی اور خصوصاً مسلمان ہوں قلی سمجھے جاتے ہیں اور ان کی کوئی توقیر نہیں ہوتی لیکن یہ بات کچھ ایسی مہتم بالشان نہیں ہے۔ تقدیر نے اور جہالت و پست ہمتی نے ہم کو یورپ کے گھوڑوں کے پیروں میں روندنے کی گھاس بنادیا ہے۔ جبتک

قسمت اُلٹی ہے خوب پامال ہونا اور ٹھوکریں کھانا چاہئیں ۔

فرسٹ کلاس والے بھی اُسی وقت عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں کہ یورپین لباس رکھتے ہوں۔ ورنہ اُن کی بھی کچھ قدر نہیں۔ میں اگرچہ سارے جہاز میں اکیلا ہوں کیونکہ غلام حیدر صاحب بسبب علالت باہر بہت کم آتے ہیں تاہم میں آج تک اس سفید جھگڑے سے دب کر نہیں رہا۔ وہ تو مجھکو چٹکیوں میں اُڑا ڈالتے۔ اگر بیباکی سے کام نہ لیا جاتا آج شام کو عجیب اتفاق ہوا۔ ہوا خوری کے لئے چھت پر سب جمع تھے۔ جہاز کے ڈاکٹر صاحب نے میرے قریب آکر میرے باریک کپڑے کے کرتہ کو گریبان کے پاس سے پکڑا اور کچھ آسٹرین زبان میں کہا۔ عورت و مرد سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ مجھے اس حرکت سے طیش آیا۔ اور میں نے فوراً ڈاکٹر کے کوٹ کو وہیں گریبان کے پاس سے پکڑ کے کہا۔ خبیث اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تو دیکھ۔ یہ کہا اور ہنس دیا۔ ڈاکٹر اور سب مجمع نے کھسیانی ہنسی میں بات کو ٹالدیا۔ مگر میرا فارسی داں فرانسیسی دوست بولا "در فہم جناب عالی گفتار ڈاکٹر نیامدہ۔ او گفتہ کہ لباس حضرت بسیار سرد است" میں نے جواب دیا "بلے من گمان دارم کہ ڈاکٹر صاحب نیز گفتار مرا در گوش ہوش نیاوردند۔ من بجواب شان گفتہ بودم کہ لباس شما خیلے گرم ہست" اسکے بعد بات ہنسی میں پڑ گئی۔ القصہ ہم لوگ اُن کی نگاہ میں کبھی وقیع نہیں ہو سکتے۔ جبتک کہ کلائی میں زور اور دماغ میں شعاع علم اور جیب میں روپیہ نہ بھر لیں۔ اٹھو میرے بھائیو! اور کوشش کر کے اپنی وقعت قائم کرو ۔

تھرڈ کلاس کا کرایہ سوئز تک ۵۵ روپیہ بغیر کھانے کے ہے۔ جتنا کرایہ میں نے ایک طرف کا فرسٹ میں دیا ہے یعنی سا ۵۵ اس میں پانچ آدمی آسانی کے ساتھ مع خوراک وغیرہ کے جا سکتے تھے۔ کاش ہندوستانی اٹھیں اور جماعتیں بن کر غیر ممالک میں جائیں اور ملک کا نام روشن کریں۔ مگر یاد رکھو صفائی تمہارے مذہب کا اوّلین فرض ہے۔

اس کی پابندی رکھنا۔ دیانت و صفائی کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ پھر تم ہو اور سارے جہان کی عزت و حشمت۔

۷۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

چہارشنبہ۔ صبح ۷ بجے عدن پہنچے۔ میری گھڑی میں دس بجے ہیں۔ کیونکہ میں نے ابتک دہلی کے وقت کو تبدیل نہیں کیا۔ مجھے اسکے برقرار رکھنے میں بڑا لطف آتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ ۹ بج گئے اور سورج غروب نہیں ہوا تو عجب عجب خیالات آتے ہیں۔ اللہ کی قدرت اس وقت دہلی میں خاصکر ہنر لگاہ حلقہ میں لوگ کھانا کھاکر نمازِ عشا کا سامان کر رہے ہونگے اور یہاں ابھی سورج بھی نہیں چھپا۔ صبح طلوع بھی میری گھڑی کے حساب سے نو بجے ہوتا ہے۔ ممکن ہوا تو دہلی کے وقت کو سارے سفر میں قائم رکھونگا۔

عدن کا جزیرہ دو گھنٹہ سے نظر آرہا تھا۔ خشک پہاڑوں کا سلسلہ دریا میں پاؤں جمائے کھڑا ہے۔ جہاز نے لنگر ڈالدیا تو مجھے اُن سمالی لڑکوں کی فکر ہوئی جو دریا میں غوطے مارتے اور کمینی حرکات کرکے مسافروں سے پیسہ مانگتے ہیں جن کی مولانا شبلی نے بڑی ہجو کی ہے۔ اور جنھوں نے مولانا کو بہت اندوہگیں کیا تھا۔ مگر خدا کا شکر کہ مجھکو وہ نظارہ پیش نہ آیا۔ بلکہ اسکے برخلاف دیکھا کہ سمالی لڑکے تجارتی اسباب کی کشتیاں لیکر آئے اور جہاز پر چڑھ کر مال فروخت کرنا شروع کردیا۔ ان کے پاس شتر مرغ کے انڈے تھے جو ۱۲ فی عدد دیتے تھے۔ شتر مرغ کے پروں کی خوشنما پنکھیاں تھیں۔ گلے کے گلوبند تھے مناظر عدن کے پوسٹ کارڈ تھے۔ یہ لڑکے سب زبانیں جانتے ہیں۔ اُردو بھی خوب بولتے ہیں۔ اہل یورپ سے دلیرانہ معاملہ کرتے ہیں۔ اور ہندی تاجروں کی طرح ذلت سے بازوؤں کو خم نہیں کرتے۔ نہ بیموقع اظہار انکساری میں دانت نکوستے ہیں عدن میں جانیوالے مسافروں کا ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو ہم بھی کھانا کھاکر اپنے یوربین ہم سفروں کے ساتھ عدن میں گئے۔ جہاز سے کنارہ تک کشتی کا

۴ر فی کس کرایہ مقرر ہے ؀

پہلے خطوط ڈاک میں ڈالے۔ روزنامہ کی رجسٹری کے وقت بڑی دقت ہوئی۔ میں نے پتہ اردو میں لکھا تھا۔ بابو نے جو پونا کا برہمن تھا۔ انگریزی پتہ لکھنے کی خواہش کی۔ حیران ہوا کہ کس سے لکھواؤں۔ یورپین ہمراہیوں میں بھی کوئی شناسا ئے اردو نہ تھا جو صحیح طور پر میرا تلفظ ادا کر سکتا۔ مایوس ہو کر بنچ پر بیٹھ گیا اور انگریزی کی ضرورت پر قصیدہ خوانی کرنے لگا۔ آخر قدرت نے پرتگیز دوست مسٹر ڈلیسوزا کو بھیجدیا جن سے پتہ لکھوا کر رجسٹری روانہ کی۔ اس کے بعد تار میں بھی یہی دقت ہوئی ؀

اتفاق سے مسٹر ڈلیسوزا پھر ادھر آن نکلے۔ اور تار کا کام پورا ہوا۔ عدن میں ڈاک کا حساب بالکل ہندوستان کے موافق ہے یعنی ٹکٹ اسی قدر لگانے پڑتے ہیں جتنے ہندوستان میں۔ البتہ تار کا ایک روپیہ لفظ لیتے ہیں ؀

اس کے بعد ہم نے مسٹر ڈلیسوزا کی معیت میں ایک لینڈو گاڑی تمام عدن کے گشت کے لیے چار روپیہ میں کرایہ کی اور پھرنا شروع کیا ؀

اگر دنیا میں کوئی ایسا شہر ہے جہاں درخت اور گھاس کی پتّی تک نظر نہ آتی ہو تو وہ عدن ہے۔ چٹیل میدان، بوحق، پہاڑ خشک پڑے ہیں۔ مکانات عموماً پست اور بدنما ہیں۔ یہودی یہاں کے تجارت کے سبب زیادہ خوشحال ہیں۔ یہاں ہندو بھی تجارت کرتے ہیں ؀

عدن میں ایک اردو کا مدرسہ ہے جو پُر جوش نوجوان سید حسین حمود کے اہتمام میں خوب ترقی کر رہا ہے۔ ایک سَو سے زیادہ لڑکے پڑھتے ہیں جن میں یمن، خوجے، عرب سب ہی ہیں۔ نصاب تعلیم انجمن حمایت اسلام کے طرز کا ہے۔ عبدالشکور صاحب ہندی پنشنر اسکے کارگزار مدرس اعلیٰ ہیں۔ پہلے یہ مدرسہ مہتمم صاحب کے بزرگوں کے مصارف پر چلتا تھا۔ اب انگریزی گورنمنٹ نے بھی چار سو روپیہ سال گرانٹ مقرر کیا ہے جس میں آنکو

اور بھی اضافہ کی امید ہے۔

دوسرا ایک مدرسہ عربی کا ہے جس میں عرب لڑکے زیادہ پڑھتے ہیں۔ اسکے مہتمم شیخ محمد عمر بارزع ہیں۔ اُس میں تیس کے قریب لڑکے پڑھتے ہیں۔ گورنمنٹ نے ابھی اس کا کچھ مقرر نہیں کیا۔

ایک اور مدرسہ انگریزی کا ہے جسکو ہائی سکول کہنا چاہئے۔ اس میں سوا سو کے قریب لڑکے پڑھتے ہیں۔ عرب، یہود، صومالی وغیرہ سب اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اسکے سب مصارف گورنمنٹ کے ذمہ ہیں۔

اب ہماری دل لگی کی کہانی سنئے۔ عدن میں اتنے بزرگوں کے مزارات ہیں یہ وہ مزار ہیں جن کی عظمت مسلم ہے اور دور دور سے لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں۔

(۱) سید عبد روس بن عبداللہ رض (۲) شیخ جوہر رض (۳) شیخ ابان نبیرہ حضرت امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۴) شیخ عبداللہ العلوی رض (۵) شیخ عبداللہ رض (۶) شیخ حسین اَحدل رض (۷) احمد اَحدل رض (۸) شیخ ہاشم بحر رض (۹) شیخ عثمان رض (۱۰) سید علی ابن احمد رض۔

ان سب درگاہوں میں سرخ رنگ کے پھریروں کے جھنڈے نصب ہیں۔ جن پر ہلال بنا ہوا ہے۔

ان بزرگوں کے مفصل حالات کی کتاب عدن میں ملتی ہے جس کے بھیجنے کا سید حسین حمود نے وعدہ کیا ہے۔ وہ آجائیگی تو سفرنامہ کی تکمیل کے وقت حاشیہ میں یہ حالات نقل کردیے جائینگے۔

زندہ مشائخ بھی کئی ہیں۔ مگر مجھکو صرف سید محمد عبداللہ البار کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ بار سلسلۂ نقشبندیہ کی ایک شاخ ہے، جسکے سرسلسلہ سید عمر بن عبدالرحمن البار تھے اس سلسلہ کے ایک بزرگ مدینہ شریف میں بھی ہیں جن کا اسم گرامی سید البار صاحب نے مجھکو لکھوا دیا ہے۔ سید البار صاحب پچاس سالہ بزرگ ہیں۔ بشرہ سے آثار بزرگی متشرع

ہیں۔ نہایت سادگی سے ایک بوریہ پر عرب جماعت کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ اُن سے بہت دیر تک مترجم کے ذریعہ گفتگو رہی۔ کیونکہ یہ عدن کی عربی کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے۔ ہندی مشائخ کے حالات دریافت کئے اور حلقۂ نظام المشائخ کا حال سُنکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مسلمانوں کو مضبوط کر کے موجودہ علوم ضرور حاصل کرنے چاہئیں تاکہ وہ اقوام غیر کے دوش بدوش زندگی بسر کر سکیں ؛

عدن کو پورے چار گھنٹے گشت لگا کر خوب دیکھا۔ جگہ جگہ ٹھیر کر میں بچوں سے باتیں کرتا تھا تعجب ہے کہ سب خوب اُردو بولتے ہیں۔ یہ عموماً سمالی قوم کے ہیں۔ سمالی مُلا کے شاکی تھے کہ اس کو خوف خدا نہیں۔ ہمارا مال لُوٹ لیا۔ اور ہم کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ اُن کو اس کا بھی افسوس ہے کہ انگریزوں کی دوستی میں ہم نے یہ نقصان اُٹھایا۔ مگر انگریز خزانہ ٹھُکر جانے کے سبب مُلا کے سامنے سے بھاگ آئے۔ اور ہم کو درمیان میں چھوڑ دیا ؛

میں نے کہا کہ نہیں انگریز ایسے غریب نہیں ہیں کہ ذراسی بات میں اُن کا خزانہ کم ہو جائے تو اُنھوں نے سوال کیا۔ آپ ہی بتائیے کہ پھر انگریزوں نے مُلا کا مقابلہ کیوں چھوڑ دیا۔ اور مفتوحہ ملک کیوں خالی کر کے چلے آئے۔ اس قسم کے خیالات ان میں عام طور پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ کا میں نے نام پوچھا تو بولا نور۔ میں نے کہا تیرا رنگ تو اس قدر کالا اور نام ایسا سفید۔ ہنس کر کہنے لگا۔ کفرستان کے اثر نے نور کو کالا کر دیا ہے ؛

جب ہم واپس آئے۔ اور کشتی پر سوار ہوئے تو ملاح لڑکے نے ایک انگریز سے کہا۔ دونی دریا میں ڈالو۔ میں نکالونگا۔ چنانچہ انگریز نے دونی ڈالدی اور وہ لڑکا فوراً غوطہ مار کر منہ میں نکال لایا۔ جب جہاز کے قریب پہنچے اور ملاح کو چار آدمی کی اُجرت کا ایک روپیہ ملا تو اُس نے نہایت متانت سے انگریزی زبان میں کہا۔ لو صاحب اب تم دریا میں کود و۔ میں یہ روپیہ پھینکتا ہوں۔ اس کو نکال لاؤ۔ صاحب اسکی بے باکانہ بات سے ہنسنے لگے ؛

تیسرے پہر سید حسین حمود اور عبد الشکور صاحب جہاز پر ملاقات بازدید کے لئے آئے

اور سلسلہ نظامیہ میں بیعت کی خواہش کی۔ چنانچہ ان دونوں کو سلسلہ میں شامل کر لیا گیا۔

شام کو بعد مغرب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ آج عدن سے ایک یہودی تاجر فرسٹ کلاس میں سوار ہوا ہے۔ نوے برس کی عمر ہے اور صورت بالکل (بلا تشبیہ) سر سید احمد خاں کی ہے۔ میں حیران ہو کر اس کو دیکھتا رہا۔ ترکی ٹوپی، کوٹ پتلون، سفید ڈاڑھی، بھاری آواز، وہی نقشہ۔ اس کے پہنچانے کے لئے اس کثرت سے یہودی آئے کہ سارا جہاز ترکی ٹوپیوں سے بھر گیا۔ یہ سب علیگڈھی لباس پہنے تھے۔ ان میں بعض صورتیں تو اس قدر نورانی اور متبرک تھیں کہ بے ساختہ تہجد گذاروں کا شبہ ہوتا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان کے کانوں کے پاس ذرا گنجان بالوں کے گچھے تھے جو نو عمر لڑکوں کو بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ صورتیں ان سب کی گوری چٹی۔ ان کے لڑکے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ ابھی علیگڈھ سے آئے ہیں۔ فیشن ایبل جنٹلمین ہیں۔ یہ یہودی پورٹ سعید جاتا ہے۔ عدن کے اُمرا میں ہے۔

سُنا تھا کہ بحر احمر میں گرمی زیادہ ہوگی۔ اسلئے رات کو چھت پر سویا۔ مگر ہوا اس قدر تیز اور سرد تھی کہ ساری رات اسکے سناٹے نے سونے نہ دیا۔ سویرے اُٹھ کر اپنے کیبن میں چلا آیا۔

عدن کے وحشی عربوں کے دیکھنے اور بات چیت کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس قوم میں ترقی کرنے اور دنیا کی کشمکش میں تعجب خیز فروغ پانے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ صرف ایک سمیٹنے والی طاقت درکار ہے۔

افسوس ہندوستانی اپنی عزت اپنے ہاتھ سے کھوتے ہیں۔ آج ایک نہایت ناگوار واقعہ پیش آیا۔ فرسٹ کلاس کے ایک انجان اور انپڑھ دیسی ایک کوچ پر اس طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھے کہ ایک انگریز کی وہ ٹوپی جو شام کو اوڑھی جاتی ہے، اُن کے نیچے دب گئی۔ انگریز اپنے کام سے واپس آیا تو ٹوپی تلاش کرنے لگا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ اس بھاری بھرکم اسباب کے نیچے ہوگی۔ ادھر اُدھر دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ جوں ہی یہ وجود فیل تن اٹھا تو

دیکھا کہ ٹوپی ملی دلی پڑی ہے۔ انگریز غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ اور اس قدر گالیاں دیں کہ توبہ۔ مناسب تھا کہ معذرت کی جاتی مگر وہ اس سے بیخبر تھے، مجھے معلوم ہوا تو میں نے اُس انگریز سے معافی مانگ لی۔ ایسا ہی ہیرے کیبن میں ہوا۔ تھرڈ کلاس کے کچھ مسلمان مجھ سے ملنے آئے۔ اور رستم جی کوٹ پتلون پر کئی جگہ داغ لگ گئے۔ رستم جی باہر سے آئے اور کپڑے دیکھے تو دھبے نظر آئے۔ اُس وقت یہ لوگ موجود تھے۔ پارسی بیچارا اکھیر وہیں ہی خاموش ہو گیا، تاہم مجھکو بڑی شرمندگی ہوئی اور اُس سے معافی مانگنی پڑی ۔

انھی حرکتوں سے یورپین ہم لوگوں سے نفرت کرتے ہیں اور جانور سمجھتے ہیں ۔

۸ جون سنہ ۱۹۱۱ء

پنجشنبہ۔ اسپرہ کے خلافت بحر احمر بھی موجوں میں ہے۔ خبر نہیں اس کا نام سُرخ کیوں ہے۔ رنگ تو یہی دیکھنے میں سیاہ ہے (معلوم ہوا اسکی تہ کی مٹی سُرخ ہے)

آج سورت کے ہندو جج صاحب سے ہندوستانی عورتوں کے مسئلہ پر خوب گفتگو ہوئی جج صاحب کے ہمراہ اُن کی اہلیہ بھی ہیں جو بڑی تعلیمیافتہ اور انگریزی آداب سے ماہر ہیں۔ یہ دونوں بیچارے بڑے نیک دل ہیں۔ جج صاحب اکثر میرے پاس آکر دریافت کر جاتے ہیں کہ کچھ تکلیف تو نہیں۔ ان کی بیوی کو تھرڈ کلاس کی اُن مسلمان عورتوں سے جو مدینہ شریف جا رہی ہیں بڑی ہمدردی ہے۔ روزانہ میری معرفت اُن کی خیریت منگواتی ہیں ۔

پردیس میں ہندو مسلمان کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ کاش اپنے دیس میں بھی آپس میں یہی سلوک ہوتا ۔

مرچیں دستیاب ہو گئی ہیں۔ انگریزی کھانے کو زخمی کر کے چھڑکتا ہوں اور مزے سے کھاتا ہوں ۔

آج بصرت کے انگریزی کانسل جنرل سے خوب باتیں ہوئیں۔ فارسی میں طاق ہیں

اب تو یہ شغل ہے۔ کھانا کھایا اور اوپر چلا گیا۔ فرانسیسی دوست سے تاریخ اسلام اور درویشی کے متعلق باتیں شروع ہو گئیں۔ اور لوگ بھی جن کو فارسی آتی ہے آن بیٹھتے ہیں۔ ان کو وقت کاٹنے کا بہانہ ملتا ہے۔ میں تبلیغ کا فرض پورا کرتا ہوں۔ اسلام کے متعلق ان لوگوں میں سیکڑوں غلط فہمیاں ہیں۔ ان سے ملنے اور ان کو بتانے سمجھانے کی بڑی ضرورت ہے۔

۹۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

جمعہ۔ محمد رفیع بے ترک کے حالات افسوس ہے ابتک نہیں لکھے۔ یہ اول بمبئی میں ترکی سفیر کے ہاں ملے تھے۔ اب ہم سفر ہیں۔ گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہے۔ آدمی روشن خیال اور کام کے ہیں۔ سفر کے لئے آج انھوں نے بہت مفید یادداشتیں لکھوائیں۔ دریا میں بہت جوش ہے پانی امنڈ امنڈ کر اور اُڑ اُڑ کر اوپر چلا آتا ہے اور کپڑے تر کر جاتا ہے۔

اب صرف دو روز سوئیز پہنچنے میں رہ گئے ہیں۔ یہ خاک نژاد آدمی پانی سے کتنی جلدی سیر ہو جاتا ہے۔ بار بار زمین پر چلنے کی حسرت ہوتی ہے۔

صبح کے وقت چھت پر بڑی بہار ہوتی ہے۔ میں اکثر نماز پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت وہیں کرتا ہوں۔ اس سرے سے اُس سرے تک برابر تختوں پر بستر بچھائے انگریز سویا کرتے ہیں۔ سب ایک رنگ کے، لیکن ان کے سونے کے کپڑے بڑے تماشے کے ہوتے ہیں۔ پیشِ پنڈلیوں تک ایک پاجامہ اور چھوٹا سا کرتہ بعض فقط ایک لمبا کرتہ پہن لیتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انجمن حمایت اسلام کے یتیم پڑے ہیں۔ اور پھر اُن کا آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھنا اور ننگے پاؤں نیفہ سنبھالتے ہوئے نیچے جانا۔ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اجمیر شریف کے دیگ لوٹنے والے، مگر سفید رنگ۔ ایک گھنٹہ کے بعد یہی لوگ مہذب شائستہ بنکر آجاتے ہیں۔ یہاں میرے اہل وطن کو عبرت سے غور کرنا چاہئے کہ اُن کا کوئی قرینہ درست نہیں۔ نہ کھانے کا وقت، نہ سونے کا وقت، نہ خوابگاہ کا کوئی ضابطہ، نہ بیداری کا کوئی

قاعدہ۔ یہ لوگ ہر کام میں ایک دستور کے پابند ہیں۔ اور ہر یورپین خواہ انگریز ہو یا فرنچ اٹالین ہو یا جرمن، سب یک دِرگیر محکم گیر کے مصداق ہیں۔ بلجیم کے ایک پادری صاحب جو کلکتہ میں لارڈ بشپ ہیں، اس جہاز میں ہیں۔ ہر رنگ میں ہیں۔ سارا دن شطرنج کھیلتے رہتے ہیں، اور مزا یہ کہ شرطیں باندھ باندھ کر کھیلتے کھلاتے ہیں۔ ہمارا کوئی مولوی ایسا کرتا تو کا طفلاں تمام خواہد شد، کا فتویٰ لگ جاتا۔ مگر یہ لوگ تو مذہب سے پہلے ہی آزاد ہیں۔ جو کچھ ہے پولیٹیکل تماشہ ہے۔ القصہ ان لوگوں کا وقت جہاز میں عجب چہل پہل اور ہنسی خوشی میں گزر رہا ہے۔

دریا کی موجوں نے ہل چل ڈال رکھی ہے۔ ہنڈولے کا مزا آتا ہے کبھی جہاز آسمان پر، کبھی زمین میں۔

۱۰ جون سنہ ۱۹۱۱ء

شنبہ۔ آج تھرڈ کلاس کے بھائی مسلمانوں میں نشست رہی۔ ان کلمہ گو صورتوں کی صحبت میں کیا بہار ہے کہ واہ سبحان اللہ! ایک پارسی بھی اس میں ہیں۔ ولایت میں بیرسٹری پڑھتے ہیں۔ ہر سال بمبئی چلے آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ ایک سو تیس روپیہ کا خرچ ہے۔ چار روپیہ کا ایک پلنگ بمبئی سے لے لیا ہے۔ وہی میز، وہی کرسی، وہی خوابگاہ ہے۔ سچ ہے غربت میں یہی چاہئے۔ غریب مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ بھی اسی درجہ میں سفر کیا کریں۔ اور گھر سے نکل کے خدا کا ملک دیکھیں۔ کچھ تکلیف نہیں۔ خدا سب آسان کر دیتا ہے۔ توکل شرط ہے۔

اہل یورپ ہر سال جماعتیں بنا کر ہندوستان کی سیر کو آتے ہیں، تو کیا ہم مسلمان گروہ قائم کر کے دنیا کی سیر کو نہ جائیں۔ وہ امیر ہیں بڑے درجوں میں سفر کرتے ہیں۔ ہم غریب ہیں چھوٹے درجوں میں سفر کریں۔ مجمع کے سبب خرچ میں بڑی کفایت ہو گی سب سے پہلے اسلامی ممالک کی سیاحت کے لئے قدم بڑھانا چاہئے۔ میرا جی تو چاہتا ہے

کہ اگلے سال ایک پورا جگھٹا اکٹھا کرکے تمام عرب، عراق و افریقہ کی سیر کروں جسکو یہ تجویز پسند ہو تیار ہو جائے اور عرب شام و روم افریقہ کے سفر میں بشرطیکہ تھرڈ کلاس ہو پانسو روپیہ فی کس کافی ہیں۔ ہم کو وہاں جانا چاہیئے جہاں آرام طلب سیاح نہیں جاتے۔ گاؤں گاؤں قصبے قصبے پھریں اور اپنے گزشتہ نام و نشان کی شان افسردہ دیکھیں۔

۱۱۔ جون ۱۹۱۱ء

یکشنبہ۔ آج صبح بصرہ کے انگریزی کانسل جنرل سے کوئی ایک گھنٹہ مسلمانانِ عالم علی الخصوص مسلمانانِ ترک کی نسبت گفتگو ہوئی۔ فارسی خوب بولتے ہیں۔ انکو مسلمانوں کی موجودہ پستی کا افسوس ہے۔ سلطان عبدالحمید کا ذکر آیا۔ کہنے لگے "اگرچہ وہ خوب آدمی نہ تھا لیکن وہ ایک تھا۔ اور اب پارلیمنٹ کے قائم ہونے سے ہر ترک عبدالحمید بن گیا ہے اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتا" میں نے کہا تمہارے خیال میں پارلیمنٹ سے ترکوں میں کچھ ترقی ہوئی۔ جواب دیا "میری دانست میں وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے۔ وہی قہوہ نوشی اور سگار سوختگی کا مشغلہ ہے، کہتے بہت ہیں، کرتے خاک نہیں۔ ان کے منصوبے تو یہ ہیں کہ گلی گلی ریل ٹھہرا سوسے، ہوائی جہاز جاری کردیں۔ مگر اسکا علاج نہیں سوچتے کہ یہ چیزیں جن سے مہیا ہوتی ہیں وہ بھی ان کے پاس ہیں یا نہیں۔ ترک ایک جنگی قوم ہے اور جنگجوئی ان کے تمام افراد میں سرایت کرگئی ہے۔ یہ اچھی چیز ہے مگر قوم میں سے نشو و نما پائی ہے وہ تجارت و حرفت ہے۔ اور جس سے اسکی جڑ جمتی ہے وہ جہاز ہے۔ ترکوں کی جڑ درست ہے مگر نشو و نما مطلق نہیں۔ ان میں ایک شخص بھی بنک اور تجارتی کاروبار کی قابلیت نہیں رکھتا۔ ہوا آجکل اسکے لئے ضروری ہے" میں ہندوستان کے مسلمانوں میں ترقی کی جو تحریک پاتا ہوں، اس سے مجھے امید ہے کہ وہ ترکوں سے پہلے منزل پر پہنچ جائینگے۔ کیونکہ کامیابی ہمیشہ اس خیال سے ہوتی ہے کہ مجھے کچھ نہیں آتا، اسلئے مجھکو سیکھنا چاہیئے۔ مگر ترک حکومت

کے نشہ میں اپنے تئیں ہر چیز سے باخبر تصور کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے" میرا خیال ہے کہ
کانسل جنرل کی باتیں زیادہ تر اُسی غلط فہمی پر مبنی تھیں جو یورپ میں ترکوں کی نسبت پھیلی
ہوئی ہے ۔

۱۲ - جون سنہ ۱۹۱۱ء

دوشنبہ - رات سے بلکہ دو روز سے سردی ہو گئی ہے کیبن میں کپڑا اوڑھنے کی ضرورت
ہے - کجا وہ وقت کہ بغیر برقی پنکھے کے نیند نہ آتی تھی ۔

کل شام کو جب دریا کے دونوں طرف پہاڑ نظر آئے تو ایک جرمن دوست نے کہا - ایک
طرف کوہ یک رنگ ہے اور دوسری جانب کوہ ابلق - میں نے اس کا مطلب پوچھا - بولا
یک رنگ حجاز کے پہاڑ ہیں ، جہاں ترک بلا شرکت غیرے حاکم ہیں - دوسری جانب مصری
جبل ہیں - جہاں انگریزوں کی شرکت ہے - اسلئے میں نے سیاہ سفید کی آمیزش کے
سبب اسکا نام ملک ابلق رکھا ہے - یہ جرمن بحرین میں متعین ہے ، اور فارسی خوب بولتا ہے
میں نے اس سے کانسل جنرل بصرہ کی باتوں کا ذکر کیا کہ وہ ترکوں کے بارے میں اچھے
خیال نہیں رکھتے - تم بھی ترکی مملکت کے قریب ہو - تمھاری کیا رائے ہے - بگڑ کر بولا کہ میں
کانسل صاحب کے خیال کا بالکل مخالف ہوں - اُنھوں نے واقعہ نہیں کہا - انگریزی
پالٹیکس کا فرض پورا کیا - انگریز ترکوں کی ترقیات کو عالم اسلام سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں -
تم یقین کرو کہ ترک بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے ہیں اور عنقریب یورپ کے میدان تمدن میں
داخل ہونے والے ہیں - عجب مشکل ہے کس کا کہنا مانیں - جرمن کی رائے سے مجھکو ذاتی طور
پر اختلاف ہے - اور میں خوب جانتا ہوں کہ اہل جرمن انگریزوں کے دشمن ہیں اور انگریزوں
کی نسبت ترکی عداوت کا بیان سراسر غلط ہے - انگریز ایسے نادان نہیں ہیں کہ ان باتوں
کو مخفی رکھنے کی کوشش کریں جن کا پردہ میں رہنا ناممکن ہے - اس کے علاوہ ترکوں کی ترقی
پوشیدہ رہیگی تو انگریزوں کا اس میں فائدہ ہے - اہل جرمن کی دشمنی چھپی نہیں رہتی ، چنانچہ

آخر میں خود اسی جرمن نے کہا۔ بادشاہ جرمن مسلمانوں کے دوست ہیں جرمنی حکومت آجتک کسی کا ملک نہیں چھینا۔ وہ صرف فروغ تجارت کی طلبگار ہے۔ اس آخری گفتگو سے ہی ناظرین جرمنیوں کے تعصب کا نتیجہ نکال سکتے ہیں۔

القصہ صبح ۷ بجے جہاز نے سوئیز کے بندر پر لنگر کیا۔ اور طبی معائنہ کے بعد ہم لوگ کنارے پر گئے۔ دو روپئے فی کس کشتی کا کرایہ دیا گیا۔ یہ کشتی والے بڑے شریر ہوتے ہیں مجھکو اوّل درجہ کا مسافر دیکھ کر سر تھے کہ ان سے چار روپئے لینگے۔ ترک دوست نے اُن کو دھمکایا تو خاموش ہوئے۔ کنارہ پر کک کمپنی کا ملازم کھڑا تھا۔ اُس نے آرام سے قرنطینہ کے مقام پر پہنچایا۔ اور ہمارے ساتھیوں کے میلے کپڑے بھپارے میں دیئے گئے۔ اسکے بعد مصری افسر نے دو شلنگ (۱؎) لیکر طبی سارٹیفکٹ دیدیئے۔ مولانا شبلی وغیرہ سیاحوں نے جو کچھ یہاں کے قلیوں، کشتی بانوں، ترجمانوں اور عام آدمیوں کی شکایت کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ ناتجربہ کار شخص کو تو یہ لوگ گائے بکری سمجھ کر کُند چُھری سے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ بات بات میں دھوکہ فریب مگر مسافر غریب کیا کرے انھیں کمبختوں سے کام نکلتا ہے۔ نصف گنی کے قریب دو گھنٹے میں صرف کی۔ اسپر بھی ان لوگوں کی چشم حرص سیر نہوئی۔ ایک فٹن کرایہ کر کے ہم نے تمام سوئیز کا گشت لگایا۔ شہر کے بازار بارونق اور خوشنما ہیں۔ مگر آبادی کا حصہ کچھ سنسان اور وحشت خیز ہے۔ اس مختصر وقت میں حسب ذیل بزرگوں کے مزارات کی اطلاع ناظرین کے لیئے ہم پہنچائی گئی جو سوئیز میں مرجع خلائق ہیں۔

(۱) سید عبداللہ الغریبؒ (۲) سید الخضرؒ (۳) سید ابوالنورؒ
(۴) سیدی شیخ مشمشؒ (۵) سیدی شیخ فرجؒ (۶) سیدی العشریؒ
(۷) سیدی الانصاریؒ (۸) سیدی الاربعینؒ (۹) سیدی ابو لیفہؒ
(۱۰) سیدی شیخ جنیدیؒ

سوئیز میں جسوقت بگھی چلی تو کوچبین نے لوگوں کو آواز دینی شروع کی یمینک یعنی اپنے
دائیں پر بچ جاؤ۔ اس عربی صدا نے حالت وجد طاری کر دی۔ کوئی لڑکا سامنے آجاتا تو وہ
پکارتا یا ولد۔ لڑکی آجاتی تو یا بنت کہتا۔ واہ کیا پیاری زبان ہے۔ ڈاکخانہ میں گئے تو
پوسٹ ماسٹر صاحب نے جو مصری مسلمان تھے مسلمانوں سے بڑی دلچسپی ظاہر کی ٭

الغرض ساڑھے گیارہ بجے ریل پر آگئے۔ گاڑی گیارہ بجے قاہرہ کو جاتی ہے ترجمان
صاحب نے ٹکٹ وغیرہ کا تدارک کر رکھا تھا۔ ریل میں سوار ہوئے تو ہمارے ساتھی
حافظ عبدالقادر نگینوی درزی کے جو مصر جاتے ہیں، ایک ترجمان سر ہو گیا کہ لاؤ دو روپے
دو۔ اور اس طرح غل مچایا کہ گویا جان کھو دیگا۔ ہمارے ترجمان صاحب نے بھی سفارش کی
کہ ہاں اسکو کچھ دینا چاہیئے۔ درزی نے کہا کہ اس نے میرا کیا کام کیا ہے، صرف ٹکٹ
لادیا ہے اور دو گھنٹے میرے پاس خواہ مخواہ بیٹھا رہا۔ مجھے اس کی کیا ضرورت تھی ترجمان
نے کہا تم نے کہدیا ہوتا کہ مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔ درزی نے کہا اوّل تو تم کو اسکا
خیال کرنا چاہئے کہ جب میں کھانا کھانے بازار گیا تو تم نے بھی خواہ مخواہ شرکت کی اور میرے
سر چپٹ کر گئے اسپر اس طرح آنکھیں نکالتے ہو لیکن ترجمان نہ مانا اور مرنے مارنے پر آمادہ
ہو گیا۔ میں نے درزی سے کہا ڈرو مت۔ اور مقابلہ کو کھڑے ہو جاؤ۔ یہ لوگ ہم کو بزدل
سمجھتے ہیں۔ میں نے بھی ڈنڈا سنبھالا اور اُن کے جمّ غفیر کے سامنے ہم دونوں کمزور کھڑے
ہو گئے۔ کھڑا ہوتا تھا کہ ترجمان ہاتھ جوڑنے لگا کہ معاف کیجئے۔ جانے دیجئے۔ اور بڑبڑاتا
اور کوسنے دیتا گاڑی سے نکل گیا ٭

حافظ عبدالرحمٰن سیاح نے سچ لکھا ہے کہ مصری مسافروں کے دشمن ہیں اور جب
کسی اجنبی سے جھگڑا ہوتا ہے تو ہموطن کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس جھگڑے میں کسی مصری
نے دخل نہیں دیا۔ اور چپکے بیٹھے سیر دیکھتے رہے۔ ان ترجمانوں سے ہمیشہ بچنا چاہیئے،
یہ جب سامنے آئیں دھمکا دو۔ اور ہٹا دو۔ سوئیز میں ہر زبان کے بولنے والے موجود

ہیں۔ تم کو تکلیف نہ ہوگی۔ ان ترجمانوں کے بھروسہ پر کوئی کام کرو گے تو خطا پاؤ گے۔ اور اگر کوئی موقع آئے تو ان کے تن و توش سے ڈرو مت۔ یہ بڑے کم ہمت اور ڈرپوک ہیں۔ ایک دھمکی میں میدان سے بھاگ جاتے ہیں۔

سویز سے چل کر ایک گھنٹہ میں اسمٰعیلیہ پہنچے۔ یہاں قاہرہ کے لئے گاڑی بدلنی پڑتی ہے۔ ایک گھنٹہ ٹھہرنا پڑا۔ پلیٹ فارم پر ایک نہایت صاف ستھرا اور خوبصورت قہوہ خانہ ہے اس میں بیٹھ گئے۔ فوراً ایک کوٹ پتلون والا ارمنی لڑکا سامنے آیا اور چائے کا حکم لے کر واپس گیا۔

جب لوگ اس کو کوئی حکم دیتے ہیں تو نہایت دل فریب انداز سے تبسم خیز بشرہ میں گردن کو خم کر کے کہتا ہے طیّب (بہت اچھا) اور اس طرح جسم کو جنبش دیتا ہوا لچک کر چلتا ہے گویا اس کو تھیٹر کے ایکٹروں کی طرح اس رفتار و گفتار کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہ ارمنی و یونانی عیسائی انہی حرکات سے روپیہ کماتے ہیں اور چھانٹ چھانٹ کر خوبصورت لڑکے ملازم رکھتے ہیں تاکہ گاہک کثرت سے آئیں۔

میں نے دیکھا کہ اُمرا اس لڑکے کو بار بار بلاتے تھے اور یہ کن انکھیوں سے چاروں طرف نگاہ مارتا ہلا دوڑتا پھرتا تھا۔ بات بات پر ہنستا اور کرشمہ سازیاں دکھاتا۔

میرے ساتھیوں نے کہا مصر میں اکثر قہوہ خانے والے ان تہذیب یافتہ لڑکوں کو ملازم رکھتے ہیں مگر قاہرہ میں آکر اس کی بہت کم مثالیں دیکھیں۔

شام کو ۸ بجے قاہرہ پہنچے۔ گاڑی بہت تیز آئی۔ درمیان میں متعدد اسٹیشنوں کو چھوڑتی گئی۔ مضافات مصر سر سبز ہیں۔ قاہرہ کے اسٹیشن پر بھی قلیوں کا جھگڑا اور ریلیل ہوا جو جگہ جگہ ہوتا آیا تھا کہ وہ تگنا چوگنا مانگتے تھے آخر ایک پولیس والے نے معاملہ طے کرایا۔ اور جب سپاہی اور قلیوں نے ہمارے ترک ہمراہی کا حال معلوم کیا کہ یہ عثمانی ہے تو تعظیم سے گردنیں جھکائیں۔ یہ لوگ ابتک ترکوں کا ادب کرتے ہیں۔

مصری ٹکسال کے سکے
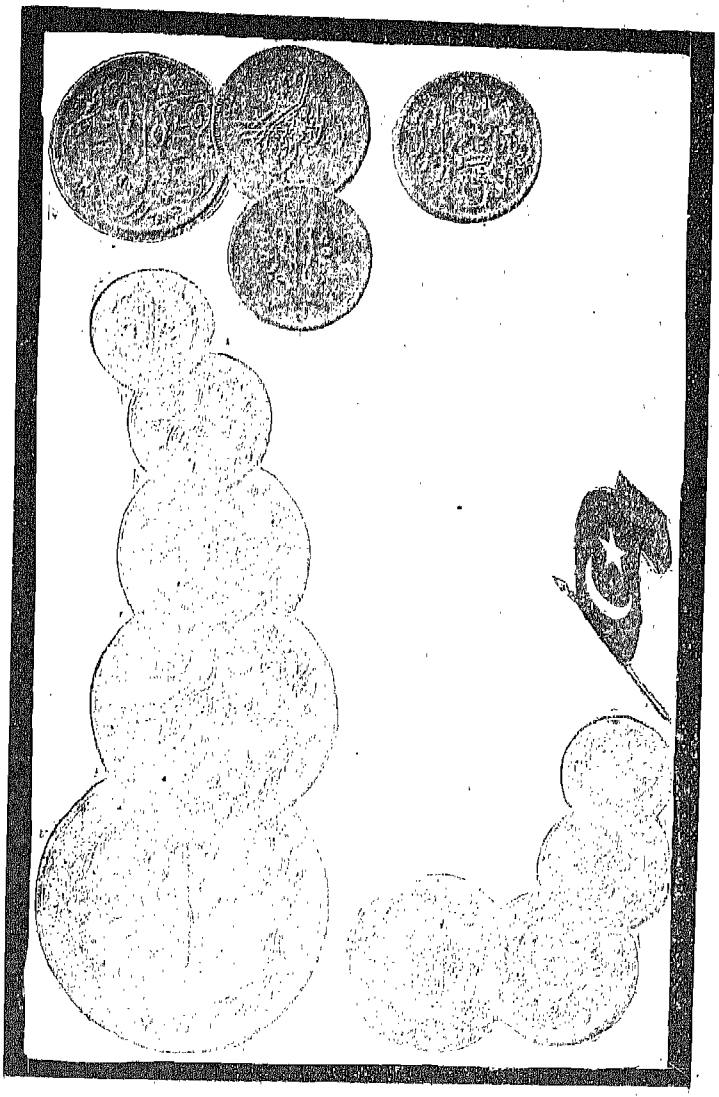
سوئیز سے ترجمان صاحب نے لوکندہ خضرہ کے منیجر کو ہم سے تار دلوا دیا تھا اور اُس کی بہت تعریف کی تھی۔ قاہرہ میں لوکندہ کا ملازم لڑکا ریل پر لینے آیا، مگر جب لوکندہ میں گئے تو چکر آنے لگا۔ اوّل تو مقام نہایت تنگ گلیوں میں ہے۔ اسپر حالت یہ کہ تمام مکان میں اس کثرت سے چارپائیاں بچھی ہوئیں کہ راستہ چلنے کو جگہ نہیں۔ شفاخانوں میں بھی بیماروں کے پلنگ ذرا سی جگہ چھوڑ چھوڑ کر بچھائے جاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے لالچ میں پٹی سے پٹی بھڑا دی ہے اور کرایہ دس قرش یومیہ یعنی عہ روزانہ۔ میرا دم اس نظارہ سے گھٹنے لگا۔ ٹھہر جاتا تو یقیناً جنون کی نوبت آجاتی۔ فوراً واپس آیا۔ اور گاڑی والے سے کہا کہ یہاں کے وہ ہوٹل بتاؤ جہاں انگریز ٹھہرتے ہیں ؛

چنانچہ وہ ازبکیہ بازار میں لے آیا۔ جہاں سڑکیں کشادہ، عمارتیں شاندار، پیرس کا نمونہ مشہور ہے۔ اور سب اہل یورپ کی قیامگاہ یہی بازار ہے۔ بڑے بڑے ہوٹل اسی جگہ ہیں۔ یہاں ہم کو المنتزہ ہوٹل پسند آیا، جو ایک یونانی عیسائی کا ہے۔ عمارت کے اعتبار سے بہت خوبصورت، اندر تمام سنگ مرمر کا فرش، وسیع کمروں میں فی کمرہ صرف دو مسہریاں چھوٹے کمروں میں صرف ایک مسہری، فرش اور سامان آرائش نہایت اعلیٰ، پاخانے غسلخانے پاک صاف، گرم پانی ہر وقت موجود، غرض ہر چیز عمدہ، دہلی کے میڈن ہوٹل اور سسل ہوٹل کی جن کے سات روپیہ چارج ہیں، اسکے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ کرایہ پوچھا تو بارہ قرش یومیہ یعنی عہ ۱۲ ار۔ لوکندہ خضرہ سے صرف دو قرش زیادہ۔ اللہ اکبر! زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان مسلمانوں کو کمانے کا مطلق ڈھنگ نہیں آتا۔ آنکھیں بند کرکے لوٹنا چاہتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھئے اس ساز و سامان پر نرخ کس قدر کم ہے کہ خواہ مخواہ آدمی قبول کر لے۔ اور جب آئے یہیں ٹھہرے۔ مذہبی خیال کے مسلمان یہاں محض اس خیال سے نہیں ٹھہرتے کہ یہ عیسائیوں کے ہوٹل ہیں۔ حالانکہ یہاں انجیل کا درس نہیں دیا جاتا۔ یہ تو مسافروں کا قیامگاہ ہے۔ یہاں مالک ہوٹل کے اخلاق کا یہ عالم کہ جب مسافر کسی کام

کو اُسکے پاس جاتا ہے تو سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم دیتا اور سلام کرتا ہے اور نہایت توجہ سے خدمت بجالاتا اور حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ ہوٹل کے کام کرنے والے ملازم سب مسلمان ہیں۔ سارا ہوٹل مسافروں سے بھرا ہوا ہے اور سب اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہیں۔

مالک ہوٹل ایسا ہوشیار اور زمانہ ساز ہے کہ جب وہ دیکھتا کہ اُس کے مہمان اکثر تسبیح پڑھتے رہتے ہیں تو خود بھی اپنے ہاتھ میں تسبیح لئے رہتا ہے۔ میں نے پوچھا تم عیسائی ہو کر تسبیح پڑھتے ہو۔ بولا ہمارے مذہب میں بھی اسکے پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ بوڑھا آدمی ہے۔

میں جب بگھی میں سیر کرنے باہر جاتا ہوں تو ہمیشہ گاڑی والا عادت کے موافق جھگڑتا ہے مگر میں ہوٹل پر آکر کرایہ مالک ہوٹل کے حوالہ کردیتا ہوں اور وہ بیچارا روزانہ اِن معاملات کو طے کرتا رہتا ہے۔ قیام کرنے کے بعد ہم بازار میں کھانا کھانے گئے۔ کیونکہ یہ ہوٹل ٹھہرنے کے ہیں۔ کھانے کے ہوٹل جگہ جگہ دوسرے ہیں۔ جہاں عمدہ سے عمدہ کھانا ہر وقت تیار ملتا ہے۔ کھانا کھایا جس میں کئی قسم کی عمدہ چیزیں تھیں۔ اور صرف ۱۲ دام دیئے جو کچھ زیادہ گراں نہیں ہیں۔ کیونکہ مصری گرانی کی بہت سی کہانیاں سُنی تھیں۔ یہ نرخ بالکل بمبئی جیسا ہے۔ وہاں بھی اچھا کھانا دس بارہ آنہ سے کم میں ایک وقت میسّر نہیں آتا چونکہ بارہ دن جہاز کے قفس میں مقید رہے تھے اسلیے آج کی دوڑ دھوپ کی کثرت نے مجھکو بالکل تھکا دیا۔ اور جلدی سو جانے کی تیاری کردی۔ مجھکو پاؤں دبوانے کی ایک ایسی بُری عادت ہے کہ جسکی حد نہیں۔ آج اسکا خمیازہ بُھگتا کسی طرح نیند نہ آتی تھی۔ اور عجب کرب تھا۔ بہزار وقت سویا تو متوحش خواب دیکھتا رہا۔

۱۳۔ جون سنہ ۱۹۱۱ء

سہ شنبہ۔ بیدار ہوا تو جسم کی وہ تھکن ویسی ہی تھی۔ سوچا کہ حمام کرنے سے تکان دور ہوجائیگی مالک ہوٹل سے ایک عمدہ حمام کا پتہ لیکر گاڑی میں بیٹھکر گیا۔ حمام گو بہت وسیع تھا مگر اس قدر

مصری ڈاکخانہ کے ٹکٹ
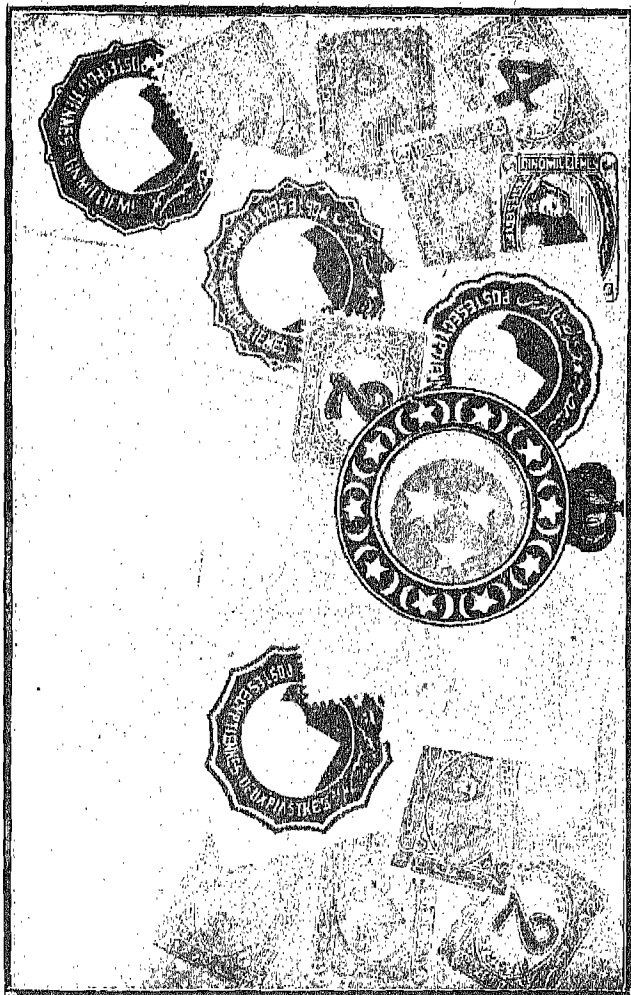
غلیظ اور متعفن کہ خدا کی پناہ۔ کپڑے اُتارا اور تہ بند باندھکر اندر کے درجہ میں گیا۔ وہاں متعدد ننگے دُھڑنگے ہاتھی دانت کے موٹے موٹے کھلونے (مصری) بیٹھے تھے۔ میرے تن زار اور جسم لاغر کو دیکھکر زور زور سے دعائیں مانگنے لگے کہ خدا اس مرض لاغری سے بچائے، مجھے اُن کی یہ باتیں ناگوار ہوئیں۔ اسپر حمام کی بُو، گرمی کی شدت، دم گھٹنے لگا۔ ہر چیز میلی، حمام اندر سے بھی تمام میلا۔ نہاتے وقت یہ لوگ بالکل برہنہ ہوجاتے ہیں چنانچہ کئی بڈھے جوان حمامیوں کے آگے برہنہ پڑے تھے اور مجھکو غیرت کے مارے پسینہ چلا آتا تھا۔ جب میری نوبت آئی تو حمامی نے حسب عادت مالش کے وقت میرے تہ بند کو بھی دور کرنا چاہا مگر میں نے اُس کو ڈانٹا اور جلدی فارغ ہوکر باہر آیا۔ حافظ عبدالرحمٰن نے تین قرش اُجرت لکھی ہے۔ مگر حمامی نے اجنبی سمجھکر مصری فریب دہی کے قاعدہ کے موافق دس قرش لے لئے ⁂

اگر یہی حمام ہیں جن کی دھوم تھی تو ان کو دونوں ہاتھوں سے سلام۔ ہمارے دہلی کے گئے گذرے حمام اور حمامی اس سے ہزار درجہ صاف ستھرے اور عمدہ ہیں ⁂

ممکن ہے گاڑی والے نے مجکو خراب جگہ پھنسا دیا ہو۔ آئندہ اسکی مفصّل تحقیق کی جائے گی ⁂

دوپہر کو کک کمپنی سے ڈاک لایا۔ اخبارات اور دہلی وغیرہ کے خطوط نے وطن کا مزا دکھایا۔ تیسرے پہر اوّل اپنے آقا و مولا سیدنا امیرالمؤمنین مولانا حسین علیہ السّلام کے سر مبارک کی زیارت کو گیا۔ مگر بدقسمتی کہ دل حاضر نہ تھا۔ ہر چند خیالات کو یکسو کیا کامیابی نہوئی۔ اسلئے فوراً واپس چلا آیا۔ اس کے بعد ایک صاحب کھنبایت کے رہنے والے عبدالکریم نامی سے ملاقات ہوگئی۔ جو قاہرہ میں مدت سے تجارت کرتے ہیں بڑے خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ ان کو ساتھ لے کر (ترجمانی کے خیال سے) مصر کے مشہور شیخ المشائخ سید توفیق بکری کی زیارت کو گیا۔ جو ترکی شیخ الاسلام کا سا رتبہ رکھتے ہیں، اور

تمام مشائخ مصر کا مرکز ہیں۔ خدیوان کا کہنا بہت مانتے ہیں، بلکہ اکثر مذہبی و ملکی معاملات انہی کے مشورے سے کرتے ہیں۔ میرا کارڈ ملاحظہ فرماتے ہی بُلا کر ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا۔ جو علیگڈھ کے سٹریچی ہال کے برابر وسیع ہے۔ کہتے ہیں اس میں حلقۂ ذکر ہوا کرتا ہے (انشاء اللہ عنقریب دہلی میں بھی حلقہ کا ذکر خانہ ایسا ہی بن جائیگا) چاروں طرف سُنہری کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جن میں امتیاز کسی کو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت الشیخ سب سے یکساں ملتے ہیں اور اپنے لئے انھوں نے کوئی ممتاز نشست مقرر نہیں کی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اندر سے تشریف لائے۔ چہل سالہ بزرگ ہیں، جسم بالکل مجھ جیسا لاغر، چہرہ عبادو زہاد کی طرح زرد و ناتواں، سیاہ چوغہ اور سفید عمامہ۔ مجکو اپنی کرسی کے قریب کرسی پر بلا کر گفتگو شروع کی۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کی نسبت اس کثرت سے سوالات کئے۔ گویا اسلامی جغرافیہ ہند کی تکمیل کے خواہشمند تھے۔ ہندو مسلمان، عوام خواص، عورت مرد، علماؤ مشائخ ہر طبقہ و فرقہ کے حالات پوچھے۔ ان کی تعلیمی، تجارتی تمدنی کیفیت دریافت کرتے رہے، معلوم ہوتا تھا کہ ان کو سوال کرنے میں اہل یورپ کے اخبارات سے بھی زیادہ مہارت ہے بعض وقت مترجم صاحب اپنی طرف سے جواب دیدیتے تو ارشاد ہوتا کہ ان سے پوچھو تم جواب نہ دو۔ اس گفتگو میں پورے دو گھنٹے صرف ہوئے ؞

آخر میں نے حلقہ کے مقاصد جن کا عربی میں مع تشریح کے ترجمہ تیار رکھا پیش کئے آدھ گھنٹہ تک غور سے پڑھتے اور طیّب طیّب فرماتے رہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے آپ سے اس معاملہ میں وضاحت سے بات چیت کرنی ہے۔ کل دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے، تاکہ جو گفتگو کرنی ہو کریں۔ میں نے مشائخ مصر اور ان کے اشغال کے متعلق کچھ لکھا ہے وہ بھی آپ کو دکھاؤں گا اور آپ کے حلقہ کے متعلق اپنے خیالات بھی ظاہر کروں گا۔

اس کے بعد ہم اس فاضل دہر یگانۂ عصر بزرگ سے رخصت ہوئے جیسے دروازہ

تک مشائعت کر کے اپنے اسلامی اخلاق کو ظاہر کیا۔

حضرت البکری سے مرخص ہو کر ہوٹل میں آئے اور ناشتہ کر کے شام کو باغ کی سیر کو گئے جو ہوٹل کے قریب ہے۔ نصف قرش میں اُس کے داخلہ کا ٹکٹ ملتا ہے۔ اندر نوجوان مصری کوٹ پتلون پہنے گشت کرتے نظر آئے۔ گھاس کے اوپر جا بجا تختہ پر عربی میں لکھا ہوا تھا "ممنوع قطف الظہور" پھول توڑنا منع ہے۔ باغ میں عیسائی عورت مرد سے زیادہ مصری عورت مرد تھے۔ مصری مسلمان عورتیں اب اکثر بیباک اور آزاد ہوتی جاتی ہیں، پہلے ان کے نقاب میں ناک کے پاس ایک بدنما سونڈ سی لگی رہتی تھی۔ جس کی ہر سیاح نے شکایت کی ہے۔ مگر اب اس کا رواج اُٹھتا جاتا ہے۔ عورتیں صرف مُنہ پر جس میں تھوڑی سی ناک بھی ڈھکی رہتی ہے ایک سیاہ ٹکڑا باندھ لیتی ہیں۔ باقی آنکھوں اور اُن کے نیچے اوپر کے حصّہ کو نشانہ بازی کے لئے کُھلا رکھتی ہیں۔ اور یہ کپڑا بھی اس قدر نازک اور باریک ہوتا ہے کہ ہونٹوں کی سرخی صاف جھلکتی نظر آتی ہے گویا وہ دکھاتی ہیں کہ پتلے ابر میں چاند ایسا ہوتا ہے۔ اور صاف آسمان میں چاند کی بہار دیکھنی ہو تو ذرا نگاہ تھوڑی سی اور اوپر کر لو۔ اور دیکھ لو۔ آنکھیں ایک تو ہوتی ہی عموماً سیاہ ہیں۔ اُس پر سرمہ کی سان پلکوں کی نوک کو اور بھی تیز کر دیتی ہے۔ اندر ایک سایہ سا ہوتا ہے جس کے اوپر سیاہ ریشمی چادر۔ چلتی ہیں تو لچکتی ہوئی، چادر کو دانستہ پھسلاتی ہوئی۔ اور بناوٹی گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس کو سمیٹتی ہوئی۔ نوجوان اس تماشہ کی آرزو میں جگہ جگہ بنچوں پر موجود رہتے ہیں اور سبز گھاس پر جا کر تو اُن کی اٹکھیلیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ دوڑتی ہیں، ایک دوسری سے اُلجھتی ہیں، ہنستی ہیں اور زمین کی طرف جُھکی پڑتی ہیں گویا کہ وہ نشہ میں بے قابو ہیں۔ یا گھاس کترنے کی قینچی ہیں جس کو یورپ کا تمدن چلا رہا ہے اور گھاس کے ساتھ ایمان و تقدس کے ننھے پودوں کو بھی کترتا چلا جاتا ہے۔

اگر مسلمانانِ مصر کی ترقی کا معیار یہی ہے۔ اگر انگریزی تعلیم و تربیت کا انجام کار یہی چشم نواز نظارہ ہے تو ہندوستان کے مذہبی خیال والے اپنی نئی تعلیمیافتہ جماعت کے انجام کار کو ابھی سے ذہن نشین کرلیں اور مناسب ہو تو اپنی قدیمی عزت و شرافت کو کسی ایسے بکس میں بند کردیں جسکو موسمی ہوا نقصان نہ پہنچائے ورنہ عین مستی شباب میں یہ خونخوار چیزیں نکل پڑیں تو دُنیا کی تمام کائنات تمدن کو زیروزبر کر ڈالیں گی۔

اہلِ مصر نے یہ آزادی جس کو مسلمانانِ ہند شاید بے حیائی کے لفظ سے تعبیر کریں یورپ سے نہیں لی۔ ان کے یہاں ابتدا سے یہ رسمیں جاری رہتی آئی ہیں۔ قرآن شریف کی سورۂ یوسف تلاوت کیجئے۔ مصری عورتوں کی حسن پرستیاں اس میں بھی مذکور ہیں۔ اُس وقت کے مرد بھی عورتوں کی دلچسپیوں میں خواہ مخواہ حارج نہیں ہوتے تھے اور دانستہ چشم پوشی کرجاتے تھے۔ عزیز مصر نے اپنی بی بی زلیخا اور حضرت یوسف کا قصّہ آنکھ سے دیکھا غیبی اشاروں تک سے ثابت ہوگیا کہ زلیخا حضرت یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔ کوئی غیرت دار ہوتا تو ناک کاٹ لیتا۔ مگر جناب عزیز نے صرف اتنی فہمائش پر اکتفا کی "دیکھو بی! خطا تمھاری ہی معلوم ہوتی ہے، آئندہ ان حرکتوں سے باز آؤ، تم عورتوں کے فریب بڑے بے ڈھب ہوتے ہیں"۔

اللہ اللہ خیر صلاح۔ لیجئے قصّہ طے ہوگیا۔ پھر بھلا آجکل کے متمدن دَور میں مصری کیوں عورتوں کی دل آزاری کرنے لگے تھے۔

رات کو نیند اچھی آئی۔ خاصی سردی تھی۔ کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پڑی۔ مصر میں دلی جیسی گرمی نہیں ہوتی، آجکل تو شروع ہے، اگست میں ذرا زیادتی ہوجائے گی۔ اور وہ زیادتی بھی چنداں ناقابل برداشت نہیں ہوتی۔ مجھے اس گرمی کا بڑا فکر تھا۔ دیگر آنے والے اطمینان سے آئیں۔ ہندوستان کے مثل گرمی یہاں کبھی نہیں پڑتی۔

مصری اس طرح کھانا کھاتے ھیں

۱۴ جون سنہ ۱۹۱۱ء

چہارشنبہ۔ صبح حوائج سے فارغ ہو کر کچھ لکھتا رہا۔ ۱۰ بجے سید محمد شاہ صاحب جیلانی تشریف لے آئے۔ یہ سندھ کے رہنے والے بزرگ تجارت کرتے تھے۔ ان کی پیدائش جاپان کی ہے۔ تمام ایشیا میں پھر چکے ہیں اور اب قاہرہ میں دوکان کر لی ہے۔ بڑے روشن خیال اور حالات ہند سے باخبر ہیں۔ اخبارات پڑھنے کے سبب میرے حال سے بھی واقف تھے۔ ان سے کل سیدنا حسین علیہ السلام کے مزار کے پاس ملاقات ہوئی تھی۔ آج بازدید کو تشریف لائے۔ میں ان کے ہمراہ سیر کو نکلا۔ اوّل انھوں نے ایک مصری مسلمان سے ملایا جو ہند و تصوّف کے شیدائی ہیں۔ دیر تک دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ یہ لوگ یورپ کی طرح اپنی دھن میں پکے ہیں۔ اور قومیت کا ایوان سب ملکر بنا رہے ہیں۔ ان کا ہر فرد دنیا کے مختلف علوم و فنون کی تحصیل میں جداگانہ کوشش کر رہا ہے اسی پر اس مسلمان کے ویدانتی شوق کو قیاس کرنا چاہیے کہ اپنی ہستی کو فلسفۂ ہنود میں فنا کر رکھا ہے۔ اس مصری مسلمان کی معلومات ویدانت میں اچھے خاصے ودیادان پنڈتوں کی سی تھی بلکہ اس کو ویدانت کا عشق برہمنوں سے بھی بڑھ کر تھا۔

دوپہر کو حسب وعدہ سید البکری کے پاس گئے۔ اوّل کھانا کھایا میز کرسی پر مشائخ بھی کھاتے ہیں۔ حضرت الشیخ نے غالباً مصر کے اکثر مشہور اور عمدہ کھانے تیار کرائے تھے جو اس کثرت سے تھے کہ دو چار کے سوا سب میں سے صرف ایک ایک لقمہ لینا بھی دشوار ہو گیا۔

ان کھانوں میں دُنبہ کی ثابت ران اور شہد کے پراٹھے بہت لذیذ تھے۔ ران پر دو دو انگل چربی تھی۔ اور پختگی کے سبب رنگ سرخ تھا۔ اور گلی ایسی تھی کہ ہاتھ لگاتے ہی بوٹی الگ ہو جاتی تھی۔ شہد کے پراٹھے غالباً خمیری آٹے کے تھے۔ اندر خانوں میں شہد ایسا پیوست تھا کہ اوپر نظر نہ آتا تھا۔ منہ میں نوالہ رکھنے سے اسکا گھونٹ جدا ہو جاتا تھا۔

حضرت الشیخ بار بار اصرار کرتے تھے "تفضل یا سیدی" کھائیے جناب۔ مگر یہاں اتفاق سے ایک ہی پیٹ تھا۔ اور وہ بھی دہلی کا۔ دہلی و لکھنؤ کے کھانوں میں جو مزا، بو اور رونق ہوتی ہے۔ وہ بات یہاں نام کو نہیں ۔

کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی اور چین کے مسلمانوں کا ذکر چھڑ گیا۔ اسی کے ضمن میں مسلمانانِ ہند و دیگر ممالک اسلامیہ کا ذکر بھی رہا۔ آریہ سماج کی کیفیت کو حضرت الشیخ نے بہت غور اور جرح کر کے سنا۔ آج بوجہ طوالت کلام کے بسبب حلقہ کے متعلق بات کا موقع نہ آیا۔ حضرت الشیخ کچھ علیل ہیں۔ مسلسل دو گھنٹے باتیں کرنے سے اُن کے قلب کی حرکت بگڑنے لگی۔ اسواسطے دوسرے وقت پر گفتگو ملتوی رکھ کر رخصت ہوئے۔ اور سیدھے جامع ازہر میں آئے۔ اللہ اکبر! یہ وہی شہرۂ آفاق مقام ہے جس کی کہانیاں بچپن سے سنتے آئے ہیں۔ مگر بدقسمتی کہ آٹھ دن سے یہاں تعطیل ہو گئی ہے۔ طلبہ اپنے وطن گئے ہوئے ہیں تاہم پھر بھی ہزار پانسو طلبہ موجود تھے۔ درس کا وقت نہ تھا۔ متفرق گروہ سبق کی تکرار کر رہے تھے۔ ہندی رواق میں گئے، یہاں چار طالب علم ہیں۔ ان میں ایک دہلی کے ہیں جبش خاں کے پھاٹک کا باشندہ بتلاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن نام ہے۔ اہل مصر ازہر یونیورسٹی کی موجودہ حالت سے خوش نہیں ہیں اور اس کو طریق جدید پر ڈھالنا چاہتے ہیں۔ پُرانے شیوخ کا ڈر ہے۔ سو وہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے۔ طلبہ کثرت سے اخبار پڑھتے ہیں اور عصر جدید کے جذبات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ کوئی دن میں دیکھ لینا کہ یہاں ایک انقلاب عظیم برپا ہو جائیگا۔ ازہر کی حالت درست ہو جائے۔ تو یہ اسلامی دنیا کی ایسی لاجواب طاقت ہو جسکی نظیر یورپ بھر میں نہ نکلے ۔

ازہر سے واپس آکر مصر کے ایک اور مشہور محب وطن محمود بے صاحب سالم بیرسٹر سے ملنے گئے۔ بڑا بیدار مغز اور قدآور تلبیت شخص ہے۔ ہفتہ کی شام کو مدعو کیا ہے اُسدن مفصل بات چیت ہوگی ۔

مصر کے سقّے بھی دہلی کے سقوں کی طرح کٹوریے بجاتے اور پانی پلاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مصری سقوں کے کپڑے نہایت صاف اور اچھے ہوتے ہیں۔ اور مشک کے بدلے سفید شیشے کے بڑے بڑے جگ رکھتے ہیں۔ یہاں کے سودے والے بھی آواز لگا کر سودا فروخت کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کے لفظ صاف طور پر سمجھ میں نہ آئے ورنہ لکھتا۔

قاہرہ کو بمبئی سے نسبت دی جاتی تھی، مگر توبہ بمبئی اور قاہرہ کی نسبت زمین آسمان کی ہے۔ قاہرہ اسلامی پری ہے اور بمبئی ہندی دیولی۔ یہاں ہر شخص شکیل اور مہذب شائستہ۔ بمبئی میں ہزاروں ننگے دھڑنگے کالے بھتنے۔ یہاں اوّل تو کالے آدمی بہت کم ہیں۔ اور حبشی اگر ہیں تو نہایت صاف ستھرے۔ کوٹ پتلون سے آراستہ۔ قلی اور خاکروب تک یہاں کے اجلے اور پردہ دار لباس میں ہیں۔

آہ

کبھی دہلی بھی ایسی ہی تھی جسکو گردش نے مٹا دیا۔

کوٹ پتلون اور ترکی ٹوپی مصریوں کو خوب زیب دیتا ہے۔ اگر تم قاہرہ کے ایک قہوہ خانہ کا نظارہ کرنا چاہو تو علیگڈھ کالج میں چلے جاؤ۔ وہاں جسقدر طلبہ یونیفارم (کالج لباس) میں ہونگے۔ وہ یہاں کے صرف ایک قہوہ خانہ کا جمگھٹا ہے۔

مگر علیگڈھ میں ایک فرق رہیگا کہ وہاں کے طلبہ میں بعض سیاہ فام اور دبلے پتلے آدمی بھی ہونگے۔ مگر مصر میں کوئی کالا اور لاغر نظر نہیں آئے گا۔

عجیب بات ہے کہ میں نے یہاں آجتک کوئی لاغر اندام نہیں دیکھا۔ سب کے سب قوی اور چوڑے چکلے ہیں۔ البتہ ان میں اکثر آنکھوں کے مریض ہیں۔ یہانتک کہ اوسط لگاؤ تو فی صدی اسّی اس مرض کے مبتلا پائے جائینگے۔ اس کی وجہ میں نے ڈاکٹر نصوحی بیے پوچھی۔ کہنے لگے کہ میلا پانی سڑکوں پر پھینکا جاتا ہے اسکے ابخرے

آنکھوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ بات کچھ جی کو نہ لگی۔

ڈاکٹر نصوحی سے آج ہی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہندوستان کی بھی سیر کی ہے اور اُردو اخباروں میں اپنی مشہور دواؤں کے اشتہار بھی چھپوائے ہیں۔ پنجاب کے ایک بڑے اخبار کی بد دیانتی کے شاکی تھے۔ ان کے شکوہ سے مجھے بڑی غیرت آئی۔

۱۵ لغایت ۲۱ جون ۱۹۱۱ء

آب و ہوا کے فوری تغیر کے سبب ۱۵ جون کو سخت نزلہ ہو گیا جس کے سبب تین رات متواتر زور شور سے بخار آتا رہا۔ گو ساری عمر بیماریوں میں گذری۔ مگر ایسی بیکسی کبھی پیش نہیں آئی۔ اوّل شب کی حالت مدتوں یاد رہے گی۔ ہوش حواس گم تھے۔ سردی کی شدت میں واحدی صاحب کو آوازیں دیتا تھا کہ کمبل اُڑھاؤ۔ لحاف ڈالو۔ مگر کوئی جواب دینے اور غمگساری کرنے والا نہ آتا تھا۔ ڈاکٹر نصوحی کے علاج سے فائدہ ہوا۔ رات کو بخار آتا تو پڑا رہتا۔ دن کو ذرا افاقہ ہوتا تو گشت شروع کر دیتا۔ وقت کو بیکار نہیں جانے دیا لیکن زکام کے سبب سر میں درد زیادہ تھا۔ مسلسل آٹھ دن روزنامہ نہ لکھ سکا۔ لہٰذا ہفتہ بھر کی مجموعی کیفیت یادداشت سے لکھتا ہوں۔ ۲۲ جون سے روزانہ سلسلہ پھر جاری کر دیا جائیگا کیونکہ اب بفضلہ بالکل تندرست ہوں۔

اس ہفتہ میں اکثر مزار مبارک سیدنا امام حسین علیہ السلام پر حاضری دی۔ پہلے دن جو بے لطفی رہی تھی اس کا بدل ان متواتر زیارات سے ہو گیا۔ عجب باکیف اور پُر اثر جگہ ہے۔

ایک روز اپنی فریاد لکھکر لے گیا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد مجمع میں مزار مبارک کے پہلو میں کھڑے ہو کر عرض کی جو یہ تھی:۔

"ابن رسول اللہ کو سلام، بنت رسولؐ کے لخت جگر کو سلام، کربلا کی خاک میں کٹ کر

گرنے والے سر کو سلام۔

وہ سر جس پر زلفیں لٹکتی تھیں۔ عمامۂ امامت باندھا جاتا تھا۔ وہی سر جس میں رُخ انور رسالت مآب سے مشابہ ایک شکل تھی۔ اس شکل میں نور ہدایت برسانے والی آنکھیں تھیں اور وہ لب تھے جن کو سیّد العرب والعجم چوما کرتے تھے۔

اے پیاسی زبان اور خشک حلقوم والے سر جس اُمّت کی خاطر تیرا جال ہوا۔ آج وہ سارے جہان میں شکستہ حال ہے۔ بھوکی ہے، پیاسی ہے حقیر ہے، ذلیل ہے، اسی کے چند افراد ہند میں ہیں۔ ان سب غریبوں کا سلام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ قبول کر۔ اے بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول سب سے زیادہ محبوب۔

اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں ایک مقدس و مطہّر مقام میں کھڑا ہوں۔ یہ وہ جگہ ہے جس سے ایک گز کے فاصلہ پر حسین ابن فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللّٰہ صلعم کا مقتول سر دفن ہے۔ لہٰذا اس جگہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ میری اس عاجزانہ دعا کو قبول فرما"۔

اس کے بعد نام بنام اُن سب احباب، یارانِ طریقت و اہلِ حلقہ کے مقاصد کا ذکر تھا۔ جنھوں نے طلب دعا کی درخواستیں ساتھ کر دی تھیں۔ یہاں اُن سب کے نام لکھنے طوالت ہے کیونکہ اب جس مقام پر جاتا ہوں۔ اِن لکھے ہوئے ناموں کی طولانی فہرست کو پڑھکر فرداً فرداً ہر شخص کے مقصد کی دعا مانگتا ہوں۔ ہر روزنامہ میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔ البتہ مدینہ منورہ کے لئے جو دردناک دعا تیار کر کے لے چلا ہوں اور جسکو اپنی زندگی کے تمام جذبات شوق کا آخری سرمایہ تصوّر کرتا ہوں۔ اسکے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ وہ سب نام بھی لکھدئے جائینگے جن کے لئے دعا کی جا رہی ہے۔ نیز وہ نام بھی جو دورانِ سفر میں موصول ہو رہے ہیں اور مدینہ منورہ پہنچنے تک وصول ہونگے یہ فہرست

اسماء باعتبار ترتیب مدارج ایک تاریخی چیز ہوگی ؏

اس ہفتہ میں مصر کی کل تاریخی چیزیں دیکھیں۔ جن میں اہرام بسبب قدامت زمانہ کے مستحق ہیں کہ انھیں کا پہلے ذکر کیا جائے ؏

قاہرہ سے اہرام تک ٹرام جاری ہوگئی ہے۔ جو دن میں ہر گھنٹہ کے بعد جاتی ہے ۲ قرش یعنی ۵ ر ایک طرف کا کرایہ ہے ؏

اہرام ایک بلندی پر واقع ہیں۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید پہاڑ پر یہ عمارت بنائی گئی ہے ؏

ٹرام نے بالکل قریب لیجا کر اُتار دیا۔ یہاں سے اہرام سامنے نظر آتے ہیں۔ یہاں کئی ہوٹل اور قہوہ خانے نظر آئے جو مسافروں کی راحت کے لئے بنے ہوئے ہیں نرخ بہت گراں ہے۔ میں نے بھی ایک ہوٹل میں چا پی۔ ۱۰ ر لئے ؏

ٹرام سے اُترتے ہی ترجمان لڑکوں نے گھیر لیا۔ یورپ کی سب زبانیں جانتے ہیں۔ ان کی شرارتوں کا حال سُن چکا تھا سب کو دھتکار دیا۔ مگر کمبختوں نے چار پیچھی دو کھری برابر کہے جاتے تھے کہ ہم سب جگہ کی سیر کرا دینگے۔ ہوٹل والے سے دریافت کیا کہ عربی یہاں کی کوئی گائڈ بُک ہے۔ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ مجبوراً ایک ترجمان کو لینا پڑا۔ ان میں اُردو کوئی نہیں جانتا عربی کے سہارے بات چیت ہوتی تھی ؏

ہوٹل سے اہرام تک ۵ منٹ میں سب بلندی طے ہوگئی۔ راستہ ریتیلا ہے۔ جسپر گدھے اور اونٹ خوب چل سکتے ہیں اسلئے یہاں ہر وقت اونٹ و گدھے کرائے تیار کھڑے رہتے ہیں۔ لیکن مجکو گدھے و اونٹ پر سوار ہونے سے پیدل چلنا لاکھ درجہ بہتر نظر آیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر سواری کی ضرورت ہو تو ٹرام سے اُترتے ہی پولس والے سے کہو وہ کفایت سے معاملہ کرا دیگا ورنہ ترجمان دس گنے داموں پر لٹوائیگا اور مسافت کچھ ایسی لمبی چوڑی نہیں ہے جسکے لئے سواری کی ضرورت ہو۔ ریت کے

مصر کے مشہور مینار اہرام
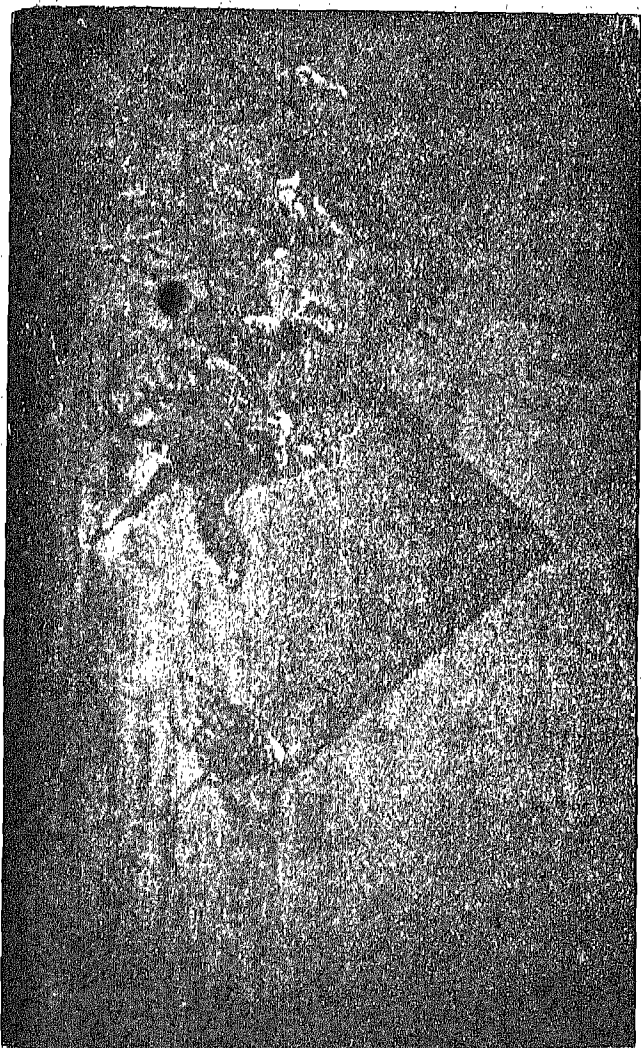
سبب ذرا قدم مشکل سے اُٹھتے ہیں۔ میں نے آدھ گھنٹہ میں سب عجائبات کی سیر کر لی تھی ؛

اوّل سب سے بڑا مینار آتا ہے۔ جسکو دنیا کے سات عجائبات میں شمار کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ پتھروں کے اس انبار کو عجائبات میں کیوں داخل کیا گیا ہے۔ مانا کہ اصول ہندسہ کے اعتبار سے اس میں بہت سی خوبیاں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ کے مصری بھی فن جرثقیل کے ماہر تھے لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ پرانی عمارتیں اکثر ہندسی اُصول پر بنائی جاتی تھیں۔ میں نے ایسی سیکڑوں عمارتیں دیکھی ہیں جنمیں جرثقیل کی اعلیٰ صناعی موجود ہے ؛

اصل میں زمانہ ان گورے رنگ والے آدمیوں کا مقلد ہے۔ ان کی زبانوں سے جو نکلجائے نقش کالحجر ہوجاتا ہے چونکہ اہل یورپ اس کو عجیب کہتے ہیں سارا جہان عجیب عجیب کی صدا لگا رہا ہے ؛

بڑے مینار کی برابر ایک اور مینار ہے جو اس سے کچھ ہی چھوٹا ہے۔ اسکی استر کاری ابھی کہیں کہیں سے باقی ہے۔ ان میناروں کو دیکھکر ایک عرب نے کہا۔ آج میں ہزاروں برس کی پرانی چیز دیکھ رہا ہوں۔ واہ میری قسمت، عرب کے بھولپن پر ہنسی آگئی۔ اور جانا کہ بیچارا سفید رنگ کے آدمیوں کا مقلد ہے۔ آگے بڑھکر ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہا۔ بھائی جان! کیا تم کو ایسی چیز بتاؤں جو اہرام سے ہزاروں برس پہلے کی ہو اور جس کو تم روزانہ اپنے گھر میں دیکھ سکو۔ عرب نے کہا بیشک ضرور بتاؤ۔ کہا زمین ؟ جس پر تم رہتے ہو اہرام سے بہت پہلے کی ہے۔ عرب کو اس کلام سے ہنسی آگئی۔ دوبارہ کہا اگر تم اسپر ہنستے ہو اور ایک مصنوعی چیز کی قدامت کو دیکھنا تمھارا مقصد ہے تو خود اپنے جسم کو دیکھو۔ پرانی خاک کا بنا ہوا ہے ؛

غرض اہرام دیکھنے کے بعد ابوالہول کو دیکھا۔ یہ مصریوں کا معبود ہے جسکا چہرہ

انسان کا اور دھڑ شیر کا ہے۔ نہایت شاندار بُت تھا۔ دو ہاتھی کے برابر مسلمانوں نے اس بیکس خداوند کا چہرہ ناک کے پاس سے بگاڑ دیا ہے۔ نہ ہوئے مصر کے قدیم بادشاہ اپنے معبود کا مسلمانوں سے بدلہ لیتے۔ جس طرح ہندوستان کے ہندو لینا چاہتے ہیں ؛

ترجمان نے وہ جگہ بتائی جہاں سے تہ خانہ میں جاتے ہیں۔ مگر میں تہ خانہ میں نہیں گیا وہاں صرف مصری صناعی کے مکان ہیں جن میں لاشیں رکھی تھیں چونکہ لاشیں سب کی سب عجائب خانہ میں دیکھ چکا تھا۔ خالی مکانوں کا دیکھنا فضول معلوم ہوا۔ عمارتی نگاہ سے یہ سب چیزیں دیکھ لیں تو اپنے نہ دیکھے ہوئے خدا کے حکم کے موافق نظر عبرت سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اس موجودات قدیم پر نگاہ دوڑائی تاکہ نفس جاہ پرست اگلے مٹنے والوں کے انجام سے نصیحت حاصل کرے ؛

جنگل بیابان، ریت کے ٹیلے جن کو قہر کی ہوا چین نہیں لینے دیتی۔ ذرّاتِ خاک ہوا کے جھونکوں سے سکنڈ سکنڈ میں نشیب و فراز کے تماشے دیکھ رہے ہیں ؛

یہ دور تک سنسان وحشت خیز میدان ایک زمانہ میں اسی طرح آباد تھا جس طرح قاہرہ، لندن، پیرس وغیرہ میں رونق دیکھتے ہو۔ یہاں بھی شوکت والے، ہیبت والے تاجور، دنیاوی عیش کے متوالے خوش وقتیاں منایا کرتے تھے۔ مگر آج ان میں سے ایک کا بھی نشان باقی نہیں۔ نہ وہ تمدن ہے، نہ وہ فلسفہ ہے۔ نہ وہ تخت و تاج ہے، ہُو حق خدا کی ذات ؛

آبادی کے زمانہ میں اگر کوئی شخص کہتا کہ ایک دن یہ شہر مٹی کے ٹیلوں کے نیچے دب کر ویران ہو جائے گا تو اُسپر اسی طرح قانونی گرفت ہوتی جس طرح آج لندن و پیرس کی نسبت پیشین گوئی کرنے والا مشکوک ہو جاتا ہے ؛

ترجمان صاحب نے یہاں بھی شرارت کی اور بغیر پولیس کی دست اندازی کے

رضامند نہ ہوئے۔

مصر کی مسجدیں لاجواب ہیں۔ میں نے سب مشہور مساجد کی زیارت کی۔ ان میں باعتبار تقدس و قدامت سب سے برگزیدہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صحابی فاتح مصر کی مسجد ہے۔ شکل و صورت میں بھدی مگر بحیثیت معانی دل کے اندر شعلۂ اسلام بھڑکانے والی۔ مگر کس کے دل میں؟ ہم پردیسیوں کے دل میں! کیونکہ مصری مسلمانوں کے دل یورپ کی زیارت سے حرارت میں آتے ہیں۔ اُن کو ایسی چیزوں سے کچھ سروکار نہیں۔ اسی واسطے انھوں نے اس مسجد کو بالکل برباد کر رکھا ہے۔ لوگ جوتیاں پہنے ہوئے اُس مقام پر پھرتے ہیں جہاں سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے فتح کی خوشی کا دوگانہ ادا کیا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں عمرو بن عاص رضؓ نے تلوار خون آشام ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھا۔

منبر کے پاس چند ٹوٹے ہوئے بوریئے پڑے ہیں۔ لوگ نماز کو آتے ہیں تو جوتیاں ان بوریوں کے پاس اُتار دیتے ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک مزار ہے جو حضرت عمرو بن عاص رضؓ کے فرزند کا بیان کیا جاتا ہے۔

کاش میں اس مسجد کو اُٹھا کر ہندوستان لے جا سکتا۔ ہندوستانی اس میں آنکھوں کا اور دل و جگر کے ٹکڑوں کا فرش بچھا سکتے ہیں۔ ہاں میں فخریہ کہونگا کہ حُبِّ رسولؐ اور حبِّ آثارِ رسولؐ میں ہم لوگ مصریوں سے بہت آگے ہیں۔ وللہ الحمد۔

سلطان حسن کی مسجد باعتبار وسعتِ محراب روئے زمین کی مساجد میں غالبًا بےمثل ہے۔ اس کی بڑی محراب جہاں منبر ہے طول میں ۳۸ قدم اور عرض میں ۲۹ قدم ہے۔ تابوتی ساخت ہے اور اس قدر بلند ہے کہ پگڑی تھام کر دیکھنی پڑتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں چاروں پہلوؤں پر محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ آجکل یہ مسجد زیر مرمت ہے۔ اسکے گرد میں بڑے بڑے عالیشان مکانات بنے ہوئے ہیں جو طلبہ کے دارالاقامت ہیں۔

ایک وقت میں یہاں بھی ازہر کی طرح مدرسہ تھا ۔

سلطان حسن کی مسجد قلعہ پر ہے جہاں اسکے ساتھ دو مسجدیں اور ہیں جنکو ایک دوسری پر فوقیت دشوار ہے ۔ ہر ایک اپنی اپنی وضع میں نرالی ہے ۔ البتہ اسکا افسوس ہے کہ ایسی پاس پاس مسجدیں بناکر خواہ مخواہ لاکھوں روپیہ برباد کیا گیا ۔ ایک مسجد کافی تھی ۔

سلطان حسن کی مسجد کے سامنے موجودہ خدیو کی والدہ کی طرف سے ایک شاندار مسجد تیار ہوئی ہے ۔ اصل میں یہ مرحومہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید علی ابو شہاب ابن اخت حضرت سید رفاعی کا مقبرہ بنوایا تھا ۔ مصر کے قاعدہ کے موافق قریب میں مسجد بھی بنوا دی ۔ اسی مقبرہ کے ایک گوشہ میں یہ بیچاری بھی پڑی سوتی ہے ۔ یہ مقبرہ اور مسجد ہنوز زیر تعمیر ہیں ۔ اور حق یہ ہے کہ ایسی حسین عمارت مصر میں اور کوئی نہوگی ۔ داروغہ تعمیر نے بتایا کہ ابتک سات لاکھ اشرفیاں خرچ ہو چکی ہیں ۔ کچھ شک نہیں کہ سات لاکھ اشرفیاں اسکی موجودہ خوشنمائی پر قربان ہیں ۔

اسی مسجد سے آگے بڑھکر قلعہ پر محمد علی پاشا کی مسجد و مقبرہ ہے ۔ یہ بھی آراستہ و مکلّف اور دولھن بنی ہوئی ہے ۔ یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکومت کر رہے ہیں ۔ دہلی کی جامع مسجد ! آہ تجھے اب کون دولھن بنائے تاکہ غیر ملکوں کی مسجدوں کو دیکھ کر تیرے رنڈاپے کا صدمہ نہ اٹھانا پڑے ۔

مصر کی مساجد میں ہزاروں روپئے کے سیکڑوں برقی جھاڑ لٹکے ہوئے ہیں ۔ دہلی کی جامع مسجد میں ایک برقی چراغ بھی نصیب نہیں ۔ حالانکہ دہلی کے گھروں میں بیسیوں ایسے ہیں جہاں بجلی جگمگایا کرتی ہے ۔

محمد علی پاشا کی مسجد سے سارا قاہرہ نیچے نظر آتا ہے ۔ جس سے دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے ۔

خاندانِ نبوّت کی تین شہزادیاں مصر کی خاک میں آرام فرما رہی ہیں الحمدللہ

الحمدللہ میں نے تینوں کی زیارت کی۔ اوّل حضرت سیّدہ زینب بنت سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ آپ کے نام کی مصر میں بڑی شہرت ہے۔ ڈاکخانہ آپ کے نام پر۔ محلہ آپ کے نام پر۔ ٹرامو ے پر آپ کا نام لکھا ہوا "سیدہ زینب" ہوٹل کے دریچہ میں بیٹھے ہوئے روزانہ کم از کم سو دفعہ ٹرام پر پاکیزہ نام نظر سے گزرتا ہے۔ مزار پر انوار کا مینہ برستا ہے۔ سیکڑوں مراد مند جالی پکڑے کھڑے رو دیا کرتے ہیں ؎

جانتے بھی ہو یہ کون زینب ہیں؟ علی شیر خدا کی صاحبزادی۔ حسین شہید کربلا کی دہ بہادر بہن جو بی بی فاطمہ رضؓ کی قربانیوں کے بعد لاوارث گھر کی متولی بنی۔ وہ جنہے دمشق میں مرزا حیرت کے یار غار یزید علیہ اللعن کے دربار میں بیکسوں کی وکالت میں دلوں کو ہلا دینے والی تقریر کی ؎

سیّدہ نفیسہؓ اور سیّدہ عائشہ رضؓ بھی جو سلسلۂ اہل بیت میں تھیں اسی قرب جوار میں ہیں جہاں بڑی بڑی درگاہیں بنی ہوئی ہیں ؎

اتفاق سے ان دنوں حضرت نفیسہ رضؓ کا عرس تھا۔ میں نے حاضری دی اور خوب دعائیں مانگیں۔ یہ مزار اجابتِ دعا کے لئے دور دور مشہور ہے ؎

حضرت امام شافعی رحؒ کے مزار مبارک کی زیارت نے نہال کر دیا۔ فیض و انوار کا خزانہ ہے۔ روضۂ پاک کے اندر اور کئی قبریں ہیں۔ جن میں ایک ملکہ شمسہ کی بیان کی جاتی ہے۔ حضرت امام کے مزار مبارک پر پیتل کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ اور بائیں پہلو میں جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے جہاں سیکڑوں کاغذ کے پرزے پڑے ہوئے تھے۔ یہ دعا کی عرضیاں ہیں۔ میں نے اس پہلو کے قریب بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ اگرچہ حنفی ہوں لیکن برکات شافعیؒ نے محروم نہ رکھا۔ مزار کے سرہانے ایک مرمری مینار پر تاریخ کندہ ہے ؎

یہاں اکثر مزارات پر قدیمی عربی وضع کے بڑے بڑے عمامے باندھ کے نصب کر دیتے ہیں۔ حضرت امامؒ کے سرہانے بھی سبز رنگ کا عمامہ لگا ہوا ہے۔ جس سے قدیمی

ہو پیدا ہوتی ہے۔ یہاں کے خدام مزاراتِ اہل بیت کے خدام سے زیادہ حریص اور زائر کو پریشان کرنے والے ہیں۔ اہل بیت کے مزاروں پر کوئی شخص جبریہ نہیں مانگتا۔

مزار حضرت آدم کے ایک گوشہ میں خاندان شیخ البکری شیخ المشائخ مصر کے بزرگ دفن ہیں اور باہر نکل کر تھوڑی سی دور پر حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی درگاہ ہے۔

مصر کا عجائب خانہ روئے زمین کی عجیب چیزوں سے فائق ہے۔ یہاں منجملہ ہزارہا اشیاء کے صرف ایک چیز ایسی ہے جسکے دیکھنے کے لیئے اگر دس برس کی مسافت طے کی جائے تو زیبا ہے اور وہ چیز

فرعون موسیٰ کی لاش

ہے۔ اہل یورپ کے دل مذہبی روایات سے نا آشنا ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ ایک مسلمان قرآن شریف میں روزانہ فرعون کا قصہ جگہ جگہ پڑھتا ہے۔ اور اُسکے دل پر فرعون کی حالت نقش ہو جاتی ہے۔ اُسکی خودستائی، اُس کا تکبر، اُس کی عظمت و جبروت حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دلچسپ مناظرے ایسے نہیں کہ مسلمان بار بار پڑھکر ادھر متوجہ نہو۔ پھر جب وہ سنتا ہے کہ مصر میں بعینہٖ فرعون کی لاش موجود ہے تو اُسکے شوق میں جسقدر ہیجان ہو کم ہے

میں عجائب خانۂ مصر کو محض فرعون کی لاش کے سبب بار بار دیکھنے گیا۔ اور ہر دفعہ دل پر ایک نیا اثر لے کر آیا۔

یوں تو عجائب خانہ میں اہل مصر کے سب زمانوں کی اشیاء رکھی ہیں۔ جن جن قوموں کے دور حکومت یہاں رہے ہیں اُن سب کے بُت اکثر کی لاشیں اور تمدن و معاشرت کے اسباب دکھائے گئے ہیں۔ مگر قدیم مصریوں کے آثار بہت عبرت انگیز ہیں۔ کم از کم چالیس روز قاہرہ میں رہے۔ اور یہ سارا چلہ محض عجائب خانہ کی دید میں صرف کیا جائے تب کہیں ہر چیز کی حقیقت معلوم ہو۔ اتنی فرصت کہاں کہ عجائب خانہ کی سب چیزوں پر کچھ لکھوں۔ صرف چند لاشوں کی کیفیت عرض کی جاتی ہے۔

مصر کے قدیم باشندے ہندوؤں سے مشابہ تھے۔ ان کے پُرانے مہاتما بُدھ اور جین مت کی مورتیوں کی ہمشکل ہیں۔ اور ویسی ہی مراقبوں کی صورتیں ہیں۔ بعض کے سروں پر ہندو جوگیوں کے سے چوٹے۔ تالو کے رُخ اوپر کو بندھے ہوئے ہیں تصویروں کے لباس اسباب معاشرت سے بھی ہندو پنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک محقق جب اس حالت کو دیکھتا ہے تو بے اختیار اُس کی زبان سے نکلتا ہے کہ برہمن مصر کے باشندے تھے۔ یہاں سے جاکر ہندوستان میں آباد ہوئے اور اُن کے جانے کا زمانہ وہی ہے جبکہ فرعون غرق دریا ہو کر مرگیا۔ اور بنی اسرائیل کے ہاتھ سے برہمنوں کو اذیت پہنچنے کا اندیشہ ہوا۔ آپ دیکھ لیجیے کہ ہندوستان میں برہمنوں کو آج تک

مصرجی

کہتے ہیں۔ جو علامت ہے اس امر کی کہ وہ اہل مصر ہیں۔

قدیم مصری ایک مسالہ جانتے تھے جسکے مل دینے سے لاش خراب نہیں ہوتی۔ اور ہزاروں برس جوں کی توں موجود رہتی تھی۔ وہ اوّل لاش کے شکم سے اندرونی آلائش نکال ڈالتے تھے (مگر نہیں معلوم کہاں سے نکالتے تھے۔ میں نے متعدد لاشوں کے پیٹ دیکھے اُن میں زخم کا نشان نہ تھا) اسکے بعد مسالہ مل کر ریشمی دھجیوں سے لاش کو خوب کسکر باندھ دیتے تھے۔ اُسکے اوپر ریشمی کفن پہناتے اور لاش کو حسب حیثیت طلائی نقش و نگار کے چوبی صندوق میں رکھتے جسپر مرنے والے کی شکل ہو بہو پوری صناعی سے بناتے تھے۔ وہ شکل جو زندگی میں تھی۔ تاکہ دیکھنے والا مُردے کی صورت اور اصلی صورت کو سامنے رکھکر عبرت سے تغیر حالات کو دیکھے۔ پھر ایک چوبی صندوق کو ایک بڑے سنگین بکس میں بند کرکے اُس عظیم الشان تہ خانہ میں رکھدیا جاتا تھا جو اہرام کے نیچے واقع ہے۔

اہل مصر کی رسم تحریر ساری دنیا سے نرالی تھی۔ وہ جانوروں کی شکل کے حروف بناتے تھے۔ مثلاً لکھنے والے نے طوطا، مینا، ہاتھی، گھوڑا بنایا۔ اور پڑھنے والے نے اُن کو ملاکر

مطلب نکال لیا۔ یہ حروف لاش کے کفن، چوبی صندوق، سنگین بکس سب پر لکھے جاتے تھے۔

ایک نیا انکشاف

گو ساری دنیا مان رہی ہے کہ یہ لاشیں مسالہ کے سبب آج تک محفوظ رہیں لیکن میری رائے اسکے خلاف ہے اور میں ایک دوسرے زبردست علمی پہلو سے دعویٰ کرتا ہوں کہ یہ لاشیں ایک

طلسمی عمل

کے سبب محفوظ ہیں۔ میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ چونکہ یہ بات تمام دنیا کے مسلمہ مسئلہ کے خلاف ہے۔ اسلئے میں اسپر وضاحت سے بحث کرنی چاہتا ہوں۔

اوّل یہ غور کرنا چاہئے کہ اہل یورپ کو مسالہ کا خیال کیوں پیدا ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لاشوں پر کوئی چیز ملی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

مگر مصری عجائب خانہ میں متعدد لاشیں ایسی دیکھی گئیں جو بالکل صاف ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی موم سے بنائی ہیں۔ ان میں ایک ساحرہ کی لاش ہے جسکا حال آگے آئیگا اسکا جسم بالکل دُھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ سیتی دوم کی لاش ہے جسپر مسالہ کا مطلق اثر نہیں پایا جاتا۔

دوم اگر مسالہ ہوتا تو اہل یورپ صدہا لاشوں کو اپنے ممالک میں لے گئے ہیں اور مُردوں کے اوپر کے کپڑے اُتار کر اُن کا کیمیائی طریق سے امتحان کیا ہے۔ ناممکن تھا کہ کیمیائی تحلیل کے بعد مسالہ کے اجزا معلوم نہ ہوتے۔ اور وہ بھی آج اپنے مُردے محفوظ نہ کرتے تو اُن کی تجارتی اشیاء ایسی ہزاروں ہیں جنکے مدت تک سلامت رکھنے سے ان کو فائدہ کی امید تھی۔ لیکن برف اور اسپرٹ کے سوائے کوئی چیز ان کو ایسی معلوم نہیں ہوئی جو مدت

مدید تک کسی شے کو اصلی حالت پر باقی رکھ سکے ۔

لہذا ثابت ہوتا ہے کہ مصری لاشیں کسی مسالہ کے سبب سالم نہیں ہیں ان کے بقا کا راز خود ان کے چوبی صندوقوں پر کندہ ہے ۔ مصر کے باشندے تاثیر کواکب کے عامل تھے ۔ اور تاثیرات کواکب پر ان کو پوری دسترس حاصل تھی ۔ جسکا ذکر تاریخوں میں بھی پایا جاتا ہے ۔ اور خود چوبی صندوقوں پر کندہ ہے ۔

مجکو اس خط سے واقفیت نہیں ہے ۔ لیکن ان نقوش میں اکثر نقش ہمارے مروجہ تعویذات طلسمی وکوکبی سے مشابہ ہیں ۔ اسلئے ہمکو یقین ہوتا ہے کہ یہ لاشیں عمل کواکب کے دائرے میں محفوظ کی گئی ہیں ۔ اس امر کی گواہی قرآن شریف سے بھی ملتی ہے کہ فرعون کے زمانہ میں اہل مصر ساحری میں کمال رکھتے تھے ۔ اسی واسطے حضرت موسٰی کو جو معجزے دئے گئے وہ ساحرانہ قسم کے تھے ۔ جن سے جادوگر عاجز ہوگئے ۔

ان لاشوں میں بکثرت ساحروں کی لاشیں ہیں جنپر کتبے لگے ہوئے ہیں ۔ یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ ؛ ۔

اعمال سحر

کو اس معاملہ میں بڑا دخل ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے وہ حضرات جن کو فن اعمال سے دلچسپی ہے مصر آئیں تو اس ضروری معاملہ پر ضرور غور کریں ۔ وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ۔

ان لاشوں میں بعض سیاہ ہوگئی ہیں بعض سوکھ گئی ہیں ۔ فرعون موسٰی کے باپ رمسیس ثانی کا سنگین بت دیکھکر معلوم ہوا تھا کہ وہ بڑی شان و شوکت اور کلے جبڑے والا بادشاہ ہوگا ۔ لاش دیکھی تو جی بھر آیا ۔ بیچارہ مشت استخوان ۔ پتلی پتلی کلائیاں ۔ بالشت بھر کا چوڑا سینہ ۔ لمبی سوکھی گردن ۔ چہرہ اسقدر خوفناک کہ الٰہی تیری پناہ ۔ سیتی اوّل کا چہرہ بالکل سیاہ ہوگیا ہے ۔ حبشی معلوم ہوتا ہے مگر بشرہ پر خوف نہیں ہے ۔ یہ معلوم

ہوتا ہے کہ کوئی شخص پڑا سوتا ہے۔ بال اور ناخن باقی ہیں۔ ان سب لاشوں کے ناخنوں کو غور کر کے دیکھا۔ اکثر کے ناخن بڑھے ہوئے پائے۔ معلوم نہیں یہ لوگ مرتے وقت بیماری کے سبب ناخن نہ ترشوا سکے یا ان کے یہاں اسکا قاعدہ ہی نہ تھا۔ سیتی دوم کا سارا جسم اُجلا اور پاک صاف معلوم ہوتا ہے ؛

ایک ساحرہ کا بدن اس قدر شفاف اور چمکدار ہے کہ حیرت ہوتی ہے گویا کہ وہ شیشہ کی مورت ہے۔ پر آہ اُسکے چہرہ کو نہ دیکھئے بڑا ہیبت ناک ہے مرتے وقت سکرات کی تکلیف میں مُنہ کھل گیا ہے اور حد سے زیادہ کھل گیا ہے۔ جس سے مرنیوالی کی شکل ڈراؤنی ہو گئی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکو سخت کرب اور بے چینی ہے۔ جسکے سبب مُنہ پھاڑ کر چیخ رہی ہے۔ کیسا ہی سنگدل ہو اسکا چہرہ دیکھ کر خوف خدا سے پانی پانی ہو جائیگا اس ساحرہ کے صندوق کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ناگہاں چند نقوش آشنا نظر آئے۔ خیال دوڑا کے دیکھا تو بغض و ہلاکِ دشمن کا منتر تھا ؛

ہندوستان کے ایک جوگی نے اثنائے سفر تیرتھ جاترا میں مجکو ایسے نقوش کا ایک تعویذ بتایا تھا مگر وہ کہتا تھا کہ اس میں بعض نقوش کم ہیں جو مجکو معلوم نہیں۔ ساحرہ کے تابوت پر کل نقش مل گئے جن کو میں نے تمام و کمال نقل تو کر لیا۔ مگر جب ایسے عمل کرنے والوں کے انجام کو دیکھتا ہوں جسکی مجسّم مثال ساحرہ کی لاش ہے تو دل کانپ جاتا ہے۔ خدا ان تمام خرافات خبیثہ سے ہر انسان خصوصًا ہر مسلمان کو محفوظ رکھے ؛

خداوند نافرمان

فرعون کو دیکھئے۔ آنکھیں بند کئے پاؤں پھیلائے بے خبر پڑا ہے۔ چہرے کا خرّانٹ پناجوں کا توں موجود ہے ؛

ان سب لاشوں کے قد آجکل کی مانند ہیں۔ اور اس مشہور خیال کو غلط ثابت کرتے

ہیں کہ اگلے زمانہ میں ستر گز لمبے قد کے آدمی ہوتے تھے۔ فرعون بھی معمولی قد و قامت کا تھا۔ البتہ جسم کے اعتبار سے پورا ایل شل جگادری تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ خدا کے سامنے خم ٹھوک کر کھڑا ہونے والا معمولی آدمی نہیں ہو سکتا ۔

آج دیکھئے بیکسی اور بے بسی کے عالم میں پچھڑے ہوئے پہلوان کی طرح چاروں شانے چت پڑا ہے۔ ڈاڑھی مونچھ تو ان تمام لاشوں میں کسی کی بھی نہیں ہے غالباً سب کرزن فیشن کے تھے۔ لیکن فرعون کی ڈاڑھی کی جگہ ہڈی بھی تھوڑی سی ٹوٹ گئی ہے اور آنکھوں کے پاس بھی چوٹ کا نشان ہے برخلاف اور لاشوں کے فرعون کی لاش موٹی تازی اسلئے ہے کہ وہ بھلا چنگا ہٹا کٹا دریا میں ڈوب مرا۔ اور بادشاہ چونکہ بیماریوں میں گھل گھل کر مرے اس لئے ناتوان ہو گئے ہیں ۔

فرعون کے ہونٹوں کو بار بار دیکھتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ یہی حضرت موسیٰؑ کے سامنے بولنے کے لئے حرکت کرتے تھے۔ انہی نے وزیر ہامان کو حکم دیا گیا تھا کہ ایک اونچا سا مینار بنا تا کہ موسیٰؑ کے خدا کو جھانکوں کہ وہ کیسا اور کتنا بڑا ہے۔ او سرکش آدم زاد آج تو نے دیکھا کہ موسیٰؑ کا خدا کیسا اور کتنا بڑا ہے ۔

افسوس نہ ہوا تو اس زمانہ میں۔ ورنہ یورپ و امریکہ کے سائنس واں تیرا ساتھ خوب دیتے۔ بشرطیکہ تو شخصی حکومت سے دست بردار ہو کر پارلیمنٹ وید تیا ۔

جی اٹھ فرعون! آ چل ہوٹل میں چل کر وسکی کا ایک جام پئیں اور دیکھیں کہ اس مصر میں کتنے کوٹ پتلون والے تجھ سے زیادہ سرکشی کے جذبات میں سرشار جوتیاں کھٹکھٹاتے پھر رہے ہیں ۔

کیا فرعون تو یہ خیال کرتا ہے کہ موسیٰؑ کے خدا نے دریا میں ڈبو کے تیرا نام و نشان مٹا دیا۔ نہیں نہیں۔ اُس نے قیامت تک تیرے نام کو زندگی بخشی۔ لوگ اُن کتابوں کو آنکھوں سے لگاتے اور سر پر رکھتے ہیں۔ جن میں تیرا ذکر ہے۔ تو کہتا ہو گا کہ موسیٰؑ کا

خدا تیرا دشمن تھا۔ نہیں اُس کو خبر نہیں تجھ سے کیا محبت ہے کہ قرآن شریف میں جہاں دیکھو تیرا ذکر۔ عربی مثل ہے من احب شیئا اکثر ذکرہ۔ جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اُس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ سو یہی کیفیت موسیٰ کے خدا کی ہے جہاں دس پانچ باتیں بیان کیں کہ فرعون و موسیٰ کا قصہ شروع ہو گیا۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں تیرا ذکر نہ آیا ہو۔ آجکل کے فرقۂ اہلِ قرآن کو تیرا زمانہ ملتا اور وہ جان سکتا کہ خدا کی دشمنی کے نتیجہ میں قرآن کے اندر نامورئی حاصل ہوتی ہے تو وہ تجھ سے زیادہ سرکشی کرتا ؏

یورپ والے ہر تحقیق کا سہرا اپنے سر پر باندھ لینا چاہتے ہیں۔ اسلئے مشہور کیا جاتا ہے کہ ان مصری لاشوں کو اہلِ یورپ نے دریافت کیا اور باہر نکالا۔ ورنہ پہلے کوئی قوم جانتی بھی نہ تھی کہ ہزاروں برس کی لاش سلامت و محفوظ رہ سکتی ہے ؏

انھیں کیا خبر کہ مسلمانوں کے قرآن شریف نے تیرہ سو برس پہلے اسکی خبر دیدی تھی۔ اور سمجھنے والے سمجھ گئے تھے۔ مگر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جب وہ آتا ہے تو قدرت اپنا راز کھول دیتی ہے۔ فرعون کی لاش کی نسبت صاف لفظوں میں خبر دی گئی ہے کہ اسکا بدن محفوظ رکھا گیا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت ہو۔ چنانچہ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً۔ پس آج ہم تجھکو تیرے بدن کے ساتھ محفوظ کئے دیتے ہیں تاکہ تو اُن لوگوں کے لئے جو تیرے بعد دُنیا میں آئینگے (عبرت کی) نشانی ہو ؏

یہاں ایک بڑا باریک نکتہ ہے۔ ہزاروں برس تک فرعون کی لاش کا مخفی رہنا اور ہمارے زمانہ میں ظاہر ہونا۔ علامت ہے اس امر کی کہ ہم سے پہلے زمانہ والوں کو عبرت کی اس قدر حاجت نہ تھی جتنی ہمکو ہے۔ اسواسطے اس زمانہ میں اس کا انکشاف ہوا تاکہ وہ قومیں جو آجکل تمام دنیا پر قبضہ کرنے کی ہوس میں ہیں اور فرعون کی طرح خدا کی ذات کا انکار کرتی ہیں فرعون کی لاش سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں ؏

بیشک یہ سچ ہے۔ مگر اے خداوند! یورپ کے ہزاروں آدمی ہرسال قاہرہ میں آن کر اس لاش کو دیکھتے ہیں اور مطلق اثر پذیر نہیں ہوتے۔ ویسے ہی سرکش و حریص وستم جو بنے رہتے ہیں۔ مہربان پروردگار! کسی موسیٰ کے آئے بغیر یہ بے شمار فرعون قابو میں نہیں آئینگے۔

قدرت خدا کا تماشا

چونکہ خداتعالیٰ کو فرعون کی لاش کا بجنسہ موجود رکھنا منظور تھا۔ اسواسطے اُسنے عجیب و غریب طریقوں سے اس کی حفاظت کی۔ عجائب خانہ مصر کی گائڈ بُک کے صفحہ ۴۹۵ میں لکھا ہے کہ پہلے یہ لاشیں جنگل میں ایک مکان بناکر رکھی گئی تھیں۔ ایک رات قریب کے گاؤں والوں کو خیال ہوا کہ ان لاشوں میں سونا اور جواہرات کثرت سے ملیگا۔ اسلیئے چوری کے ارادہ سے رات کو مکان میں گھس آئے اور جب سونا اور جواہرات نہ پایا تو اوپری چیزوں کو نوچ کھسوٹ کر چل دیئے۔ سب لاشوں کے وسط میں فرعون کی لاش بھی تھی اسکو مطلق ضرر نہ پہنچا۔ صبح جب لوگوں نے دیکھا تو تعجب ہوا۔ مگر فرعون کی لاش کو جب قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک قسم کی رطوبت ہے جس سے شدت کی حرارت آرہی ہے۔ چور غالباً اس حرارت کی وجہ سے ڈر گئے۔

اسکا ثبوت کہ یہی فرعون کی لاش ہے

ابتدا میں فرعون کی لاش کا صحیح حال معلوم نہ ہوسکا تھا۔ مسٹر بورہ نے حروف تابوت کو پڑھکر قیاس لگایا تھا کہ مرنے والا خونیاتنو بادشاہ ہے۔ مگر مسٹر حیروف کو اس بیان میں شک تھا۔ آخر پانچ چھ یورپین فاضلوں کی موجودگی میں یہ تابوت کھولا گیا تو کفن کی عبارت سے ثابت ہوا کہ وہ منفتاح ابن رمسیس ثانی بادشاہ کی لاش ہے جو موسیٰؑ اور ان کی قوم کے خروج کے ایام میں بحر قلزم کے اندر ڈوب کر مرگیا۔

سکندر کے زمانہ کی تاریخوں سے منفتاح ابن رمسیس ثانی کا پورا حال معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ فرعون تھا جسکو حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ پیش آیا۔

زبیر پاشا سابق بادشاہ سوڈان

مصر کے قریب گھنٹہ بھر کے راستہ پر ایک حلوان ہے۔ ہر گھنٹہ ریل جاتی ہے۔ یہاں اکثر امرائے مصر رہتے ہیں سُنا کہ زبیر پاشا سابق بادشاہ سوڈان بھی حلوان میں ہیں چونکہ مجھ درویشان سوڈان کے حالات معلوم کرنے تھے۔ اسلئے پاشا کی ملاقات کے لئے حلوان گیا۔ ایک مراکشی مسلمان محمد ادریس البنانی میرے رہبر تھے۔ ہماری بگھی پاشا کے محل کے دروازے پر کھڑی ہوئی تو ایک حبشی دوڑا ہوا آیا اور سلام کرکے کارڈ لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پاشا نے بحالا کی ایک جماعت استقبال کو بھیجی۔ جنھوں نے اپنے مُلک کے دستور کے موافق میرے بازوؤں کو پکڑ کر کھینچنا شروع کیا۔ میں نے چونکہ مراکشی اور سوڈانی آداب کا ذکر بعض کتابوں میں پڑھا تھا۔ اسلئے اس وحشت خیز استقبال سے نہ گھبرایا۔ ورنہ کوئی اجنبی آدمی ہوتا تو پریشان ہوجاتا۔ کیونکہ اُس کو یہ کھینچا تانی عجیب معلوم ہوتی۔ یہ لوگ جس نقطۂ خیال سے ان حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بڑا دلچسپ ہے۔ چونکہ یہ سب عرب ہیں اس لئے مہمان کو ہاتھوں ہاتھ زبردستی کھینچکر گھر میں لیجانا فخر سمجھتے ہیں۔

جب یہ کالی کالی چیونٹیاں میرے وجود دانہ گندمی کو کشاں کشاں قصر کے دروازے پر لے گئیں تو کالے کالے حبشی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے جو میرے ہاتھوں اور دامنوں کو بوسے دیتے تھے۔ مکان اندر سے خوب آراستہ ہے۔ پاشا کے صاحبزادے سعید بے اٹھارہ سالہ ہیں اور حربی کالج میں تعلیم پاتے ہیں۔ چونکہ پاشا ابھی اندر کے قصر میں تھے۔ اس لئے سعید بے نے مدارات کے تمام لوازمات پورے کئے اور ہندوستانی مسلمانوں کے حالات بڑے شوق سے دریافت کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد غلام نے خبر دی کہ پاشا ملاقات کے لئے

ہیں۔ اب سعید بے نے اور ایک دوسرے عالم نے میرے بازوؤں کو پکڑا اور پاشا کے پاس لے گئے
پاشا اسی سالہ بوڑھے ہیں۔ دراز قد، گندمی رنگ، ڈاڑھی خشخاش، سر پر چوگوشیا مخملی ٹوپی،
سفید عربی لباس، کبرسنی کے سبب ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہے۔ میرے محل میں داخل ہوتے
ہی سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم دی۔ اور بازو پکڑ کر اپنے پاس کوچ پر بٹھایا۔ اسکے بعد حکم دیا
کھانا لاؤ۔ فوراً میز پر کھانے چنے گئے۔ میں نے کہا یہ تو کھانے کا وقت نہیں۔ بولے عرب کے
گھر سے مہمان بغیر کھانا کھائے نہیں جا سکتا۔ پاشا بھی شریک طعام ہوئے اور اس طرح اپنے
پنجہ شیر افگن کو گوشت کی بوٹیوں پر مارتا شروع کیا کہ افغانی منظر سامنے آگیا۔

حبشی غلام شیشے کے گلاس ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ میں نے پانی مانگا تو پاشا نے
اشارے سے اپنا پیالہ طلب کیا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا گول برتن تھا۔ جس میں آلو بخارے بھیگے
ہوئے تھے۔ پاشا نے کہا شیشے کے گلاس بھی حاضر ہیں۔ مگر میں ہمیشہ اسی کاٹ کے برتن
میں پانی پیتا ہوں۔ اور اپنی گزشتہ تیرہ سو برس پہلے کی بدویت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا
میں عباسی ہوں۔ اور ایک عباسی کا فرض ہے کہ وہ اپنے قدیمی اوضاع و اطوار کو باقی
رکھے۔ یہ آلو بخارے صفرے کو دفع کرتے ہیں اگر آپ منظور کریں تو اس پیالہ میں پئیں ورنہ
گلاس موجود ہے۔ میں نے کہا جس طرح ایک عباسی اپنے قدیمی اطوار کا حامی ہے۔ ایک حسینی
ہاشمی بھی اسی طرح ان مراسم پر فدا ہے۔ لا اے عرب کے بادشاہ۔ میں کاٹ کے پیالے کو
ان کانچ کے برتنوں پر ترجیح دیتا ہوں۔

پاشا نے جب یہ سنا کہ میں حسینی ہوں تو زور سے اپنی کھرکھرائی ہوئی بوڑھی آواز کو کھینچا
اور گوشت کی بوٹی رکابی سے اٹھا کر مجھکو دی کہ لو اے میرے ابن عم یہ کھاؤ۔ زبیر پاشا کے
چہرے پر اسوقت بڑی خوشی کا رنگ تھا۔ میں نے بوٹی لے لی۔ اور کھا کر کاٹ کے پیالے کا آدھا
پانی پی گیا۔ باقی پانی کو زبیر پاشا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اٹھا کر غٹ غٹ چڑھا گئے۔

اب بات بات میں وہ مجھکو ابن عم کہتے تھے۔ یعنی چچا کے بیٹے اور میں انکو ملک العرب

بادشاہ عرب کے خطاب سے مخاطب کرتا تھا۔ مہدی سوڈانی کی بغاوت سے پہلے یہ تمام سوڈان کے بادشاہ تھے۔ خدیو مصر سابق نے ان کو دھوکے سے مصر بلاکر قید کرلیا۔ بعد میں مہدی نے بغاوت کی اور سوڈان پر قابض ہوگیا۔ لیکن مصر نے انگریزوں کی اعانت سے مہدی کی حکومت کو اُن کے خلیفہ عبداللہ تعائشی سے چھین کر اپنے علاقہ میں شامل کرلیا۔ اب زبیر پاشا کو چار ہزار روپئے ماہوار خرچ کے لئے ملتے ہیں۔ ان کا بیٹا سعید بے بڑا ذہین اور ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ آج کل حربی کالج میں زیر تعلیم ہے۔

زبیر پاشا انگریزی طرز حکومت کے بڑے مداح ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ عرب نہ خوشامد کرتے ہیں، نہ حق فراموش ہوتے ہیں۔ اسواسطے میں آزادی سے کہتا ہوں کہ انگریزی حکومت اگلے زمانہ کے طریق حکومت سے بہت اچھی ہے۔

اسکے بعد اُنھوں نے دریافت کیا کہ کیا ہند کے مسلمان سوڈان و مصر کے مسلمین خصوصاً میرے نام سے واقف ہیں؟ میں نے کہا۔ اے ملک العرب! اُن کے پاس کتابیں ہیں وہ مصر و سوڈان کے ہر جز و کل حال سے آگاہ ہیں۔ زبیر پاشا نے کہا تو میرا سب چھوٹے بڑے امیر غریب مسلمانانِ ہند کو سلام کہدینا۔

لہٰذا میں اس نامہ کے ذریعہ سے اپنے ملکی برادرانِ دین کو اس نیک و پُرجوش عباسی پاشا کا سلام پہنچاتا ہوں۔

اختتام سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ زبیر پاشا کے فضائل میں میں نے بالکل وہ کیفیت پائی جو اگلے زمانہ کے تاجدار عربوں کے حالات میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں۔ رخصت کے وقت باوجود سخت دھوپ کے اپنے قصر سے باہر نکل کر سڑک تک آنا اور بار بار معذرت کرنا کہ اے ابن عم مجھ سے تمھاری کچھ مدارات نہ ہوسکی ایسا نظارہ تھا جسکی نظیر موجودہ تمدن و تہذیب کے ایام میں بالکل ناپید ہے۔

۲۲ جون ۱۹۱۱ء

گزشتہ ہفتہ زبیر پاشا کی ملاقات کے حالات میں ادریس البنانی مراکشی کا ذکر آیا ہے اسکی کیفیت ذرا وضاحت سے سُننی چاہیئے۔ تاکہ مسافرین مصر اس قسم کے بدمعاشوں سے احتیاط رکھیں *

میں جب یہاں آیا۔ اور مروّجہ عربی زبان کے سمجھنے اور بولنے میں دقت ہوئی تو جامع ازہر کے دہلوی طالب علم مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو ساتھ رہنے کی تکلیف دی اور انھوں نے مہربانی کر کے ترجمانی وغیرہ ضروریات میں بہت سا وقت مجکو دیا۔ تاہم بعض اوقات تنہا بھی پھرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک رات میں راستہ بھول گیا اور ڈاکٹر نصوحی کی دوکان پر گیا۔ تاکہ وہ کوئی آدمی رہبری کے لیئے ساتھ کر دیں۔ وہاں انھوں نے ایک مراکشی بزرگ سے ملاقات کرائی جو مراکو کے برگزیدہ شیخ ہونے کے علاوہ متموّل تاجر بھی ہیں۔ یہ صاحب بہت بوڑھے ہیں۔ میں ان سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک نوجوان ۲۴ سالہ گاڑی لے کر آیا۔ اور شیخ کو بٹھا کر لے چلا۔ چلتے وقت نصوحی سے اس نے میرا حال دریافت کیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ نہایت اخلاق سے گاڑی میں بٹھا لیا۔ اور بولا کہ ان بزرگ کو ہوٹل میں پہنچا کر آپ کو منزل مقصود تک پہنچاؤنگا *

راستہ میں کبھی وہ عربی بولتا۔ کبھی انگریزی اور بے تابانہ اظہار عقیدت کر کے میرے کُرتے کے دامنوں کو چومتا اور کہتا ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہندی شیخ کی زیارت میسر آئی۔ اور یہ سُنکر کہ میں مصر کے مشائخ اور ناموَر عمائد سے ملنا چاہتا ہوں سیکڑوں نام لینے شروع کیئے کہ یہ سب میرے دوست ہیں۔ میں ان سے ملاقاتیں کراؤں گا *

اگرچہ وہ گفتگو نہایت مؤثر اور رنگین پیرایہ سے کرتا تھا تاہم اس فوری میل جول سے مجکو شک ہوگیا اور جلدی پیچھا چھڑانے کی فکر کرنے لگا۔ قصّہ مختصر شیخ کی قیامگاہ پر پہنچکر

اُس نے تمام حاضرین سے میری بزرگی کی فضول تعریفیں شروع کیں اور سب کو میری دست بوسی پر مجبور کیا۔ ظالم کی باتوں میں عجیب اثر تھا۔ سارا بازار دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑا۔ اسکے بعد نہایت مکلف خوان میں چار لائی گئی۔ میں حیران تھا کہ یہ آدمی کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

چار سے فارغ ہو کر وہ میرے ساتھ ہولیا اور باتیں کرنی شروع کیں مصری پالٹیکس پر ایسی برجستہ تقریر کی کہ واہ۔ پھر کہنے لگا آپ کہیں تو گاڑی کرلیں۔ ورنہ رات کا وقت ہے میں ایک ایسے راستے سے لے چلونگا کہ آپ بہت جلد ہوٹل پہنچ جائینگے۔ مگر یہ راستہ گلیوں کا ہے۔ بگھی وہاں نہ جائیگی۔ میں نے پیدل جانا قبول کیا۔

گیارہ بج چکے تھے اور میں ہوٹل جلدی پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر بنّانی خبر نہیں کن تاریک گلیوں میں لئے ہوئے گھسا جارہا تھا جہاں آدمی کا نشان نہ تھا۔ اس خوفناک راستہ کو دیکھکر میں نے چلنے سے انکار کیا اور واپس ہونا چاہا مگر بنّانی نے یقین دلایا کہ اب بازار بہت ہی قریب ہے۔ تھوڑی دور چلکر اُسنے ایک عالیشان مکان میں دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک موٹا ہٹا کٹا عرب سامنے آیا۔ بنّانی نے کہا۔ آئیے یہ ایک بہت بڑے شیخ کا مکان ہے۔ ان سے ملاقات کیجئے۔ میں نے انکار کیا۔ اور وقت کی تنگی کا عذر کرکے چلنا چاہا۔ مگر بنّانی نے نہایت اصرار اور خوشامد سے روکا۔ مجبوراً اندر گئے۔ دیکھا کہ ایک برقی لیمپ روشن ہے اور کمرہ خوب آراستہ ہے لیکن کوئی شخص موجود نہیں۔ ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں پھاٹک بند کر دیا گیا۔ اس سنسان جگہ کو دیکھکر مجھے سخت وحشت و دہشت ہوئی لیکن بنّانی پر اپنے خوف کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ بنّانی نے عرب سے دریافت کیا۔ شیخ کہاں ہیں۔ عرب نے جواب دینے سے پہلے مجھکو گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا اور بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ اسکندریہ گئے ہوئے ہیں۔ اسکے بعد بنّانی نے مجھ سے کہا یہاں ایک مراکشی عرب رہتا ہے جو تعریفہ (پانچ پیسہ کا مصری سکہ) چٹکی میں مل کر اشرفی

بنا دیتا ہے۔ میں نے کہا یا بنانی میں خود یہ ہنر جانتا ہوں۔ مجھے کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ہوٹل پر جاؤں گا مجھ سے یہ فضول باتیں نہ کرو۔ اور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ بنانی بھی اٹھا اور عرب سے سرگوشی کرنے لگا۔ یہ نقشہ دیکھکر میں نے قدم بڑھایا اور پھاٹک کا کھٹکا کھول کر باہر نکل گیا۔ دس یا پانچ قدم چلا تھا کہ پیچھے سے روپیہ چھنکنے کی آواز آئی مڑکر دیکھا کہ بنانی عرب کو کچھ دے رہا ہے۔ بنانی اسکو دے کر قریب آیا اور بولا یہ شخص شیخ کا مہمان ہے اور غریب ہے۔ لہذا اسکی کچھ خدمت کر دی گئی۔ میں نے اس تقریر کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور تیزی سے چلنا شروع کیا۔ کوئی ہزار قدم کے بعد بازار کی روشنی نمودار ہوئی اور دیکھا کہ فاحشہ عورتوں کا بازار ہے۔ بہزار پریشانی اس دوزخ سے نکل کر بڑے بازار میں آئے۔ گھڑی دیکھی تو ۱۲ بج چکے تھے۔ مصر میں یہی وقت اوباشوں کی تفریح کا ہے تمام بازار میں گھما گھمی تھی۔ ہوٹل پر آکر کپڑے اُتارے۔ اور کھانا کھانے کے لئے دوسرے ہوٹل میں گیا۔ بنانی ساتھ تھے۔ ہرچند ٹالا مگر وہ کب ٹلتے تھے۔ کھانے میں شریک ہوئے اور پورے چہر کا لقمہ کھا کر اُٹھے اور رخصت ہوئے۔ صبح کو میں تلاوت کلام مجید سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ پھر تشریف آگئی۔ آج مجھے حلوان میں زبیر پاشا سابق بادشاہ سوڈان کے پاس جانا تھا۔ چاہا کہ بنانی کو جدا کروں مگر نا ممکن تھا۔ یہ بلا ساتھ ہوئی۔ ناظرین کہینگے کہ ایک آدمی کا علیحدہ کرنا بھی کچھ مشکل ہے۔ لیکن جب اُن کو ایک کوٹ پتلون دار مہذب صورت شخص سے واسطہ پڑے جو عالمانہ گفتگو کرتا ہوا ورپے غرض خدمت کا مدعی ہو جسکے برتاؤ میں متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ اُسکو ناشائستگی سے دُھتکار دینا آسان نہیں۔

زبیر پاشا کی ملاقات کے بعد بنانی نے تین چار اور بڑے بڑے نامی آدمیوں سے ملایا۔ اور اُن کے گھر میں جاکر میری اس طرح تعظیم کی۔ گویا وہ میرا غلام ہے۔ ریل کا ٹکٹ خریدنے اور بگھی کا کرایہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچتا وہ جناب بنانی اس طرح اپنی جیب میں ڈال لیتے گویا انہی کا پیسہ ہے۔ دو چار مرتبہ یہ حرکت کر کے اپنے نصیبہ کا جو کچھ تھا اُنھوں نے

مجھ سے ڈھونگ لیا۔ سہ پہر کو میں نے اُن سے یہ کہکر پیچھا چھڑایا کہ کل میں کہیں نہیں جاؤنگا آپ تکلیف نہ کریں۔ چنانچہ دوسرے دن وہ غائب رہے۔ اور میں مولوی عبدالرحمن دہلوی کے ہمراہ سیر کرتا رہا۔ لیکن بدقسمتی جب شام کو مولوی عبدالرحمن رخصت ہوئے اور میں ٹرام میں سوار ہو کر ہوٹل کو چلا تو حضرت البنانی مسکراتے ہوئے پھر تشریف لے آئے اور ٹرام میں بیٹھ گئے۔ ٹرام ہوٹل کے پاس پہنچی اور میں نے اُترنا چاہا تو بنانی نے مجھکو پکڑ لیا۔ اور کہا کہ تھوڑی سی دور اور چلیے۔ ٹرام کے مجمع میں جبریہ ہاتھ چھڑانا اور بہشت مشت کرنا شائستگی سے بعید تھا۔ مجبوراً ساتھ ہو لیا۔ ریل کے اسٹیشن پر اُترے اور اندر جانا چاہا۔ میں نے انکار کیا۔ بگڑ کر بولا۔ خلوتیہ طریق کے ایک بزرگ نے آپ کا ذکر اخباروں میں دیکھ کر مجھ کو بھیجا ہے اور آپ کو دعوت دی ہے وہاں اور بھی بہت سے عمائد اور اکابر مشائخ جمع ہیں میں نے کہا یہ کوئی طریقہ دعوت کا نہیں کہ تم کو بھیجدیا۔ اُن کو پہلے ملاقات کرنی چاہیے تھی میں ہرگز اس دعوت میں نہیں جاؤں گا۔ بنانی نے آنکھیں نکالیں۔ اور بازار کے ابنوہ سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میں بازار میں اس سے جھگڑا نہیں کر سکوں گا۔ لیکن اُسکا گمان غلط نکلا اور میں نے نہایت درشتی سے کام شروع کر دیا۔ یہ حالت دیکھکر خلقت کے ٹھٹ لگ گئے۔ بنانی چپ ہو کر میرے ساتھ ہو لیا اور ہوٹل تک خاموش چلا آیا۔ ہوٹل کے اندر آ کر خوشامد کرنے لگا۔ کہ اچھا اپنا کارڈ دیدو۔ میں شیخصاحب کو دے کر آپ کی طرف سے عذر کر دوں گا۔ میں نے کہا تم نہیں جاؤگے تو میں پولس کو بلاؤں گا۔ یہ سنکر جلدی سے چل دیا۔ اسکے جانے کے بعد میں نے مالک ہوٹل سے ذکر کیا۔ اُس نے کہا تم نے پہلے سے نہ کہا ہم اسکی خبر لیتے۔ اب آئیگا تو مرمت کر دی جائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو ہمارے چلے جانے کے بعد پھر آیا اور دربان نے جونہی اُس کی صورت دیکھی پکڑ کے مالک کے سامنے پیش کیا۔ جس نے اس جنٹلمین کے دو چار تھپڑ لگوائے اور باہر نکلوا دیا۔

ادریس الیتانی کے حالات میں بظاہر کوئی بدمعاشی نہ تھی مگر وہ باتوں باتوں میں تیس چالیس روپئے ہضم کر گیا اور آخر میں ایسا ڈھنگ ڈالا تھا کہ شاید تمام سرمایہ سفر کو اُڑا لیتا۔ ہوٹل والے نے کہا وہ مشہور پیشہ ور اُچکا ہے۔

جشن تاجپوشی لندن کی خوشی میں آج مصر میں بھی بڑی دھوم کا جلسہ ہے۔ گورنمنٹ کی جانب سے مجھکو بھی دعوت کا کارڈ بھیجا گیا تھا۔ لیکن بسبب چند ضروری مصروفیتوں کے نہ جا سکا اور تحریری مبارکباد بھیجدی۔

قاہرہ و اسکندریہ کے تمام مشہور روزانہ اخباروں میں میرا ایک گشتی مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں حلقہ نظام المشائخ کے مقاصد سے اہل مصر کو آگاہ کیا گیا ہے۔ اور مشائخ مصر سے ملنے کی آرزو کا اظہار ہے۔ نیز اُن سے اس مسئلہ میں رائے طلب کی گئی ہے اسلئے روزانہ اہل الرائے اصحاب کے خطوط ہوٹل میں آرہے ہیں۔ مگر افسوس کہ مشائخ کے کم ہیں بعض مشائخ نے رائیں لکھ کر بھیجی ہیں۔ بعض نے رسالے ارسال کئے ہیں ان سب کا خلاصہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔ کل شام کو ایک صاحب کا دعوتنامہ آیا تھا کہ تمھارا مطلب میرے پاس ہے۔ فلاں جگہ مجھ سے لو۔ چنانچہ سید جیلانی شاہ کو لے کر اُن سے ملنے گیا۔ بڑی پاکیزہ صورت کے شیخ تھے۔ اپنی چند تصنیفات دیں باتوں سے معلوم ہوا کہ جناب اقدس خارجی سلسلہ کے شیخ ہیں تضییع اوقات کا افسوس ہوا۔ تاہم خوارج کے عقیدے کی کئی کتابیں ہاتھ آگئیں۔ یہ لوگ دنیا میں انہی لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ جو ان کے ہمخیال ہوں ورنہ سب کافر۔

آج عبدالکریم صاحب ہندی نے مدعو کیا تھا۔ رات کو خوب دلچسپ صحبت رہی۔

۲۳ جون سنہ ۱۹۱۱ء

اڈیٹر صاحب اللواء سے اگرچہ پہلے بھی ملاقات ہو چکی تھی مگر آج پھر دوبارہ ملنے

گئے۔ اس نوجوان کو صوفیوں کی اصلاح سے بہت دلچسپی ہے۔ کل کے اخبار میں میرے مراسلہ پر ایک بسیط نوٹ شائع کیا ہے۔ جس میں فلسفۂ تصوف کی بڑی تعریف کی ہے مصر جیسے شہر میں یہ شخص غنیمت نظر آیا۔ جہاں سوائے پالیٹیکس کے دوسری بات کرنی کفر ہے۔ دیر تک صحبت رہی۔ مسائل تصوف و مسائل ہند پر مکالمے رہے

تیسرے پہر مصری وطن پرستوں کے مقتدائے اعظم

عبد العزیز شاویش

سے ملاقات ہوئی۔ بڑا تیز طرار، ہوشیار اور گہرا شخص ہے۔ مشائخ مصر کے مسئلہ پر دو گھنٹے گفتگو رہی۔ مصر کا مشہور روزانہ اخبار العلم انہی کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے وعدہ کرتے ہیں کہ العلم میں مسائل تصوف پر اپنے خیالات ظاہر کرینگے اور اہل مصر سے حلقۃ المشائخ ہند سے تعارف کرائیں گے ؛

۲۴ - جون سنہ ۱۹۱۱ء

مولوی عبد الرحمن کی معیت میں اڈیٹر المنار رشید رضا سے ملنے گئے۔ یہ شخص باعتبار شکل و صورت و باعتبار عادت و خصلت بالکل دہلی کا مرزا حیرت ہے۔ صورت تو اس قدر مشابہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ المنار مشہور رسالہ ہے۔ ہندوستان میں بھی بکثرت پڑھا جاتا ہے۔ اہل ہند دور کے ڈھول کی آواز ہمیشہ شوق و دلچسپی سے سنا کرتے ہیں۔ اسلئے المنار کے مضامین بھی پسند کرتے ہیں۔ مصر میں اس شخص کو مغرور، متکبر اور خود غرض سمجھا جاتا ہے ؛

ذاتی تجربہ سے میں رشید رضا کی نسبت کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اُس نے میرے ساتھ غیر معمولی اخلاق برتا لیکن اسکی تحریروں کے دیکھنے سے جو ہمیشہ صوفیۂ کرام کے خلاف ہوتی ہیں اور اہل مصر سے اندرونی حالات سننے کے

کے بعد فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ رشید رضا مصر کا مرزا حیرت ہے ؛

اس سے بھی مشائخ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ رائے زنی میں اسنے عملی استدلال کو مؤثر طریق سے استعمال۔ اور یہ تو پہلے ہی خیال تھا کہ وہ صوفیوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں دے گا ؛

شام کو محمود بک سالم بیرسٹر سے سہ بارہ ملاقات ہوئی۔ یہ شخص مصر میں بے مثل ہے تمام قومی و دنیوی کاموں میں دلی اخلاص سے حصہ لیتا ہے۔ ہر اخبار والے کو معقول امداد خفیہ طور پر دیتا ہے۔ کامیاب بیرسٹر ہے۔ اور اسکے علاوہ ذاتی املاک کی بڑی آمدنی ہے۔ آج دونوں وقت حکیم غلام نقشبند کابلی کے ہاں کھانا تھا۔ یہ قاہرہ میں کئی برس سے آنکھوں کا علاج کرتے ہیں اور خوب کامیاب ہیں۔ جو شیلے و بیدار اور صاحب اخلاق ہیں ؛

۲۵ - جون سنہ ۱۹۱۱ء

آج پھر طبیعت خراب ہے۔ شام تک ہوٹل میں رہے۔ عصر کے بعد مولوی عبدالرحمن کے ہمراہ مصر جدید کی سیر کو گئے۔ یہ جگہ پیرس کے نمونہ پر موجودہ مصر سے ۴ میل کے فصل پر آباد کی جارہی ہے۔ ٹرام وہاں تک جاتی ہے اور مصر کی مروجہ ٹرام سے مصر جدید کی ٹرام گاڑیاں زیادہ خوبصورت بنائی گئی ہیں۔ اور اُن میں صرف سکنڈ اور فرسٹ کلاس درجے ہیں۔ تھرڈ نہیں ؛

جب ہم مصر جدید میں پہنچے تو واقعی اسقدر پُر فضا اور دلکش سین نظر آیا کہ واہ۔ عمارتیں نہایت خوشنما اور خاص اسلوب کی۔ سڑکیں کشادہ اور صاف۔ جگہ جگہ پھولوں کی کیاریاں لفظوں میں اس کی تصویر کھینچنی دشوار ہے۔ اگر پیرس ایسا ہی ہے تو یقین ہے کہ ہم اُسکو بھی پسند کرلینگے۔ وہاں باشندے سب گورے شلجمی رنگ کے ہیں۔ ہم کو پھیکا رنگ بُرا معلوم ہوتا ہے۔ مصر جدید اس حیثیت میں پیرس سے بڑھ جائیگا۔ یہاں کے باشندے سب

شکیل اور سلوتی صورت کے ہیں ؀

یہاں ایک عجیب و غریب چیز دیکھی جسکو اینا پارک کہتے ہیں۔ دو قرش کا ٹکٹ لیکر اندر داخل ہوئے۔ سرخ رنگ کے عالیشان مصنوعی پہاڑ بنے ہوئے ہیں اور ان میں ریل دوڑتی پھرتی ہے۔ پہاڑوں کی بلندی بالکل اصلی کوہستان کی مثل ہے۔ اسپر ریل کا چکر کھا کر چڑھنا اور اُترنا عجیب لطف دیتا ہے۔ اور جب ریل ایک دم نشیب کی طرف آتی ہے تو دیکھنے والے کو سناٹا آنے لگتا ہے ؀

پہاڑ کے دامن میں مصنوعی جھیل ہے جس میں مشین کے ذریعہ ہر وقت جوش و خروش کے ساتھ پانی بہتا رہتا ہے۔ پہاڑ کی ریل چلتے چلتے ایک دفعہ ہی مشین کے پرزوں پر پھسلتی ہوئی جھیل میں آن پڑتی ہے۔ لیکن پانی ریل کے اندر نہیں آتا۔ ریل کشتی کی طرح تیرنے لگتی ہے۔ ایک پُل بنایا گیا ہے جسکی سیڑھیاں برقی زور سے حرکت کرتی رہتی ہیں۔ ان متحرک زینوں پر جب لوگ چڑھتے اُترتے ہیں تو بڑی ہنسی ہوتی ہے۔ بجلی زینے کو ہر وقت جھٹکے دیتی رہتی ہے اور چڑھنے والا اُچکتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور بڑی دقت سے اوپر جاتا اور نیچے آتا ہے۔ سینکڑوں اسپر چڑھتے ہیں اور سینکڑوں نیچے کھڑے انکی مشکلات پر ہنستے ہیں۔ اسی طرح ایک اور پُل ہے جو بجلی کے زور سے اوپر نیچے ہوتا رہتا ہے اس پر سے گزرنے میں بھی وہی تماشہ ہوتا ہے ؀

مصنوعی طور پر پانی کا جھرنا اور چھوٹی چھوٹی نہروں میں کشتیوں کا چلنا بھی ایک عجیب چیز ہے۔ ایک گوشہ میں قدآدم آئینے لگے ہوئے ہیں۔ کسی میں آدمی چھوٹا معلوم ہوتا ہے کسی میں ٹیڑھا۔ کسی میں سر بڑا کسی میں پاؤں بڑے۔ غرض یہ سب آئینے مضحکہ خیز ہیں۔ بجلی کے چراغ ہزارہا روشن ہیں۔ جنکی بہار بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ تمام مصر کے شوقین عورت مرد شام کے وقت اسکی سیر کو آتے ہیں۔ یہ خود اجنبی آدمی کے لئے ایک تماشہ ہیں۔ میں نے صرف آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھا مگر اور کسی تفریح میں حصہ نہ لیا۔

ریل میں سوار ہوا نہ کشتی میں۔ نہ کسی اور چیز میں۔ یہ تفریح ہم مذاق احباب کی معیت لطف دیتی ہے جو مجھے میسر نہ تھی۔

اس جگہ ہم اہل مصر کی معاشرت کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ہر شخص اہل یورپ کی عورتوں کو ساتھ لئے کس طرح آزادی سے سیر کرتا پھرتا ہے۔ کچھ مسلمان ترک عورتوں کو بغل لئے پھر رہے تھے۔

۲۶ - جون سنہ ۱۹۱۱ء

آج حلوان میں سید احمد بک حسینی سے ملاقات ہوئی۔ یہ مصر کے مشہور ذی علم امیر ہیں۔ اپنی تصنیفات کے چند نسخے مجکو بھی دئے جنکے مطالعہ سے راقم کی فاضلانہ جودت ظاہر ہوتی ہے۔ انھوں نے وعدہ لیا ہے کہ اب کے مصر آنا ہو تو میرے پاس قیام کیجئے گا۔ ہوٹل میں نہ ٹھیرئیے گا۔ بہت خلیق اور ملنسار شخص ہیں۔

شام کو قاہرہ کے سندھی ہندو تجار نے اپنی سبھا میں مدعو کیا تاکہ ہندو مذہب کی نسبت کچھ بیان کروں۔ ان لوگوں کی سو کے قریب جماعت مصر میں تجارت کرتی ہے۔ سب لوگ خوشحال ہیں۔ ایک سبھا بنا رکھی ہے جہاں آٹھویں دن جمع ہوتے ہیں اور مذہبی کتھا کے بعد اپنے ذاتی جھگڑوں کو باہم فیصل کر لیتے ہیں۔ حتی الوسع عدالت میں مقدمہ نہیں جانے دیتے۔ اسکے صدر موتی رام ہیں جن کی دوکان بہت کامیاب ہے۔ تیس چالیس لاکھ روپئے کا سامان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جس میں ہندوستانی زیورات کپڑے برتن زیادہ ہیں۔

بعد مغرب ہم انکی سبھا میں گئے۔ ان کا ڈپوٹیشن ہوٹل پر لینے آیا تھا۔ شاندار استقبال کیا۔ اوّل سر پد بھاگوت کی کتھا ہوئی۔ اسکے بعد گوبند سنگھ جی کی سوانحعمری پڑھی گئی جسمیں بار بار مسلمان بادشاہوں کے مظالم کا رونا رویا جاتا تھا۔ میں نے یہ کلام سنکر سوچا کہ یہی اسباب ہیں جنکے طفیل ہندو مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں ایسا کوئی مذہبی طریقہ نہیں ہے جسکے ذریعہ سے عام خیالات کو دوسری قوم کے خلاف بھڑکایا جاتا ہو

بلکہ ان لوگوں میں یہ باتیں مراسم دین میں شامل ہیں۔ اسواسطے ہندو مسلمانوں سے عداوت کرنے میں ترقی کر رہے ہیں۔

ان مراسم کے بعد جلسہ نے مجھ سے تقریر کی فرمایش کی۔ مگر میں نے وقت کی تنگی کا عذر کیا۔ کیونکہ میں اس قسم کے لوگوں سے بات چیت کرنی پسند نہیں کرتا تھا جو دوسرے مذہب کی دل آزاری جائز رکھتے ہوں۔ میرا مذہب صلح کل ہے۔ سب قوموں سے ملنساری برتنی چاہتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی خواہ مخواہ حملہ کرے تو منصفانہ جوابدہی بھی ہمارے عقیدے میں ضروری ہے۔ مجمع نے زیادہ اصرار کیا تو کرشن جی کے اقوال پڑھکر حاضرین کو گوبند سنگھ جی کا واقعہ یاد دلا کے بتایا گیا کہ مسلمانوں نے اگر کچھ زیادتی کی تو وہ محض ملکی انتظام کے سبب تھی۔ شریر لوگ بغاوت کر کے امن میں خلل ڈالتے تھے۔ اس لئے مسلمان مجبوراً سختی سے بغاوت کو روکتے تھے۔ گیتا میں دیکھو۔ جب ارجن نے مہابھارت کے وقت لڑنے سے انکار کیا اور کہا کہ اپنے رشتہ داروں کو مار کر زندہ رہنا بیکار ہے زندگی ان لوگوں کی زندگی سے پُرلطف ہے۔ انکے بعد اس کا کیا مزا۔ مگر کرشن جی نے اس نصیحت کی اور فرمایا کہ یہ سامنے والا لشکر اگرچہ تیرے رشتہ داروں کا ہے مگر یہ سب خدا کی نافرمانی کے سبب ناپاک ہو گئے ہیں۔ تلوار ان کے کپڑوں کو پاک کرے گی۔ اور مرنے کے بعد ان کو دوسرے پاکیزہ جسم ملبنگے اسلئے تو ان پر ہتھیار چلا۔ چنانچہ ارجن نے کرشن جی کے ارشاد کے موافق جنگ کی۔ اور خوب کشت و خون ہوا۔ اسپر مسلمانوں کی حالت کو قیاس کرو کہ اُنھوں نے بھی ناپاک اور پاپی لوگوں کو مار کر پاکیزہ جسم دلوائے۔ وغیرہ وغیرہ جاؤ فوری اثر کے اعتبار سے اُسوقت تو متأثر ہوئے مگر میں یقین نہیں کرتا کہ مسلمانوں کی دشمنی میں یہ چند الفاظ کچھ کمی پیدا کر سکینگے۔ تقریر کے بعد مکلف کھانا پیش کیا گیا اور بارہ بجے رات کے رخصت ہوئے۔ قاہرہ سے روانگی کے وقت ان ہندوں نے ایک قیمتی تحفہ بھی نذر کیا۔

۲۷- جون سنہ ۱۹۱۱ء

آج عباس آفندی عرف عبدالبہا مقتدائے فرقہ بابی کی ملاقات کے لئے دوبارہ زیتون گئے - زیتون مصر سے آدھ گھنٹہ کی راہ ہے - ہر وقت ریل ملتی ہے - عباس آفندی بڑے ذی علم شخص ہیں انکی باتوں میں بڑی کیفیت آتی ہے - مزاج بالکل سادہ ہے اگرچہ مرید تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے ۔

رخصت کے وقت ایک تصوفانہ رسالہ نذر کیا جو اُن کے والد بانی فرقہ بابی کی تصنیف ہے - نیز اپنے ہاتھ سے میری سادہ کتاب پر اسلام کی آئندہ بہتری کی تدبیر لکھی جو عربی زبان میں ہے - اور جو عنقریب نظام المشائخ میں مذکورہ بالا رسالہ کے ساتھ شائع کی جائیگی - اخلاق کا یہ عالم کہ اسٹیشن تک پہنچانے آئے اور ایک اشرفی چلتے وقت نذر کی - میں نے لینے میں عذر کیا - اور کہا کہ مجھکو اسکی احتیاج نہیں - فرمایا فقرا کو خیرات کر دینا - قبول کر لو ۔

۲۸- جون سنہ ۱۹۱۱ء

آج بقیہ فقراو مشائخ مصر سے ملاقاتیں کیں جن کا ذکر علیحدہ حلقہ صوفیاء مصر میں آئیگا ۔

۲۹- جون سنہ ۱۹۱۱ء

آج بابی الحلبی مشرق کے مشہور تاجر کتب سے ملاقات ہوئی - یہ مصر کے بلکہ اسلامی دُنیا کے شہرۂ آفاق تاجر ہیں - ہر فن کی کتابیں ان کے ہاں ملتی ہیں - معاملہ ان کا ایسا عمدہ اور صاف ہے کہ ہر شخص اس کی تعریف کرتا ہے - ہندوستان کے جو لوگ مصر آئیں - پہلے ان سے ملیں - ہر طرح کے مفید مشورے حاصل ہوں گے - فن قومیات سے بھی آشنا ہیں - اور دل میں مسلمانوں کا درد رکھتے ہیں ۔

جب سے اخبارات میں میرا ذکر ہوا ہے۔ بھیک مانگنے والوں نے ناطقہ بند کر دیا۔ روزانہ ہوٹل پر مہذب صورت کے لوگ مانگنے چلے آتے ہیں ::

آج رات کو میں ہوٹل کے دروازہ پر بیٹھا تھا کہ ایک نوعمر صاحبزادے نہایت تکلف انگریزی سوٹ پہنے ہوئے تشریف لائے۔ اور جھک کر سلام کر کے ہاتھ چومے اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور نہایت متانت سے فرمایا کہ میرے والد کلکتہ کے تھے۔ میں یہاں مصر میں پیدا ہوا۔ اسلئے ہندی زبان نہیں جانتا۔ آپ کا ذکر اخباروں میں پڑھا اسلئے حاضر ہوا ہوں کہ آج مجھے فاقہ ہے۔ جیب میں صرف ایک پیسہ باقی ہے۔ کچھ دیجئے تاکہ روٹی کھاؤں۔ میں نے حیرت سے اس تقریر کو سنا اور جواب دیا کہ آپ جوان ہیں محنت کر کے پیٹ پالئے۔ مانگنا برا ہے ::

چونکہ کل روانگی کا ارادہ ہے۔ اسلئے جلدی جلدی سب سامان درست کیا۔ جن سے ملنا رہ گیا تھا اُن سے ملاقاتیں کیں۔ افسوس کہ اپنے صوفی مشرب دوست مسٹر حبیب الرحمن کو ہندو ویدانت کا بڑا شوق ہے) نہ مل سکا۔ تاہم مولوی عبدالرحمن کے ذریعہ خطاب مکنون مصری اُن کو بھیجدیا۔ کیونکہ وہ ایک خطاب کے مستحق پائے گئے تھے۔ اور نہایت شوق سے خطاب تصوف لینے کے طلبگار رہتے۔ ذوالنون مصری کے وزن پر اس فنافی التصوف ہستی کا مکنون مصری لقب موزوں معلوم ہوا ::

رسالہ الہلال کے مشہور اڈیٹر جرجی زیدان سے بھی آج ملاقات ہوئی۔ ۵ سالہ بزرگ ہیں اور بڑے ہنس مکھ اور خلیق۔ اپنی تصویر بھی عنایت کی۔ ان کی تاریخ اسلامی دنیا میں مسلم ہے ::

آج قاہرہ کا قیام ختم ہوتا ہے ::
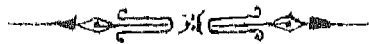
مصر میں جشن میلاد شریف

۳۰- جون سنہ ۱۹۱۱ء
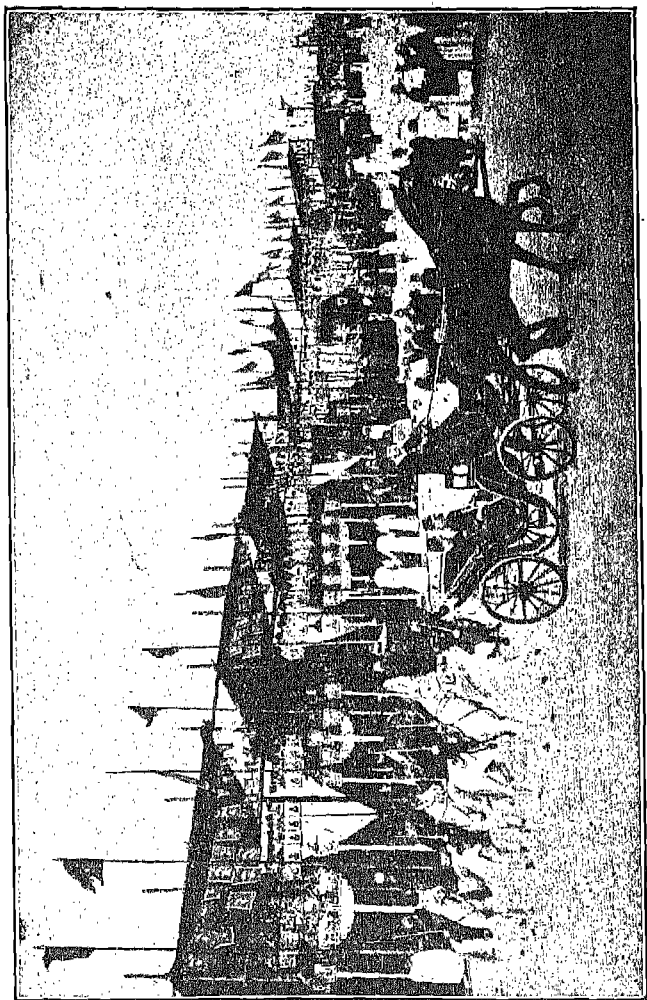
اکثر عمائد مصر کا اصرار تھا کہ روانگی کے وقت سے مطلع کرتا تاکہ ریل پر وداع کرنے آئیں مگر مجھکو یہ رسم پسند نہیں - مقتدائے گروہ وطنی عبدالعزیز شاویش اڈیٹر اللواء - محمود بک سالم وغیرہ احباب کا تقاضا تھا کہ ہم ضرور ریل تک چلینگے - آج روانگی ہے - ارادہ ہوا کہ خبر دیدوں - مگر چند مصلحتوں کے خیال سے خاموش رہنا مناسب سمجھا - مالک ہوٹل کے پاس متعدد پیام ٹیلیفون آئے کہ شیخ الہندکس وقت روانہ ہونگے - مالک نے مجھ سے دریافت کیا - میں نے ہدایت کی کہ میرے چلے جانے کے بعد سب کو میرا سلام اور شکریہ بھیجدینا اور کہنا کہ وہ سوار ہوگئے - بالفعل خاموش ہو جاؤ ؟

آج صبح ساڑھے چھ بجے قاہرہ سے رخصتی ہوئی - امام الدین صاحب خیاط پنجابی اور حافظ عبدالقادر نگینوی ہمراہ ہیں - یہ بھی زیارات بیت المقدس و شام و حجاز کو جائینگے ساڑھے سات بجے چپ چاپ ریل پر سوار ہوئے اور گاڑی چلدی ؟

ڈیڑھ گھنٹہ میں طنطا پہنچے - یہاں حضرت سیدی احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جنکا رتبہ ان ممالک میں حضرت خواجہ خواجگان اجمیری رح کا سا مانا جاتا ہے - تمام مصر، شام و افریقہ کا مجمع ہے - شیخ سنوسی مشہور و معروف بزرگ جن کا ذکر یورپ کے اخبارات میں آیا کرتا ہے انہی کے سلسلہ میں ہیں ؟

ریل سے اُتر کر اسباب ایک لوکندہ میں رکھا - اور سیدھے حضرت کے مزار پر حاضر ہوئے - بڑی عالیشان عمارت ہے - حضرت کی مسجد میں ایک مدرسہ بھی ہے - جس میں تین ہزار کے قریب طلبہ دینیات پڑھتے ہیں - اس مدرسہ میں حساب و جغرافیہ بھی پڑھایا جاتا ہے - چنانچہ ہم مسجد میں پھر رہے تھے، یکایک منبر پر جو نگاہ پڑی - دیکھا کہ انگریزی حروف سے آراستہ ایک سیاہ تختہ منبر پر رکھا ہے - ہم حیران ہوگئے کہ انگریزوں نے منبر دین پر

کیونکر قبضہ کرلیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اُستاد حساب کا درس دیتے وقت کھریا سے یہ نقش بناتے جاتے ہیں۔ کسی اُستاد نے یہ تختہ منبر پر رکھدیا ؛

حضرت کے مزار پر عظیم الشان گنبد بنا ہوا ہے جسکے اندر طلائی کام کی گلکاری ہے۔ مزار کے گرد مصری مزارات کے دستور کے موافق برنجی چھپر کھٹ ہے اور اسپر حضرت کا سلسلہ نامہ کندہ ہے۔ ہم یہاں دو گھنٹے ٹھہرے رہے۔ اور خوب دعائیں مانگیں

واپسی کے وقت یہاں کے سجادہ نشین کو دریافت کیا۔ ایک صاحب ہم کو اُنکے دولتخانہ پر لیگئے۔ وہاں سیکڑوں آدمی ہماری طرح شیخ کی زیارت کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ یہ شیخ مصری مشائخ کی عام حالت کے خلاف پابند شریعت اور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ پورے ایک گھنٹہ ہم نے راہ دیکھی مگر شیخ باہر تشریف نہ لائے۔ مجبوراً لوکندہ کو چلے گئے۔ اور کچھ دیر آرام کرکے پھر حاضر ہوئے۔ اب بھی خلقت کا ہجوم تھا۔ ہم نے اپنا کارڈ شیخ کو بھجوایا۔ جسکو ملاحظہ کرتے ہی باہر تشریف لے آئے اور ہمکو خلوت خانہ خاص میں لیجاکر بٹھایا۔ جہاں اور کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی ؛

شیخ پچاس ساٹھ کے درمیان سن رکھتے ہیں۔ بڑی نورانی صورت ہے اور باتوں میں ایک کیف معلوم ہوتا ہے۔ دیر تک ہندی مسلمانوں علی الخصوص مشائخ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجکو بھی سلسلہ احمدیہ اور سلسلہ شاذلیہ کا فیض پہنچا ہے۔ تعجب سے فرمایا کس کے ذریعہ؟ عرض کیا حضرت مولانا شاہ سیّد بدر الدین پھلواری کے واسطہ سے اور اُن کو شیخ عبدالرحمٰن ابو خضیر المصری سے یہ سلسلہ پہنچا ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن ابو خضیر کا نام نامی سنکر شیخ نے ارشاد کیا کہ اوہو یہ تو ہمارے بڑے دوست ہیں۔ ہم اور وہ مدت تک ساتھ رہے ہیں ؛

اسکے بعد حلقہ کا ذکر آیا۔ حضرت شیخ نے اسکے مقاصد کو بہت پسند فرمایا اور کامیابی کی دُعا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ سب اہل حلقہ اور فلاں فلاں (چند احباب

کے نام لئے گئے) کے لئے دُعا فرمائیے۔ چنانچہ سب کے لئے حضرت نے دعا کی ÷

قہوہ اور شربت کی تواضع کے بعد ارشاد ہوا کہ تمھارا کچھ حق میرے پاس ہے اسکو لیتے جاؤ۔ میں تمھارے چہرہ پر آثار اجتہاد پاتا ہوں۔ حضرت الشیخ کے اس فرمان نے میرے بدن میں سنسنی پیدا کر دی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے ÷

قلم دوات اور کاغذ طلب فرمائے چند سطریں تحریر فرمائیں کہ ہم نے حسن نظامی کے چہرہ پر آثار جد و اجتہاد دیکھکر اور یہ معلوم کرکے کہ وہ فقراء کے گروہ کو منتظم کرنے والا ہے اپنے سلسلہ قادریہ شاذلیہ احمدیہ وغیرہ جمیع سلاسل کی اجازت دی کہ وہ ان سلاسل میں اہل ہند سے بیعت لے۔ اسکے بعد مجکو چند نصائح تحریر فرمائیں۔ فرمان دستخط و مُہر سے مزیّن کرکے اس عاجز کو عطا فرمایا اور ایک خاص کتاب اپنے اوراد و وظائف کی طلب فرماکے عنایت کی اور اُنکے پڑھنے کی اجازت بخشی ÷

ہم کو آج ہی اسکندریہ جانا ہے کیونکہ کل یافہ کا جہاز چھوٹنے والا ہے۔ اسلئے رخصت طلب کی۔ حضرت نے فرمایا۔ جی چاہتا تھا کہ آج کی رات میرے پاس رہتے۔ مگر خیر جاؤ۔ خدا حافظ۔ حالات سے مطلع کرتے رہنا۔ شیخ سے رخصت ہوکر ریل پر آئے اور ساڑھے پانچ بجے سوار ہوکر آٹھ بجے اسکندریہ پہنچے۔ راستہ میں دریائے نیل کی نہر ریل کے ساتھ ساتھ چلتی تھی جسکے سبب جنگل سر سبز اور کیفیت دار ہے ÷

اسکندریہ میں گاڑی کیا پہنچی قیامت آگئی۔ چاروں طرف سے ہوٹلوں کے دلال چمٹ گئے۔ ان میں بکثرت یورپین تھے اور دو ایک مسلمان۔ ہر شخص اپنا کارڈ سامنے کرتا اور ہوٹل کی تعریف سُنا کر اپنی طرف کھینچنا چاہتا۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ ہر چند اُن سے کہا کہ صبر کرو۔ اطمینان سے کارڈ پڑھنے دو۔ مگر وہ کب مانتے تھے۔ اسباب کے ٹکڑے کرکے باہم تقسیم کر لیا۔ اور غل مچانا شروع کیا۔ مسلمان کہتے کہ یہ حرامی نصرانی ہیں ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی مسلمان۔ ہم بھی مسلمان۔ یورپین گو بکثرت تھے۔ مگر گنتی کے

چند مسلمانوں کی یہ گالیاں سنکر کچھ نہ کہتے تھے۔ گھبراہٹ میں مجبور ہو کر میں نے ایک ترکی ٹوپی والے دلال کا کارڈ لے لیا۔ کارڈ لیتے ہی غل مچا کہ یہ حرامی بھی نصرانی ہے۔ آخر بہزار دقت پلیٹ فارم سے باہر آئے۔ اور وہاں پولیس کے آگے یہ قصہ پیش ہوا۔ مسلمان پولیس افسر نے اسباب مسلمان دلال کے سپرد کیا۔ اور ہم عثمانی لوکنڈہ میں آئے جو ایک ترک کا ہے۔ مالک بہت اخلاق سے پیش آیا۔ جگہ بھی خاصی اور ۱۲ ان پومیہ کے کرایہ کی تھی۔ رات کو کھانا کھا کر لیٹ گئے۔ مگر کھٹملوں نے سونے نہ دیا۔ مسلمانوں کے ہوٹلوں میں یہ بڑی کمی ہے۔ اُنکو صفائی کا سلیقہ نہیں۔ اسلئے انکے ہاں کھٹمل کثرت سے ہوتے ہیں۔

یکم جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج صبح تمام اسکندریہ کا گشت لگایا۔ شہر خوبصورت اور شاندار ہے۔ نہ اتنا جتنی تعریف کی جاتی تھی۔ اول حضرت دانیال پیغمبر اور حضرت لقمان حکیم کے مزارات پر گئے۔ نہیں معلوم یہ مزارات سچے ہیں یا مصنوعی۔ بظاہر قدامت مترشح تھی۔ دونوں مزار ایک تہ خانہ میں ہیں۔ یہ زیارت کر کے قصیدہ بردہ کے مصنف امام بوصیریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بڑی دلچسپ اور مؤثر جگہ ہے۔ عمارت بھی خوشنما اور شاندار۔ یہاں ایک مدرسہ دینیات کا ہے جسمیں خدام کے بیان کے موافق دو ہزار کے قریب طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ روضہ کے اندر سنہری حروف میں قصیدہ لکھا ہوا ہے۔ بہت دیر بیٹھے رہے۔ اس مزار کی سی کیفیت سارے سفر میں کہیں نہیں دیکھی واپسی میں ترجمان سکندر ذوالقرنین کے مزار پر لے گیا جو ایک معمولی بوسیدہ مقبرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی اور بزرگ کا نام سکندر تھا۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین مشہور کر دیا۔ مجاور بڑے شریر ہیں۔ جب ہم مزار کے اندر گئے تو باہر سے دروازہ

بند کر دیا۔ اور زبردستی کر کے نذرانہ طلب کرنے لگے۔ میں نے ڈانٹا اور حکومت سے شکایت کی دھمکی دی۔ جب کھولا۔ بڑی تاریک جگہ ہے۔

زندہ مشائخ سے ملنے کی خواہش کی گئی، تو ترجمان سید الحبشی نامی ایک بزرگ کے پاس لے گیا۔ سید صاحب صد سالہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہوش و حواس سلب ہیں۔ کسی سے بات نہیں کرتے۔ نہ چل پھر سکتے ہیں۔ خدام کندھے پر بٹھا گھر سے خانقاہ میں لائے اور مسند پر بٹھا دیا۔ یہ اکثر چیخیں مار کر روتے رہتے ہیں خیال کیا جاتا ہے کہ ان پر حالت مجذوبی طاری ہے۔ جو زبان سے نکلجائے پورا ہوتا ہے خدام نے ہر چند کان کے پاس منہ لیجا کر پکارا کہ یہ لوگ ہندوستان سے آئے ہیں۔ مگر شیخ ہماری طرف ملتفت نہوئے۔ ایک شخص نے آواز دی کہ حضرت ان کے لئے دعا کرو۔ اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ تیسرے نے صدا لگائی کہ جناب ان کو انگریزی حکومت کی بڑی تکلیف ہے دعا مانگو کہ یہ تکلیف دور ہو۔ جواب اسکا بھی نہ ملا۔ مگر میں نے خود سبقت کر کے عرض کیا کہ نہیں جناب ہم کو انگریزی حکومت سے کچھ تکلیف نہیں جس امر کی تکلیف ہے وہ دل میں ہے۔ دعا فرمائیے کہ یہ دل کی خلش رفع ہو۔ یہ کہہ کر میں جھکا اور شیخ کے ہاتھ پر سر رکھدیا۔ اسپر شیخ نے صرف "ایوہ" فرمایا۔ یعنی ہاں ایسا ہی ہوگا۔ ایوہ کا لفظ شیخ کے منہ سے نکلتے ہی چاروں طرف مبارکباد کا غل مچگیا اور لوگ کہنے لگے کہ کام پورا ہوا شیخ کا اتنا لفظ کافی ہے۔ وہ کسی کے لئے ہاں نہیں کہتے اور کہتے ہیں تو اسی کے واسطے جسکا کام ہونے والا ہو۔ اسکے بعد ہم رخصت ہوئے۔ یہ چند ساعتیں بڑے لطف کی تھیں۔ شیخ قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں۔

یہاں سے باہر نکل کر بازار میں آئے۔ ایک قہوہ خانہ قریب تھا۔ وہاں سے ایک عرب اٹھکر آیا۔ اور پوچھا آپ سید ہیں۔ میں نے کہا ہاں تم کیا چاہتے ہو بولا فاتحہ خیر پڑھو اور دعا مانگو۔ وہیں کھڑے کھڑے فاتحہ پڑھی اور آگے بڑھا

1017499

مگر حسن نے بڑھنے نہ دیا۔ اور نہایت وحشیانہ طریق سے ڈاڑھی پکڑ کے چوم لی۔ اس کی یہ حرکت دیکھکر سارا قہوہ خانہ پل پڑا۔ اور ڈاڑھی کے بوسے لینے شروع کئے۔ انکی اس بدویانہ عقیدت نے میرے اوسان باختہ کر دئے اور جلدی سے بگھی میں سوار ہو کر بھاگنا پڑا۔

ہوٹل پر آکر اسباب درست کیا اور جہاز پر آئے۔ ٹکٹ پہلے لے لئے تھے۔ معمولی طور پر ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ اور خدیویہ جہاز میں جو یافہ جاتا ہے سوار ہو گئے۔ ٹکٹ تھرڈ کلاس کا لیا تھا کیونکہ یافہ صرف دو رات کا راستہ ہے۔ جہاز میں آکر ترجمان کے ذریعہ سے ایک کوٹھری جہاز کے ملازمین سے چھ روپیہ فی کس زائد دے کر لے لی۔ جس میں نہایت عمدہ سکنڈ کلاس کے سے پلنگ سونیکے لئے اور صاف فرش موجود ہے۔

ترجمان صاحب نے عادت کے موافق یہاں بھی جھگڑا کیا۔ ہم نے اس کو ایک ریال یعنی ۲ روپئے دیئے تھے جسپر وہ راضی نہوا۔ اور بگڑنے لگا۔ آخر پانچ قرش اور دیئے۔ تماشہ دیکھئے کہ باوجود اس جھگڑے کے سارٹیفکٹ کا طالب ہوا۔ میں نے اُس کی کتاب پر لکھدیا کہ "یہ ترجمان لوگ خدا کی تقدیر ہیں جسکے لکھے کا کسی کو حال معلوم نہیں"۔ سارٹیفکٹ لیکر ترجمان خوشی خوشی چل دیا۔

دریا میں تلاطم زیادہ ہے۔ چار بجے لنگر اُٹھتے ہی ساتھی چکروں سے صاحب فراش ہو گئے۔ مگر میں مزے سے کتاب پڑھتا رہا۔ کسی قسم کی تکلیف نہوئی۔ رات کو نیند بھی خوب آئی۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

۲۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

صبح ۷ بجے پورٹ سعید پر جہاز نے لنگر کیا۔ ہم اُتر کر پورٹ سعید گئے۔

بہت آباد جگہ ہے۔ کھانا کھایا اور تھوڑی دیر گشت لگا کے ہندوستان کو خطوط روانہ کئے۔ نہیں بلکہ خط روانہ کیا۔ کیونکہ آج صرف عزیزم واحدی صاحب کو خیریت نامہ بھیجا۔ زیادہ لکھنے کی فرصت نہ تھی۔ تیسرے پہر جہاز پر آ گئے۔ اور جہاز شام کو یافہ کی طرف چل دیا۔

۳۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج صبح ۷ بجے یافہ نظر آیا۔ ۷ بجے جہاز لنگر انداز ہوا۔ چونکہ ہمارا جہاز مصر سے آتا ہے جہاں آجکل طاعون ہے اسلئے ایک دن رات کا جہازی قرنطینہ ہوگا۔ یعنی جہاز ایک دن رات مع مسافروں کے کھڑا رہیگا۔ یہ فضول تضییع اوقات دشوار معلوم ہوئی کہ یافہ سامنے ہے مگر جا نہیں سکتے۔ تیسرے پہر ترکی ڈاکٹر جہاز پر آیا۔ ہمکو اُس شخص نے جس سے کوٹھری کرایہ لی تھی کوٹھری میں مقفل کر دیا تاکہ ڈاکٹری زحمت سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ تین گھنٹہ گرمی میں حبس دم رہے۔ تھرڈ کلاس کے سب مسافروں کے کپڑے بھپارے سے خراب اور گیلے کر کے ڈاکٹر صاحب چل دیے اور انتظام کی خوبی دیکھئے کہ طبی سارٹیفکٹ ایسا ارزاں تھا کہ ہم کو بھی مل گیا۔ حالانکہ نہ ہم نے اُن کی صورت دیکھی نہ اُنھوں نے ہماری۔

خدیو یہ جہاز یورپین جہازوں کی طرح صاف ستھرا نہیں ہے اور نہ مسافروں کے بھرنے کی کوئی حد مقرر ہے۔ جو آیا گھس گھس میرے کان میں گھس۔ یا اللہ ان مسلمانوں کو انتظام کا سلیقہ کب آئے گا۔

رات کو کوٹھری والے کا حساب طے کیا۔ چار کی تو پیالیاں تھیں۔ ۵ رفی پیالی وصول کئے۔ سالن کی ۳ رکابیوں کے ۱۲ لئے۔ عجب لوٹ ہے۔

آج رات کو جہاز میں بیچارہ ایک مصری مسافر مر گیا۔ جسکے بال بچے دوسرے جہاز میں آرہے ہیں۔ بے درد جہاز والوں نے وارثوں کے انتظار بغیر لاش کو دریا میں پھینکدیا

مجھ پر اسکی بیکسی نے ایسا اثر کیا کہ غشی کی نوبت آگئی - آہ پردیس ؀

۴ - جولائی سنہ ۱۹۱۱

مصر کے وقت سے یافہ کے اوقات میں تفاوت ہے - سورج ساڑھے چار بجے طلوع ہوگیا - اور ۶ بجے ہم جہاز سے اُترے - حاجی درویش نامی ایک شخص نے جو یافہ میں زائرین کی خدمات کی معاش رکھتا ہے ۔ آسانی سے کنارہ تک پہنچایا اور آٹھ بجے بیت المقدس کی ریل پر سوار کرا دیا - یافہ میں بکثرت اس قسم کے وکلا ہیں جو زائرین کے لیے آپس میں جھگڑتے ہیں - ریل تک پہنچتے پہنچتے بیت المقدس کے وکلا کا بھی ہجوم ہوگیا ایک وکیل صاحب ہمارے ساتھ ریل میں سوار ہوگئے - صورت تو شریفانہ ہے - دیکھئے برتاؤ کیسا رہتا ہے - یافہ سے دو وقت بیت المقدس کو ریل جاتی ہے - فاصلہ تو صرف ۴۰ میل کا ہے - مگر کوہستان کے نشیب و فراز کے سبب گاڑی بہت آہستہ چلتی ہے - اور ۴ گھنٹہ میں پہنچتی ہے - پہاڑ سب سرسبز ہیں اور انگوروں کی بیلیں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں - یافہ سے دوسرا اسٹیشن رملہ ہے یعنی ارض فلسطین - یہ مشہور تاریخی مقام ہے واپسی کے وقت یہاں اُترنے کا ارادہ ہے ؀

۱۲ بجے بیت المقدس کی زمین پر قدم رکھا - زہے نصیب - قلیوں اور گاڑیبانوں کا محشر برپا تھا - مگر وکیل صاحب کی مہربانی سے یہ منزل آسانی سے طے ہوگئی اور سیدھے اپنے آقا و مولیٰ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کے تکئے میں آئے - اگرچہ پہلے ارادہ ہوٹل میں ٹھہرنے کا تھا - لیکن حضرت بابا صاحبؒ کا نام سُنکر جی بے اختیار ہوگیا - ہمیں وہ خاک ہزار ہوٹلوں سے بڑھکر ہے - جہاں ہمارے پیشوا کے قدم پڑے - حضرت بابا صاحبؒ کا یہاں چلہ بھی ہے - تکیہ بہت صاف ستھرا اور شاندار ہے - اسکے متولی شیخ عبدالقادر المدراسی ہیں - جو بڑے سلیقہ والے اور منتظم ہیں - بہت اخلاق سے پیش آئے اور ایک مقام پر ٹھہرایا ؀

یہاں خاصا گلابی جاڑا ہے۔ کہتے ہیں۔ یہی موسم قدس کے سفر کے لئے مناسب ہے
نہ گرمی۔ نہ سردی۔ درمیانی حالت۔ سردیوں میں ہم جیسے ناتوانوں کا گزر نہیں۔ خوب
برف پڑتی ہے۔ اسی سال سردی کے موسم میں چھ بنگالی حاجی اسی تکیہ میں مر گئے۔
ٹھنڈ کے سبب کوئلے سلگا کر اور کواڑ بند کر کے سو گئے تھے۔ صبح بارہ میں سے چھ زندہ
نکلے۔ آج دن بھر کہیں نہیں گئے۔ طبیعت پر تکان زیادہ ہے۔ کل سے زیارتیں شروع
کرینگے۔ رات کو شیخ التکیہ نے دعوت کی اور خوب مزیدار کھانے کھلائے ؛

۵۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

رات کو نیند صاف نہ آئی۔ ۳ بجے بیدار ہو کر حوائج سے فراغت حاصل کی اور
قرآن شریف پڑھتے رہے۔ آٹھ بجے ابراہیم عبدالقادر آفندی مزوّر بیت المقدس تشریف
لے آئے۔ ان کو لے کر زیارات کو نکلے۔ بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے۔ اسلئے راستوں
میں آسمان زمین کا نشیب و فراز ہے۔ حرم تکئے سے بہت دور نہیں ہے۔ جسوقت ہم نے
حرم کے اندر قدم رکھا جہاں جوتیوں سمیت جاتے ہیں۔ دل کی حالت دگرگوں ہونی شروع
ہوئی۔ کچے صحن کو طے کر کے پختہ صحن کے پاس ہم نے تو جوتیاں اُتار لیں۔ مگر اور لوگ
اکثر پہنے پھر رہے تھے۔ اس صحن میں داخل ہونے سے پہلے مزوّر نے کھڑے ہو کر چند
دُعائیں پڑھیں جو بڑی مؤثر تھیں۔ ہم آمین کہتے گئے۔ آخر میں میں نے مزوّر سے کہا کہ
میرے اہل حلقہ اور خاص دوستوں کے لئے بھی دعا مانگو۔ اُس نے خبر نہیں کس قیامت
کے الفاظ چھانٹ کر دعا کی کہ جی بے قابو ہو گیا۔ اور بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں اول
گنبد صخرہ شریف میں گئے اور نوافل ادا کئے۔ اسکے بعد تمام مسجد اقصیٰ کا گشت لگایا
اور ہر چیز کو غور سے دیکھا۔ یہاں ہر شے عجیب اور نایاب ہے۔ اسلئے ایک ایک چیز
کی تفصیل ضروری ہے تاکہ اہل وطن گھر بیٹھے زیارت کا مزا حاصل کریں۔ مگر اس تفصیل

کے لئے ایک ہی دن میں گنجایش نہیں۔ حرم میں روزانہ حاضری ہوگی۔ تھوڑا تھوڑا ہر روز لکھ لیا جایا کرے گا۔

حضرت سلیمان کی مسجد آجکل بند ہے۔ کیونکہ اس جگہ سے چند انگریزوں نے مخفی گڑھا کھود کر پرانے تبرکات چرا لئے ہیں۔ جسکی یہاں بڑی شہرت ہے۔ گورنر معزول کیا گیا ہے اور شیخ الحرم قید ہے۔ مقدمہ کی تحقیقات جاری ہے تا اختتام تحقیق یہ مسجد مقفل ہوگئی۔

آثار قدس کی زیارت کر کے عیسائیوں کے گرجہ میں گئے۔ جہاں حضرت عیسیٰؑ کی قبر اور دیگر آثار ہیں۔ آج کی تاریخ میں سب سے زیادہ یہودیوں کا طریق زیارت تھا۔ یہ لوگ حرم کے اندر نہیں آتے۔ کیونکہ انکے عقیدہ کے موافق چونکہ تورات مسجد کے اندر دفن ہے۔ لہذا اندر آنے سے وہ پامال ہوگی۔ باہر ایک دیوار کو چمٹ چمٹ کر روتے ہیں۔ ان کا بیتابانہ دیوار کو چپٹنا۔ چومنا اور گریہ وزاری کرنا۔ دل میں نشتر مارتا تھا عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جو ان سب ہی تھے۔ کتابیں ہاتھ میں تھیں۔ دعائیں مانگتے جاتے تھے۔

عیسائیوں کے گرجہ کا دربان مسلمان ہے۔ کنجی اُسی کے پاس ہے۔ جناب عالی مع اپنی سفید ڈاڑھی کے مسند پر تکیہ لگائے نصاریٰ کے قبلہ گاہ بنے بیٹھے تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے آجتک اس گرجہ کی کنجی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ جب شام ہوتی ہے۔ کلید بردار پادریوں اور تمام زائرین کو دروازہ بند کرنے کی خبر دیتا ہے اور اُن کو باہر کر کے گرجا مقفل کر دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ خاص سفارش و کوشش سے اندر بھی رہ جاتے ہیں جن کو رات بھر اسلامی قفل کے سبب وہیں محبوس رہنا پڑتا ہے۔

عیسائیوں کا حج

عیسائیوں میں متعدد فرقے ہیں جو اپنے اپنے حساب سے قدس کے حج کو آتے ہیں

بیت المقدس کا بڑا گرجا جہاں حضرت عیسیٰ کی سولی دکھائی ہے
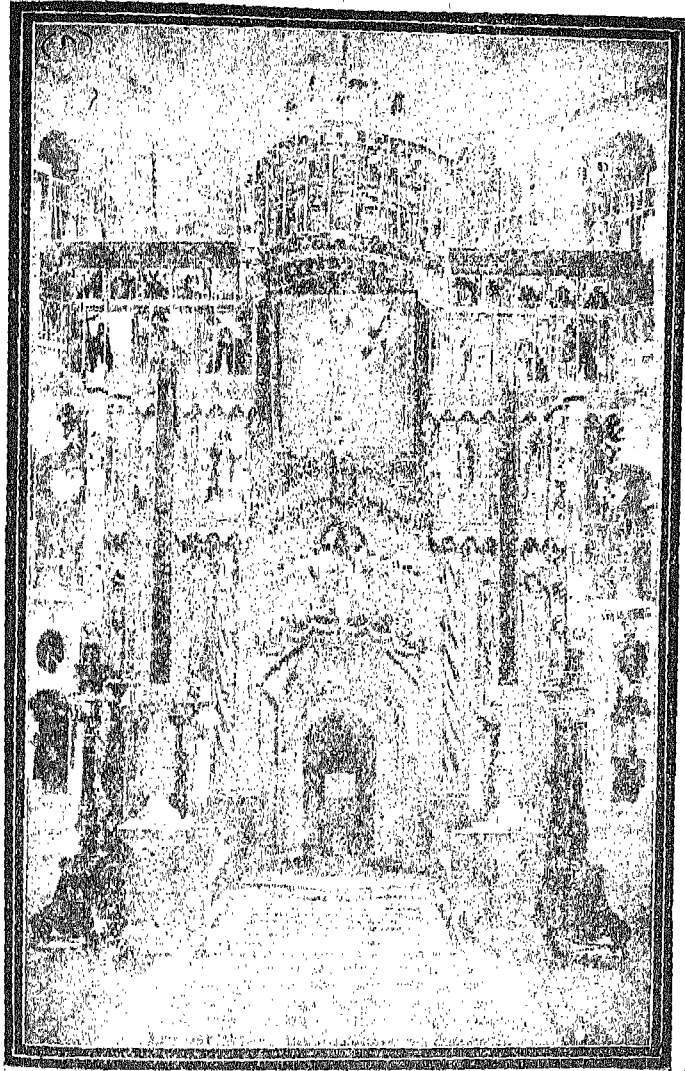
ان کا کوئی مقررہ و متفقہ دن نہیں ہے۔ رومی عیسائیوں کے حج میں مجمع زیادہ ہوتا ہے
شہر بیت المقدس میں اُسوقت جگہ نہیں رہتی۔ اس کثرت سے حجاج آتے ہیں۔
ان لوگوں کی مراسم عجیب ہیں۔ بعض فرقے محض اس شہر کی حاضری اور گرجے کے دفتر
میں نام لکھوا دینے کو حج سمجھتے ہیں۔ بعض کے ہاں کچھ اور رسمیں بھی ہوتی ہیں جنکا پورا
حال ابھی تک تحقیق نہیں ہوا۔ بعد میں تحقیق کر کے لکھا جائیگا۔ البتہ رومی عیسائیوں کا
حج عجیب ہے۔ یہ لوگ اس گرجے میں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں انکے خیال کے موافق حضرت
مسیح صلیب دے گئے۔ اور جہاں اُن کی قبر بھی ہے۔ وسط میں ایک بلند مقام ہے وہاں
کوئی آتشی مادہ رکھا جاتا ہے اور چھت کے اوپر سے گرجہ کے خدام ایک شمع خاص ترکیب
کے ساتھ آہستہ آہستہ اس آتشگیر مادہ پر لاتے ہیں۔ جونہی شمع قریب آئی وہ مادہ مشتعل
ہو جاتا ہے۔ جسکی شعاعیں قبروں کے چاروں طرف درخشاں ہونے لگتی ہیں۔ اسوقت
ایک پادری جسکو اس خدمت کے لئے ہزار اشرفیاں ملتی ہیں ایک بڑی شمع ہاتھ میں
لیکر دوڑتا ہے اور ان شعلوں سے شمع کو روشن کر لیتا ہے اور باہر مجمع میں لیکر آتا ہے۔
یہاں ہزاروں آدمی ہاتھوں میں شمعیں لئے کھڑے رہتے ہیں۔ وہ سب اس شمع سے
اپنی شمعیں روشن کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نورِ خدا ہمکو حاصل ہوا۔ اسکے بعد یہ پادری
شمع لئے ہوئے سیدھا حضرت مریم کے مزار پر جاتا ہے اور وہاں جاکر شمع کو خاموش
کر دیتا ہے۔ اور لوگ بھی اپنی شمعیں بجھا کر رکھدیتے ہیں۔ اور بطور تبرک گھر لیجاتے
ہیں۔ بس یہ ان لوگوں کا حج ہے ؎

بیت المقدس میں ہر قوم اور ہر مذہب کے جُداگانہ گرجے بنے ہوئے ہیں۔ ایک
فریق دوسرے کے گرجا میں نہیں جاتا لیکن اس بڑے گرجا میں جہاں حضرت مسیح
کو ان کے عقیدہ کے موافق صلیب ہوئی سب یکجہتی سے زیارت کو آتے ہیں۔ اس بڑے
گرجے میں جاؤ تو ہزاروں تصویریں نظر آئینگی۔ حضرت کی زندگی کو آخر وقت تک

مختلف پہلوؤں سے تصاویر میں دکھایا ہے۔ وسط میں صلیب پر کھچے ہوئے مسیح کی مورت ہے۔ جس کے آگے رات دن موٹی موٹی شمعیں روشن رہتی ہیں۔ اور ہزاروں عیسائی عورت مرد اسکے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ جہاں حضرت مسیح کی لاش کو غسل دیا گیا وہاں سیکڑوں عیسائی میرے سامنے آکر سجدہ کرتے تھے۔

رافضی انگریز

یہاں اکثر پادری اور بڑے بڑے قسیس انگریزوں کو رافضی کہتے ہیں۔ میں نے اسکا سبب پوچھا۔ بولے یہ لوگ ہماری اس مذہبی عقیدتمندی پر مضحکہ کرتے ہیں۔ سارے یورپ کی قومیں ان مراسم پر ایمان رکھتی ہیں۔ مگر انگریزوں کو اس سے انکار ہے۔ وہ آتے ہیں مگر بطریق سیر و سیاحت آتے ہیں۔ ان کے دل پتھر کے ہیں۔ ہم کو ان حالات میں دیکھکر ہنستے ہیں۔ اس گرجا میں ہر قوم اور ہر دولت کا کوئی نہ کوئی مخصوص مقام ضرور ہے۔ لیکن انگریزوں کا کوئی نہیں وہ اس جھگڑے کو نہیں پالتے۔

پادریوں کے نزدیک انگریز رافضی سہی۔ مگر میرے خیال میں انگریزوں کا یہ طرز عمل پسندیدہ ہے اور انکی ہوشمندی پر دلالت کرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نصاریٰ کے اس گروہ کو حاکم بنایا جو بت پرست نہیں ہے۔ جسکا دل توہمات کی نجاست سے پاک ہے۔

مرقد حضرت مسیح

اس گرجا کے ایک گوشہ میں سنگ مرمر کا چھوٹا سا حجرہ ہے جہاں دن کو تاریکی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بغیر شمع کی روشنی کے قدم نہیں اٹھ سکتا۔ ایک چھوٹی سی کھڑکی میں کبڑے ہوکر داخل ہوئے۔ وہاں ایک مختصر سے حجرے میں حضرت مسیح کی قبر ہے۔ قبر پر تعویذ نہیں ہے۔ مرمری چبوترے پر مرمر کی دو سلیں رکھی ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح یہاں تین دن دفن رہے۔ اور یہیں سے آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ یہاں بھی تصاویر مسیح

آویزاں ہیں۔ پادری نے کیوڑہ کا تبرک ہمارے ہاتھوں پر ڈالا۔ اور ہم نے اسکے کاسۂ گدائی میں چند سکّے ڈالدئے۔ اس گرجا کے حصّہ کو توڑ کر حضرت عمرؓ نے مسجد بنا دیا تھا جو ابتک آباد اور موجود ہے۔ یہیں گرجا کی ایک چھت پر معلم کے بیان کے موافق سلطان صلاح الدین نے کسی صوفی درویش کے لئے خانقاہ بنوائی جو ابتک اُن بزرگ کی نسل کے قبضہ میں ہے۔ عیسائی بیشمار دولت دیکر یہ مقام خریدنا چاہتے ہیں مگر درویش زادے اپنے آسن سے ملنا منظور نہیں کرتے۔

شام کو روسی گرجا کو دیکھنے گئے۔ بہت شاندار ہے۔ یہاں قاعدہ ہے ہر قوم کے گرجا میں عالیشان مسافرخانہ، شفاخانہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ تاکہ زائرین آرام پائیں۔ روسی گرجا کے راستہ میں ایک عالیشان قلعہ نظر آیا جسکی بنیادیں حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کی ہیں اور اوپر کا حصّہ سلطان سلیمان ترک نے بنایا ہے۔ بیت المقدس کی سڑکوں پر چھڑکاؤ نہ ہونے سے بڑی ویرانی اور وحشت ہے۔ پانی یہاں نایاب ہے۔ برف باری اور بارش کے زمانہ میں لوگ کنوئیں بھر لیتے ہیں اور وہی تمام سال کام میں لاتے ہیں۔ چھڑکاؤ کے لئے پانی کہاں سے آئے۔

۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

صبح ناشتہ کے بعد مسجد اقصیٰ میں حاضر ہوئے اور محراب حضرت زکریا علیہ السلام میں بیٹھکر یہ دعا پڑھی۔ اُسوقت بالکل تخلیہ تھا اور پروردگار کی نظر توجہ بھی ملتفت تھی۔

محراب حضرت زکریا علیہ السلام میں دُعاؔ[1]

دو زکریا کے رب! اپنے بندے کی ندا کو رحمت سے سننے والے خدا!! جب زکریا نے

---

[1] اس دُعا کے پڑھنے سے پہلے سورۂ مریم کا پہلا رکوع ناظرین دیکھ لیں جب اصل کیفیت ہوئے گی۔

اس محراب میں بیٹھکر تجھ سے کچھ مانگا۔ تو تیرے قول کے موافق چپکے سے مانگا۔ جسکو تو نے سن لیا۔ اور زکریا کے دامن مراد کو گوہر مقصود سے بھر دیا۔ بتا کہ میں ندائے خفی سے پکاروں یا صدائے جہر لگاؤں۔ زکریا عمر میں بوڑھے تھے۔ اور میں قویٰ کے اعتبار سے ضعیف ہوں۔ زکریا کو اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کی شکایت تھی اور مجکو اپنی قوم کے بانجھ ہو جانے کا شکوہ ہے یعنی اس سے نمو کی صفت مفقود ہو گئی ہے۔

زکریا ایک وارث کے آرزو مند تھے جو آل یعقوب کے ورثہ کو برقرار رکھے اور خاندان کا نام روشن کرے۔ زکریا اپنے دیگر قرابت داروں سے ڈرتے تھے کہ ولی حقدار کے نہ ہونے کے سبب کہیں وہ بزرگوں کے طریقہ کو برباد نہ کر دیں۔ میں بھی اے خداوند! وارث کا طلبگار ہوں جو اسلام کے ورثہ کو قائم رکھے اور بڑھائے۔ مجھکو بھی اپنے نا اہل اہل طریقت سے وہی ڈر ہے جو زکریا کو تھا۔ زکریا کو اپنی دعا کے مقبول ہونے کا یقین تھا۔ میرا بھی ایمان ہے کہ تو دعا کو رد نہیں کریگا۔ تو بس جلدی واردات غیب میں سے کچھ میرے دل پر وارد کر۔ میں زکریا کی مثل تیرے ظہور قدرت پر تعجب نہیں کرونگا۔ میں بھولے بھالے زمانہ کا آدمی نہیں ہوں جو خلاف عادت کسی بات کو دیکھکر حیرت زدہ ہو جاؤں۔ تیری کرشمہ سازیاں سنی ہیں، دیکھی ہیں۔ زکریا کو ایک فرزند کی بشارت دی۔ اس کا نام بھی خود ہی رکھا۔ میرے لیے کیا ارشاد ہے۔ معنوی فرزند کا متمنی ہوں۔ مگر نام تجھ سے نہیں رکھوا ؤنگا۔ تیرے مقبول پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کا رکھا ہوا نام مسلم کافی ہے۔

برکت والی زمین مقبول محراب۔ صاحب الاحترام مسجد سب آمین کہو۔ آج میں اپنے رب کا دامن نہیں چھوڑونگا۔ بیٹیا مانگتا ہوں بیٹی نہیں۔

روحانی، صلبی نہیں۔ قلبی۔ ایسا کہ دنیا میں میری خواہش کے موافق خوشی و راحت کو پھیلائے۔ یحییٰ کی طرح گریہ و زاری کرنے والا فرزند نہیں چاہتا۔ یحییٰ کی حالت اُس وقت کے لئے موزوں تھی۔ آج ہنس مکھ بشاش اولاد کی ضرورت ہے *

اے رب! اس محراب میں دعا کرنے والے زکریا کو کفار نے آرے سے چیر ڈالا اور تیری دی ہوئی نعمت یحییٰ کو خاک و خون میں ملا دیا۔ میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ دشمن سے زیر ہو کر مرنا گوارا نہیں۔ میرا فرزند میدانوں میں للکارنے والا ہو۔ توپوں کی گاڑیوں سے کھیلے۔ اور آتش بار گولوں کو اچھالتا پھرے۔ حرارتِ دین اُسکے دل کو گرمائے۔ رافت و ملت اسکی بات کو نرمائے حق سے شرماتا ہو۔ ناحق سے گھبراتا ہو۔ الحاد و دہریت کی کھال کھینچنے والا۔ جہل و توہم کی موت۔ تساہل و کاہلی کا پیامِ اجل۔ آگے بڑھنے والا اور بڑھانے والا۔ جاگنے اور جگانے والا۔ آمین *

یہ مجموعی دعا تھی۔ جس میں سب مسلمان شریک ہیں۔ کیونکہ جو بیٹا میں نے مانگا ہے وہ نبی نہیں ہے۔ میں سب مسلمانوں کا وارث مانگتا ہوں ایسا جو میرے جذبات کا وارث فرزند ہو۔ چاہے وہ ہندمیں پیدا ہو یا کسی اور ملک میں۔ سید کے ہاں ہو یا کسی اور قوم کے ہاں اس سے بحث نہیں۔ مسلم ہونا چاہیئے۔ اسکے بعد دنیا کے قاعدہ کے موافق دوستوں کے لئے اولاد کی التجا پیش کرتا ہوں *

قدرت والے، طاقت والے خدا! خالی گودوں کو جیتی جاگتی نیک صالح اولاد سے بھردے اور اپنے اس بندۂ عاجز کی دعا کو مقبول فرما بطفیل اس عزت دار جگہ کے بطفیل حضرت زکریا و جمیع پیغمبران حق کے بطفیل تقدس اس محراب بزرگ کے محروم نہ رکھ آمین *

آج عبدالقادر صاحب نگینوی نے اپنے ہاتھ سے چٹ پٹا کھانا پکایا۔ اور ہم سب نے

سیر ہو کر کھایا۔ شام کو شیخ التکیہ کے ہمراہ دوبارہ حرم میں گئے۔ اور تمام اماکن کو تفصیل سے دیکھا۔ شیخ کو یہاں کی معلومات تاریخی حیثیت سے بہت اچھی ہے۔ خدام حرم تو یوں ہی گوئے لڑکا یا کرتے ہیں ÷

۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج قدس کے قاضی صاحب نے جن کو ضلع کا ڈسٹرکٹ جج سمجھنا چاہیئے ملاقات کا وقت دیا تھا۔ دس بجے ملاقات ہوئی۔ ساٹھ برس کے قریب عمر ہے۔ ذی علم اور متقی ہیں۔ علما و مشائخ ہند کی بابت بہت سے سوال کیئے۔ تصویر کے یعنی فوٹوگراف کے مسئلہ میں ہم نے اُن سے دیر تک حجت کی۔ اُن کو اس مسئلہ میں پرانے خیال کا ہندی عالم پایا گیا۔ چاند کی تار خبر پر بھی گفتگو ہوئی۔ اُنکی رائے میں اگر تار کا محکمہ معتبر ہاتھوں میں ہو تو خبر پر اعتبار کرنا چاہیئے۔ اختلاف مطالع اُنکے نزدیک قبول خبر سے مانع نہیں ÷

قاضی صاحب کی عدالت میں چاروں طرف آیات قرآن شریف جن سے فیصلہ کرنے والے کے دل پر اثر پڑے لکھی ہوئی آویزاں ہیں ÷

مثلاً ایک طرف لکھا ہے فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى یعنی لوگوں کا فیصلہ حق اور انصاف کے ساتھ کر جس میں ذاتی کدورت و تعلقات کا دخل نہو ÷

دوسری طرف ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم کو معاملات کی حقیقت کا علم نہو تو واقف کار لوگوں سے دریافت کرو ÷

الغرض چاروں طرف اسی قسم کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ قاضی صاحب اپنے منصب قضا کے علاوہ آجکل گورنری کا کام بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ گورنر سابق معزول ہو گیا ہے۔ اور ابتک دوسرا گورنر نہیں آیا۔ قاضی ترک ہیں۔ مگر عربی فارسی آسانی سے بول لیتے ہیں۔ قاضی صاحب سے رخصت ہو کر جمعہ کی نماز کیلئے مسجد میں آئے۔ خلقت جوق جوق آرہی تھی ÷

بیت المقدس میں حضرت عمر کا منبر
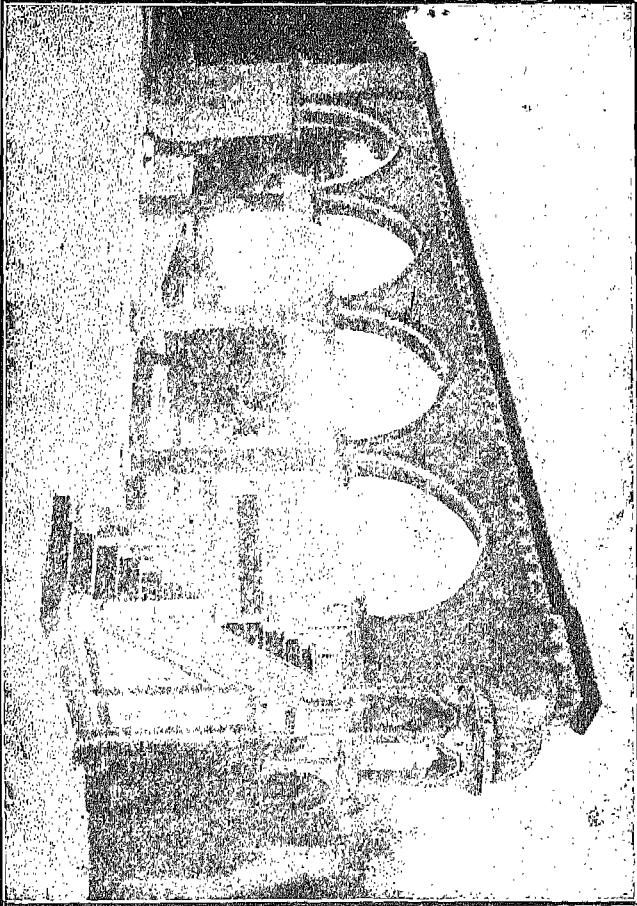
مسجد اقصیٰ کا جمعہ

ہم چونکہ وقت سے پہلے گئے تھے منبر کے پاس جگہ مل گئی۔ بعد میں دیکھا کہ دور دور تک کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ نماز سے پہلے مختلف قاری قرآن شریف پڑھتے رہتے ہیں انکے لئے مسجد میں ممتاز جگہ بنی ہوئی ہیں۔ ایسا ہی مسجد کے بلند منارہ پر نماز سے پہلے ایک قاری زور سے تلاوت کرتا ہے۔ اور نعت بھی پڑھتا جاتا ہے جسکی صدا دور دور جاتی ہے۔ یہ طریقہ مجکو بہت مؤثر معلوم ہوا کہ کلامِ خدا اور ذکرِ رسول کی صدا ان تمام گرجاؤں پر چھا جاتی ہے جو قدس کے چاروں طرف واقع ہیں۔

منبر پر خطبہ کے وقت دو علم نصب کئے جاتے ہیں جنکے پھریروں پر کلمۂ طیبہ سنہری حرفوں میں کڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خطیب صاحب شاندار تاج نما عمامہ باندھکر اور سبز جبہ پہنکر آہستہ آہستہ منبر پر جاتے ہیں اور خطبہ پڑھتے ہیں۔ خطبہ گو حسبِ معمول عربی زبان میں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ سامعین اور خطیب سب کی زبان عربی ہے لہذا خطیب نہایت پُر زور اور پُر اثر انداز سے اسکو ادا کرتا ہے۔ خطبہ میں ایک بات اس قابل دیکھی گئی جسکی تقلید ہندوستان میں ضرور ہونی چاہیئے۔ اور تمام محب الفقرا مسلمانوں کو اسپر غور کرکے رواج دینا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہاں

خطبہ میں حضرت غوث الاعظمؓ

اور حضرت سید احمد بدوی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں حضرت معین چشتی رح اجمیری کا نام نامی ہونا چاہیئے۔

نماز کا سلام پھیرتے ہی مؤذن نے آواز دی کہ فلاں مقام پر فلاں شخص مرگیا ہے اُسکے واسطے غائبانہ نماز جنازہ ہوتی چاہیئے۔ یہ سُنتے ہی امام صاحب نے وہیں محراب میں کھڑے ہوکر نیت باندھ لی۔ اور سب نمازی بھی شریک اقتدا ہوگئے۔ یہ قاعدہ

بھی قابل ترویج ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ کا دستور ہم لوگوں سے بالکل اُٹھ گیا ہے ؀

جمعہ کے بعد اُن مقامات کو دیکھا جہاں عیسائی عقائد کے بموجب حضرت مسیحؑ کو یہودیوں نے سخت عذابات دیئے تھے۔ یہ متعدد جگہ ہیں مثلاً ایک مقام پر حضرت گرفتار ہوئے وہاں مکان بنا دیا گیا جسکے اندر واقعہ کی ایک مجسم تصویر بنی ہوئی ہے۔ رومیوں کے سپاہی کھڑے ہیں اور حضرت کو گرفتار کر رہے ہیں۔ اسی جگہ آپ کے کندھے پر صلیب رکھکر دھکے دیدے کر چلایا جا رہا ہے اور آپ کرتہ کے دامنوں سے اُلجھ کر اور صلیب کے ناقابل برداشت بوجھ کے سبب گرے پڑتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت مریمؑ تشریف رکھتی ہیں اور مسیحؑ کو اُن کے سامنے اس طرح پابہ زنجیر کندھے پر صلیب رکھے ہوئے پیش کیا گیا ہے کہ رونا آتا ہے حضرت مریمؑ بیکسی سے فرزند کی یہ حالت دیکھ کر غمگین ہیں۔ اور مسیحؑ کے چہرہ پر خون کی بوندیں سر سے ٹپک رہی ہیں۔ کیونکہ ظالموں نے انکو کانٹوں کا تاج پہنایا ہے۔ الغرض اسی قسم کے متعدد مکانات ہیں جنپر نمبر لگے ہوئے ہیں کہ عذاب کی پہلی جگہ۔ دوسری جگہ وغیرہ۔ اسی طرح منزل بمنزل صلیب گاہ تک چلے جاتے ہیں ؀

آجکل ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی وہ اصل محبس دریافت ہوا ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو قید رکھا گیا تھا۔ یہ مقام ہمارے تکیہ کے قریب پہاڑ میں نکلا ہے۔ کھدائی اور صفائی کا کام جاری ہے۔ پہاڑ کے اندر عجیب وغریب طریقوں سے کھود کر مکان بنائے گئے ہیں۔ انکے اندر جاؤ تو حمام کی سی بو آتی ہے۔ بہت سے ہیر پھیر کے بعد ہم اُس مقام پر پہنچے جہاں حضرت مقید تھے۔ یہ پہاڑ میں ایک بنچ بنایا ہے جسکے وسط میں دو سوراخ ہیں۔ قیدی کو اُس بنچ پر بٹھا کر دونوں پاؤں اِن سوراخوں میں ڈال کر نیچے قلابہ میں بیڑیاں مقفل کر دیتے تھے۔ چنانچہ سوراخوں کے نیچے آہنی قلابوں کا نشان اب بھی موجود ہے۔ مجھپر اس جگہ کا بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ قدس میں عیسائی یادگاروں میں یہی ایک ایسی یادگار ہے جسکی اصلی صورت موجود ہے۔ اور عیسائی عقیدہ کے بموجب کہہ سکتے

حضرت ابراھیم - حضرت یعقوب - حضرت اسحاق - حضرت یوسف علیہم السلام کے مزارات
واقع بیت المقدس

ہیں کہ یہاں خاص اس پتھر پر حضرت مسیحؑ نے تشریف رکھی۔ یہ غار بہت چھوٹا سا ہے بمشکل پانچ چھ آدمی سما سکتے ہیں۔ بارہ تیرہ زینے طے کر کے اور نیچے گئے تو دیکھا کہ صفائی ہو رہی ہے۔ وہاں مُردوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں مٹی سے نکلی ہوئی ہم نے بھی دیکھیں غالباً یہاں بیچارے قیدیوں کو بند کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ گھُٹ گھُٹ کر مر جاتے تھے۔

آج شام کو ابراہیم حسن آفندی نے اپنے مکان پر کھانے کے لئے مدعو کیا۔ آجکل یہ شیخ الحرم مقرر ہوئے ہیں۔ سیر چشم اور بے طمع ہیں۔ خدام قدس کی اصلاح مدنظر ہے رات کے ۱۰ بجے ان کے ہاں سے فراغت ہوئی۔

۸۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

رات سے انتظام ہو چکا تھا۔ صبح حوائج سے فارغ ہو کر مقام خلیل الرحمٰن کو روانہ ہوئے۔ جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت اسحاقؑ جیسے جلیل القدر نبی مدفون ہیں۔ یہ جگہ قدس سے ۲۳ میل ہے۔ ۵ گھنٹہ میں بگھی پہنچتی ہے۔ بگھی میں چار آدمی کی گنجائش ہوتی ہے۔ کرایہ ہمیشہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ۲۵ روپے اور کم سے کم دس بارہ روپے۔ ہم نے ایک گنی یعنی ۱۵ روپے مع کوچبین کے انعام کے کرایہ دیا۔ رہبری کے لئے ہندی تکیہ کے شیخ عبدالقادر صاحب ہمراہ تھے۔ بگھی جس میں تین گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ راستہ میں صرف ایک جگہ ٹھیری۔ بڑے مضبوط گھوڑے ہیں۔ آمد و رفت ۴۶ میل کا سفر۔ پہاڑی راستہ جسکے نشیب و فراز کی کوئی حد نہیں۔ انہی گھوڑوں کا کام ہے جو برداشت کرتے ہیں اور پتھریلی سڑک پر سرپٹ اُڑتے چلے جاتے ہیں۔

دوپہر کے قریب قصبہ خلیل الرحمٰن میں پہنچے۔ اوّل کھانا کھایا۔ اسکے بعد زیارت کو گئے۔ پہلے دروازہ کے پاس حضرت سلیمانؑ کی بنائی ہوئی دیوار ہے جسکی نسبت

کہتے ہیں کہ جنات نے بنائی تھی۔ بہت مستحکم ہے۔ ایک ایک پتھر پانچ پانچ اور چھ چھ گز کا لمبا چوڑا ہے۔ معلوم نہیں کس کاریگری سے اُن کو پیوست کیا ہے کہ آجتک جوڑ نظر نہیں آتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا مزار بہت بلند اور شاندار ہے۔ تقریباً ۳ گز بلند اور اسی کے قریب طویل و عریض ہوگا۔ مزار پر آیات کلام مجید سے کڑھا ہوا غلاف چڑھا رہتا ہے۔ جیسا کہ یہاں سب جگہ دستور ہے۔ مزار کے قریب زائرین نہیں جا سکتے چاندی کے جنگلہ کے باہر جو مقفل رہتا ہے۔ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ حضرت کے مزار کے سرہانے دوسرے علیحدہ حجرہ میں آپ کی اہلیہ بی بی سارہ کا مزار ہے۔ دوسری طرف حضرت یعقوبؑ اور اُن کی اہلیہ بی بی رفقہ کے روضے ہیں۔ مسجد کے اندر محراب کے پاس حضرت اسحٰق اور اُن کی اہلیہ بی بی لائقہ کے مرقد ہیں۔ یہاں کتبے کثرت سے ہیں مگر ترکی رسم خط کے سبب پڑھے نہیں جاتے۔ سلطان محمد ابن قلاؤن کے کتبے زیادہ ہیں۔ جن پر ۷۸۲ھ کندہ ہے۔ حضرت سارہ کے مزار پر سلطان عبدالحمید معزول شاہ ترکی کا کتبہ ہے جس پر ۱۳۱۳ھ کندہ ہے۔ یہاں کے مجاور و خدام کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ زائر کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کوئی جگہ ان خرابیوں سے پاک نہیں لیکن یہ مقام تو سب سے بڑھا ہوا ہے۔ مجھکو اطمینان سے لکھنا تو کجا عرض معروض اور دعا دوبھر ہوگئی۔ تاہم کچھ عرض کیا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

افسوس حضرت یوسفؑ کا حجرہ مقفل تھا۔ مجاور صاحب باغ کی سیر کو گئے ہوئے تھے اسلئے مجبوراً دروازہ کے روزن سے زیارت کر لی۔ مگر اس تانک جھانک کی زیارت نے بڑا لطف دیا۔ گویا یہ یوسفی معجزہ تھا۔ جس نے عاشقانہ اضطراب کو معشوقانہ روک ٹوک سے نوازا۔

حضرت یوسف بادشاہ مصر

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے عرض

یا جدّا لکل! گورے، کالے، عیسائی، موسائی، مسلمان، سب کے دادا جان میں تم پر قربان۔ جن ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو دیکھ کر آپ نے فراست نبوت سے خدا کو پہچانا تھا۔ اُن سے بڑھ کر آج کل سائنس کے آفتاب و ماہتاب درخشانی دکھا رہے ہیں۔ اور آپ کے دین حنیف کے مقلد نبوی فراست کے موجود نہ ہونے کے سبب گمراہ ہوئے جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ برق، یہ بھاپ، یہ طاقتیں، بس یہی خدا ہیں۔ آپ نے سورج چاند کو غروب ہوتے دیکھا اور اُس سے نتیجہ نکالا کہ ڈھلنے اور زوال ہونے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ مگر آجکل ان ہستیوں کے زوال کو اور بے اختیاری کو دیکھنے کے باوجود عقائد کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اے مقدس باپ! اب نبوتی تجلّی کے بغیر کام نہیں چلیگا۔ پروردگار سے کہئے کہ وہ لمعات رسالت محمدیہ سے کوئی چمکار اجلدی ظاہر کرے اور آپکے اس دین کو محفوظ فرمائے جسمیں صرف رسم ختنہ اور قربانی باقی رہ گئی ہے۔ جن کو شعائر اسلام میں اوّل درجہ سمجھا جاتا ہے۔ باقی خیر سلّا ہے۔ غضب ہے کہ اسلامی رجسٹری کے لفافہ پر ابراہیمی مُہریں سالم ہیں۔ لیکن اندر کے قیمتی نوٹ غیر محسوس کمال سے چوری ہو گئے۔ محض مکتوب الیہ کی فریاد سے کام نہیں چلتا۔ بھیجنے والے کو بھی ہیڈ پوسٹ آفس میں درخواست دینی چاہئے کہ یہ چوری برآمد کیجائے۔ لہذا سمندروں، صحراؤں، اونچے اونچے پہاڑوں کو طے کر کے آپ تک پہنچا ہوں۔

اس کے بعد حسب معمول احباب اور اہل حلقہ کے حصول مقاصد کی دعا کی اور حضرت

یوسف علیہ السلام کے مزار پاک کے دروازے پر آئے۔ وہاں دل کی جو کیفیت تھی اور جس قسم کے جذبات کا ہجوم تھا اور جو کچھ وہاں بیتابانہ زبان سے نکلا۔ اُس کا یاد رہنا اور قلمبند کرنا مشکل ہے۔ تاہم چند الفاظ اپنی کھٹک کے باعث ذہن میں رہ گئے ہیں اُن کو لکھے دیتا ہوں ؎

(یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ) دروازہ کیوں بند کیا ہے۔ صورت دیکھنے دیجئے مطمئن رہیئے۔ مصری عورتوں کی طرح چُھری سے ہاتھ نہ کٹینگے۔ جلوۂ احمدی نے جمال بینی کا عادی کر دیا ہے۔ میرے اچھے یوسف! تم سے کیونکر ہمکلام ہوں جی چاہتا ہے کہ بے باک ہو کر، گستاخ ہو کر، از خود رفتہ کیف میں، مجنونانہ جوش سے خطاب ہو۔ مگر پیغمبری داب مانع ہے۔ ادب نبوت روکتا ہے۔ نہیں نہیں۔ اے عشاق کے مرکز تسلی! آج جو مُنہ میں آئیگا۔ کہونگا۔ نہیں مانونگا۔ کہنے دو۔ اس ظاہری ضوابط کی پولس کو ذرا پرے ہٹا دو۔ جو ادب ادب کی برابر صدا لگا رہی ہے ؎

تم یوسف ہو؟ زلیخا کے ترسانے والے۔ یعقوب کو رُلانے والے۔ بتاؤ جی کیا تم ہی مصری محبت کے دیوتا ہو؟ اس زمین پر کڑوڑوں ماہ لقا مہر حقیقت کی تجلیوں سے آراستہ ہو کر آئے۔ پر تمہارے حُسن کے آگے سب ماند رہے۔ جب سُنا یہی سُنا کہ فلاں مثل یوسف ہے ؎

تمہاری ذات فلسفۂ عشق کا نہایت باریک نکتہ ہے۔ جو انسان کو قدرت و فطرت کے اسرار کی جانب لے جاتا ہے اور بتاتا ہے کہ جنس بشر میں مرد کی نوع محبوب بننے کے قابل ہے۔ عورت کے ساتھ جس قسم کا میلان مرد کے دل میں پیدا کیا گیا ہے اُسکی حد تناسل کی ضرورت تک محدود ہے ورنہ عورت کی محبت کو اس ملکوتی بلکہ ربانی جذبہ سے کوئی تعلق نہیں جو مرد

کی ہستی میں مرکوز ہے۔ تم جس زمانہ میں تھے وہ عقلا اور فلاسفروں کا عہد تھا۔ آجکل کی سی کیفیت اُسوقت کے عقلا کی نہ تھی جو عورت کو درجۂ محبوبیت کا مستحق تصور کرتے۔ محض اسلئے کہ اُن کے تخیل نے محبت کا منتہا و لولۂ نفسانی کی تکمیل کو سمجھا ہے ؛

مشتاقوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والے یوسف! ہندوستانی یوسف کا حال تم سے مخفی نہ ہوگا۔ اُس کا نام کرشن تھا متھرا و گوکل کی روحوں میں پریم و محبت کی آگ بھڑکانے والا۔ ایسا فلسفی جسکے آگے سارے یورپ کے فلاسفر مات ہیں۔ اسنے بھی اپنی ذات کو دنیا کے سامنے مجسم دلیل بناکر پیش کیا کہ اسرارِ عشق کا مخزن مرد کی ذات ہے۔ چنانچہ تمام ہندوستان نے اس خیال کے آگے سر جھکایا اور ہاں ایران بھی آجتک ادھر جھکا ہوا ہے۔ میں شاہِ مصر، مقبول پروردگار پیغمبر، یعقوب جیسے برگزیدہ رسول کے لختِ جگر کو تم کہکر مخاطب کرتا ہوں۔ اتنی بڑی گستاخی نہیں گستاخی نہیں شوقیہ معروضات میں اسکو جائز بتایا گیا ہے ؛

ہاں ہاں۔ خواب کی تعبیر بتانے میں جناب الاقدس کو خوب ملکہ تھا فرمائیے تو اس دُنیا کے خواب کی کیا تعبیر ہے۔ جہاں کے متحرک نظاروں نے میری نیند برباد کردی۔ خدا سے کہئے کہ میرا یوسف مجھکو ملجائے ورنہ بازارِ وحدت کی کثرتیِ اجناس کا راز فاش کردوں گا اور کسی گاہک کو ادھر نہ آنے دونگا ؛

حضرت من! آپ کے مزارِ اقدس کا۔ آپ کی روح مطہر کا وسیلہ لیکر رب العالمین سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں کہ جو باعتبار اسم ایک ہے وہ باعتبار صفات بھی میرا ہوکر ایک ہو جائے ؛

ظہر کی نماز پڑھ کے روانہ ہوئے اور پانچ بجے کے بعد بیت اللحم میں پہنچے۔ یہ مقام قدس سے چھ میل کے فاصلے پر خلیل الرحمٰن کے راستہ میں واقع ہے۔ یہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے۔ اسکو بیت اللحم کہتے ہیں۔ نصاریٰ کی بہت بڑی بستی ہے۔ بڑے گرجا کے سامنے پہنچتے ہی ایک ترک لشکری نے ہم کو روکا اور پوچھا آپ ہندی ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ تمہارا اس سوال سے کیا مقصد ہے۔ بولا میں پورے تین گھنٹہ سے آپ کا منتظر ہوں۔ ہمارے افسر جلی رضا آفندی مجکو یہاں اسلئے کھڑا کیا ہے کہ جب آپ آئیں تو پہلے اُن کے پاس لیجاؤں۔ شیخ عبدالقادر مدراسی نے کہا وقت کم ہے۔ بیت اللحم کی سیر کر کے اُن سے ملینگے۔ سپاہی دوڑا ہوا بالاخانے پر خبر دینے گیا۔ وہاں سے ایک اور افسر نیچے آیا اور ہمارے ساتھ ہولیا۔ بیت اللحم کا دروازہ باہر کے رُخ سے اسقدر پست ہے کہ جھک کر جانا پڑتا ہے۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اندر ایسی عالیشان عمارت ہوگی۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک پورے فوجی مجمع نے دست بستہ ہماری سلامی دی۔ اور نہایت سلیقہ سے ساتھ ہولیا۔ اس فوجی شان کے ساتھ ہمارا داخلہ گرجا کے پادریوں کو عجیب معلوم ہوا۔ اور وہ چاروں طرف سے جمع ہوکر آ گئے اور ہم کو دیکھنے لگے۔

بیت اللحم کا گرجا اندر سے بہت شاندار اور بہت پرانا ہے قسطنطین کا بنایا ہوا ہے چھت نہایت بلند اور ایک ڈال کے سنگین ست گزے ستونوں پر قائم ہے۔ دیواروں پر سنہری گلکاریاں تھیں۔ جن میں نفیس رنگ بھرے ہوئے تھے۔ اب وہ سب جھڑ گیا ہے تاہم جہاں کہیں باقی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے تھال میں موتی جڑے ہوئے ہیں۔

جس مقام پر حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے پہاڑ کی محراب سی ہے جسکو زرتار کپڑوں سے منڈھ رکھا ہے۔ وسط میں حضرت مریمؑ کی تصویر ہے۔ جو بچہ کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ اس جگہ کے قریب چند زینے اُتر کر وہ مقام ہے جہاں حضرت مریمؑ کو دروزہ شروع ہوا تھا

جسکا ذکر قرآن شریف نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے نیچے مریمؑ کے دردِ زہ شروع ہوا۔ اب وہ درخت تو باقی نہیں ہے لیکن سنگِ مرمر کے فرش میں ایک سوراخ اسکی یادگار میں باقی رکھا گیا ہے۔

یہاں مختلف اقوام و مختلف عقائد کے گرجا پاس پاس بنے ہوئے ہیں۔ ان میں رومیوں کا گرجا چوبی نقش و نگار کے اعتبار سے بہت ہی نفیس ہے۔

معلوم ہوا کہ عیسائی اقوام میں مذہبی اختلافات کے سبب ہمارے شیعہ سُنّی سے بڑھکر عداوت ہے۔ یہاں ہر وقت کشت و خون کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسلئے ترکی حکومت ایک معقول فوجی پہرہ رات دن قائم رکھتی ہے۔ بتایا گیا کہ میلہ کے ایام میں حکومت کو شب و روز سخت نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ اسپر بھی کوئی سال جنگ و جدل سے خالی نہیں جاتا جو سال خیر کے ساتھ گزر جائے ترکی افسر استنبول کو مبارکباد کا تار بھیجتے ہیں۔

ابھی حال میں گرجا کے اندر مرمت کی ضرورت ہوئی ہر قوم کہتی تھی کہ مرمت کرانے کا میرا حق ہے۔ آخر نوبت کشت و خون کی پہنچی تو حکومت نے اپنے پاس سے مرمت کرادی۔

ہمارے ہندوستانیوں کی جہالت پر انگریز ہنسا کرتے ہیں کہ وہ محرم، عید میں خواہ مخواہ فساد کرکے حکومت کو اذیت دیتے ہیں لیکن بیت المقدس میں ان کی جاہل برادری کی حالت ہندیوں سے بھی گئی گزری ہے۔ آئندہ ہنسنا چھوڑ دیں۔

واپسی کے وقت علی رضا آفندی کے پاس گئے۔ بہت احترام سے پیش آئے۔ معلوم ہوا کہ کل کسی کی زبانی اُنھوں نے سُنا تھا کہ آج سہ پہر کو میں بیت اللحم آؤں گا۔ اسلئے اُن کو انتظار تھا۔ فوجی جمعیت کا ساتھ کرنا بھی انھیں کے حکم سے تھا جسکو یہ لوگ ایک طرح کی بڑی شاندار مدارات سمجھتے ہیں۔

علی رضا چہل سالہ اور بہت واقف کار شخص ہے۔ آغا خانی عقائد کے متعلق دیر تک

گفتگو کرتا رہا۔ اسکو عالمگیر اسلامی اتحاد کا بہت خیال ہے۔ میں نے اپنے خیالات آزادی سے ظاہر کئے۔ کیونکہ اب میں عربی صفائی سے بول لیتا ہوں۔ قدس میں مصر کی طرح بگڑی ہوئی زبان نہیں ہے۔ علی رضا نے دانستہ سلسلہ کلام کو منقطع کر دیا اور میں حیران ہوا کہ وہ کس مصلحت سے ان باتوں سے گریز کرتا ہے۔ یہاں سب ترکی ٹوپی والے مسلمان ہیں۔ علی رضا نے خواہش کی کہ پرسوں رات کو ہماری انجمن اتحاد و ترقی میں آئیے۔ تاکہ سب ممبروں سے آپ کی ملاقات کراؤں۔ چلتے وقت باہر زینے تک ساتھ آیا اور چپکے سے کان میں کہا کہ حاضرین میں سوائے تین چار کے سب نصاریٰ تھے۔ اسلئے میں نے اس دینی و قومی ذکر کو ٹال دیا۔ پرسوں خدا نے چاہا تو آپ سے مفصل باتیں ہوں گی"

قریب مغرب قدس پہنچے مگر اسقدر تھکے ہوئے تھے کہ خدا کی پناہ۔ نماز پڑھ کر کھانا کھایا۔ اور سونے کی تیاری کی۔ اتنے میں شیخ ابراہیم عبد القادر آفندی آئے اور خبر دی کہ دہلی کے کچھ لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جو صبح ہی چلے جائینگے۔ آپ ملنا چاہیں تو اب چلکر مل لیں۔ تکان کے سبب ایک قدم چلنے کی ہمت نہ تھی۔ مگر دہلی کے نام نے جرأت پیدا کر دی۔ گیا۔ دیکھا کہ حاجی علی جان والوں میں محمد شفیع نامی کوئی صاحب تھے۔ مکّہ مکرمہ میں رہتے ہیں۔ استنبول سے آئے ہیں۔ مدینہ تشریف لیجائینگے۔ محمد شفیع صاحب نے دو دو پان پے در پے کھلائے اور پورے ڈیڑھ مہینے کے بعد پان کھا کر میرا جی بہت ہی خوش ہوا:۔

رات کو نیند اچھی طرح نہ آئی۔ بڑی بے چینی رہی اور عبد القادر نگینوی بیچارے تو آتے ہی بخار میں مبتلا ہو کر پچھڑ گئے:۔

۹- جولائی ۱۱ ۱۹ء

جسم میں بڑی دُکھن ہے۔ کل کے سفر نے کئی دن کے لئے بیکار کر دیا۔ عبد القادر

ہنوز بیمار ہیں۔ دوپہر کو شیخ ابراہیم حسن آفندی شیخ الحرم نے حرم میں بلایا۔ طاقت تو نہ تھی۔ مجبوراً گیا۔ دیکھا کہ بیچارے ذوق محبت میں فوٹو کا کیمرہ لئے بیٹھے ہیں اور خاص حرم کے اندر میری تصویر لینی چاہتے ہیں۔ چنانچہ متعدد تصویریں لیں۔ ایک قبۃ الرسول کے پاس کھڑا کر کے جہاں سے ہمارے حضور صلعم معراج کو تشریف لیگئے تھے۔ تخت رب العالمین یعنی صخرہ شریف کے قبہ کے پاس ایک محراب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں کھڑا کر کے۔ ایک مسجد اقصیٰ کے ممبر کے پاس۔ غرض آفندی صاحب کی مخلصانہ نوازش کے سبب تمام حرم کا گشت لگانا پڑا۔ آپ کو اس مسافر کے ساتھ بے غرضانہ محبّت ہوگئی ہے۔ روزانہ اصرار ہوتا ہے کہ میرے مکان پر چلکر رہو۔ بہت ہی خلیق اور مسافر نواز ہیں۔

واپس آیا تو ہند کی ڈاک آگئی۔ پڑھکر کھانا کھایا۔ اور سوگیا۔ سارا دن طبیعت خراب رہی۔

۱۰- جولائی ۱۹۱۱ء

آج صبح کتب خانہ خالدیہ دیکھنے گئے۔ موسیٰ شفیق الخالدی مدیر نے سیر کرائی۔ چار ہزار نایاب کتابیں ہیں۔ قلمی سرمایہ زیادہ ہے۔ یہ لوگ حضرت خالد بن الولید مجاہد سیف اللہ کی نسل میں ہیں۔ موسیٰ شفیق آفندی کا چہرہ بڑا شوکت دار ہے۔ ساٹھ برس کا سن۔ مگر شیر کا سا کلہ جبڑہ۔ سرخ۔ آنکھیں جوشیلی، چمکدار، اُبلی پڑتی ہیں۔ یہاں جناب مولانا خلیل جواد الخالدی قاضی القضاۃ دیار بکر سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آج تک ایسا زیرک فاضل عربوں میں کوئی نہیں دیکھا۔ علوم دین و دنیا پر کافی عبور رہے۔ اسپر واقفیت کی یہ کیفیت کہ ہندوؤں اور آغا خانی مذہب تک سے آگاہ۔ ہندوستانی حالات اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک گھنٹہ گفتگو رہی۔ اور بہت سی مفید معلومات دیکر ختم ہوئی۔

موسیٰ شفیق آفندی نے چند نفیس کتابیں حلقہ کے لئے ہدیہ دیں واپس آکر لکھنے

پڑھتے رہے۔ شام کو شیخ ابراہیم عبدالقادر کے ہمراہ انجمن اتحاد و ترقی کے جلسہ میں گئے یہ وہی مشہور انجمن ہے جسنے سلطان عبدالحمید کو تخت سے اُتارا۔ آج انجمن کا غیرمعمولی جلسہ تھا۔ استنبول سے تین سو آدمی کی ایک جماعت قدس میں آنے والی ہے جسکا مقصد ترکوں اور عربوں میں صلح کرانے کا ہے۔ اس گروہ کے استقبال کی تجاویز سوچنے کے لئے یہ جلسہ کیا گیا تھا۔ مجھکو بھی ممبران انجمن نے مخصوص دعوت بھیجی۔ اور جب وہاں گیا تو ترکی و اسلامی اخلاق کے موافق پرخروش استقبال کیا۔

جلسہ میں یہودی، نصرانی اور ترک ممبر سب موجود تھے۔ مگر عرب کوئی نہ آیا۔ کیونکہ عرب ترکوں سے ناراض ہیں اور اس مصلح جماعت کی مہمانی پر آمادہ نہیں ہیں۔ ایک فوجی نوجوان افسر صدر بنایا گیا جسنے ترکی زبان میں نہایت متانت اور شگفتگی سے تقریر کی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک انگریز سولیین بول رہا ہے۔ صدر کی تقریر پر ایک ربّی عیسائی نے نہایت بے باکی اور شوخ چشمی سے جرح کی۔ جسکا جواب سکرٹری جلال بے نے ملائمت کے ساتھ دیا جسکو ربّی نے بخندہ پیشانی تسلیم کیا۔ اسکے بعد مختلف ممبروں نے تقریریں کیں جنکا اسلوب سنجیدہ اور پسندیدہ تھا۔ مگر افسوس کہ عرب ممبروں کی غیرموجودگی کے سبب فیصلہ نہو سکا۔ اور جمعرات کو دوبارہ انعقاد جلسہ کا اعلان کیا گیا۔

آجکل تمام اہل عرب میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ ترکی پارلیمنٹ عربوں کو پست کرنا اور نسل ترک کو فروغ دینا چاہتی ہے۔ اسلئے وہ ترکوں کے برخلاف مشتعل ہو رہے ہیں۔ دس بجے کے بعد واپس آئے اور سو گئے۔ نیند صاف آئی۔

صبح سے طبیعت نہایت مضمحل اور افسردہ ہے۔ نیند چلی آتی ہے۔ گیارہ بجے تک بستر سے نہ اٹھا گیا۔ ۱۲ بجے تکیہ کے قریب مدرسہ روضۃ المعارف کو دیکھنے گئے۔ یہ جناب

شیخ محمد الصالح آفندی نے خانگی طریق سے قائم کیا ہے۔ جسمیں تین سو بیس لڑکے آجکل زیر تعلیم ہیں۔ دینیات اور تمام ضروری علوم جدیدہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ شیخ موصوف عجیب قابلیت کا شخص ہے۔ میرا خیال تھا کہ قدس میں کوئی آدمی اہل دین میں میرا ہمخیال نہیں۔ مگر یہ تو بغل ہی سے نکل آیا۔ آریہ درویشوں کے پیشوا لالہ منشی رام کا ہمشکل ہے۔ مگر وہ کالے ہیں اور یہ گورا۔ مدرسہ میں عموماً کم سن بچے ہیں جنکی تعلیم کے چار درجے قائم کئے ہیں۔ نصاب تعلیم اور طریق تربیت سب اسی کا بنایا ہوا ہے اور ایسا موثر ہے کہ مجکو حیران کر دیا۔ میں نے متواتر ہر درجہ میں جاکر لڑکوں سے مسائل دین کے سوال کئے اور انھوں نے بیباکانہ تڑ تڑ جواب دئے۔ خیر جواب کی صحت تو طلبہ کی یادداشت و محنت کی شاہد ہے۔ لیکن ان کا سپاہیانہ طرز ادا اس چھوٹی سی عمر میں حیران کرنیوالی چیز ہے۔ اور پھر ایک نہیں سب کے سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ شیخ نے ایک مخصوص جگہ ہم کو بٹھا کر ان لڑکوں کی تربیت کا تماشا دکھایا۔ اول ایک جماعت آئی اور عربی زبان میں نعت کے گیت گائے پھر سلطان محمد رشاد کی مدح میں ترانہ پڑھا۔ اسکے بعد رزمیہ قومی گیت گایا۔ ناظرین! میں نہیں کہہ سکتا۔ اور قلم ان الفاظ میں وہ اثر نہیں دیکھ سکتے جو اس گیت نے طاری کیا۔ جوش نے بیخود کر دیا اور بدن کو کپکپا ڈالا۔ زندگی میں آج پہلا دن ہے کہ میں نے مسلمان بچوں کو وہ جنگی گیت آزادی سے گاتے سنا۔ جسکو میری روح باطن میں ہر روز گایا کرتی ہے اور جسکو سننے کے لئے قیامت تک کئی بار وہ مختلف جنگی اجسام میں منتقل ہوتی رہے گی۔

اس گیت کے بعد ایک پانچ برس کا بچہ بپتر اپدل کر صف سے باہر نکلا۔ اور عہد صحابہ کی مثل رجز پڑھا۔

"خون پیوں گا" "شیر ہوں" "برچھی چلاؤں گا" "دلیر ہوں" "میدان جنگ میری ماں کی گود ہے جسمیں مجکو بڑا چین آتا ہے"۔ یہ لڑکا صف میں گیا تو دوسرا

آگے بڑھا اور اس نے اُس سے بڑھ کر پُر جوش تحت اللفظ پڑھے اور تھیٹر کے پُرانے تجربہ کار ایکٹروں کی طرح ان نوآموز کم سن بچّوں نے وہ ایکٹ دکھائے کہ عقل چکرا گئی۔

جب یہ رزمیہ اشعار پڑھ اور ایکٹ کر چکے تو میں نے ایک چھوٹے سے بچے سے جو ننھے منے پتلون کوٹ میں بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ پوچھا شو اسمك اپنا نام بتاؤ۔ بولا علی شوکت۔ میں نے کہا۔ دنیا کس کی حکومت میں ہے۔ تڑاق سے جواب دیا عثمانیوں کی۔ اُستاد نے ٹوکا اور بتایا کہ تم نے جغرافیہ نہیں پڑھا کہ فلاں ملک میں فلاں قوم حاکم ہے۔ متانت سے اپنے سُرخ چہرے کو ہلا کر کہنے لگا۔ نعم یا سیّدی انی اعرف ہاں جناب میں جانتا ہوں۔ غیر قومیں تو بادشاہ ہیں۔ مگر حکومت ہر جگہ ترکوں کی ہے۔ کیونکہ ہمارا ہلال سب کو نور پہنچاتا ہے۔ اور ہمیشہ آسمان پر رہتا ہے۔ صلیب کو ہم نے کبھی آسمان پر نکلتے نہیں دیکھا۔ بچّہ کے اس پُر جسارت جواب نے سب کو ہنسا دیا۔

اسکے بعد دو حبشی بربری بچّے آئے اور ان میں مکالمہ شروع ہوا۔ ایک نے دوسرے سے اسکا نام، مذہب پوچھا۔ اُسنے بتایا تو مذہبی جزئیات و کلیات، ایمان، عقائد، صوم، صلوٰۃ، حج وغیرہ کے سب مسائل مکالمے کے طور پر طے ہوئے۔ آخر میں خلافت کے مسئلہ کی بحث آئی، تو بچوں نے جو عرب تھے آسان آسان دلیلوں سے ترکی خلافت کو ثابت کیا اور آخر میں سلطان رشاد اور دستوری حکومت کا نعرہ مار کر چلے گئے۔

الغرض کس کس چیز کی تعریف کروں۔ سب کلیں درست ہیں اور محمد الصالح پر رشک آتا ہے کہ یہ یہاں کیوں پیدا ہوا۔ ہندوستان میں جنم لیتا تاکہ ہم اور وہ مل کر کچھ کام کر سکتے۔

شام کو بعد مغرب شیخ نے پھر بُلایا اور رچرڈ شاہ انگلستان اور سلطان صلاح الدین کا جنگی ڈراما دکھایا۔ جسکو مدرسہ کے لڑکوں اور اُستادوں نے ملکر کیا۔ گو ابھی یہ انکی ابتدائی مشق ہے لیکن نظر اصل مقصود اور اسکی انتہائی گہرائی پر کرنی چاہیے۔ شیخ کی ان جدید

بیت المقدس میں حضرت موسیٰ کا عرس
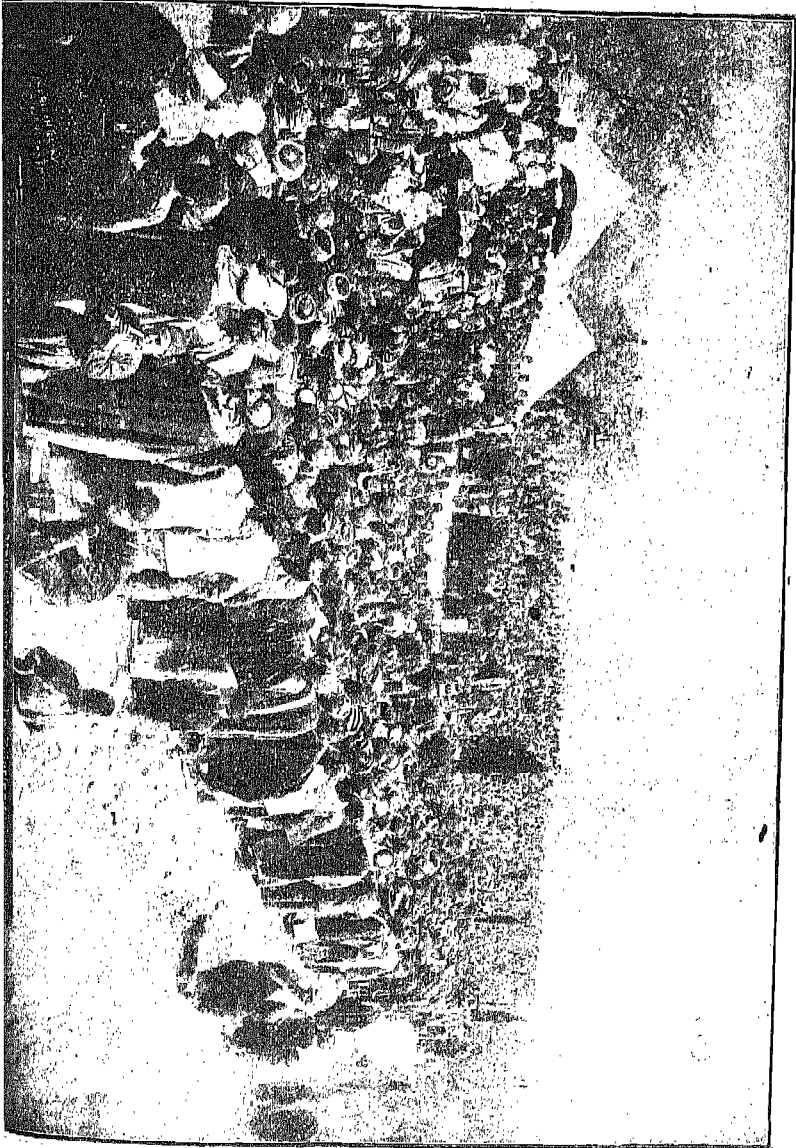
بدعتوں کے سبب پرانے خیال کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔
عثمانی حکومت کے مدارس میں سُنا ہے اہل یورپ کی بدگمانی کے ڈر سے یہ بیباکانہ تربیت نہیں دیجاتی۔ تاہم میں اُن کو بھی دیکھوں گا۔ اسکے بعد فیصلہ ہو سکے گا کہ آیا اُن میں اور اس مدرسہ میں کیا تفاوت ہے۔

۱۲۔ جولائی ۱۹۱۱ء

آج صبح سب جماعت اول حضرت سلطان حسن ابن حضرت سلطان ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کو گئی۔ آپکا مزار ایک بڑی عالیشان پہاڑی پر سائبان کے نیچے واقع ہے۔ جسپر خلافِ معمول بہت موٹے موٹے دانوں کی تسبیح رکھی ہوئی ہے۔ یہ پہاڑ بھی ایک قدرتی سیرگاہ ہے جو معلق معلوم ہوتا ہے۔ اور اسکے نیچے اسقدر وسعت و گنجائش ہے کہ تمام قدس کی میونسپلٹی کے تیل کا گودام یہیں ہے۔
اس زیارت سے فارغ ہو کر حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہوئے۔ اگرچہ اس مزار کی نسبت صحیح روایت ہم نہیں پہنچی تاہم چونکہ مشہور زیارتگاہ ہے۔ ہم بھی مشرف ہوئے۔ یہاں کے خادم ہیڈ مصب ڈاکو ہیں۔ امام الدین صاحب خیاط پنجابی نے میرے اشارے سے انھیں کچھ دینا چاہا۔ ابھی ہاتھ سے چھوڑا نہیں تھا کہ ایک شخص نے ایسا جھپٹا مارا کہ بیچارہ کے ہاتھ کی خیر ہوگئی۔ ورنہ خبر نہیں ٹوٹ جاتا۔ کیا ہوتا۔ عبدالقادر صاحب نگینوی کو جوش آگیا اور اُنھوں نے خادم صاحب کی مزاج پرسی کردی جونہی اُنھوں نے اُسکی گردن پکڑ کے جھٹکا دیا۔ بزدل آنکھیں بند کرکے چُپ کھڑا ہوگیا۔
اسکے بعد دَیر آزمی میں آئے۔ یہاں حضرت مسیحؑ کے ایک شاگرد شہید ہوئے ہیں اُنکی یادگار میں یہ عالیشان گرجا بنایا گیا ہے۔ راستہ کے رُخ اس گرجے کی پیشانی پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جو مسلمانوں کی بےتعصبی کی دلیل ہے جسمیں سلطان ملک الظاہر

ابو محمد سعید حق نے ۱۴۵۴ء میں لکھا ہے کہ "میں نے اس گرجے کو آزاد کیا۔ اب جو شخص میرے حکم کے بعد اسکو پھر ضبط کریگا وہ ملعون ہوگا"۔

آج قدس کا نیا گورنر بہت دھوم دھام سے شہر میں داخل ہوا۔ عیسائیوں کے تمام بڑے بڑے پادری استقبال کو گئے تھے۔ ترکی سپاہی آگے آگے انکے شمشیر بستہ نقیب تھے۔ گورنر کی آمد میں دیر تک ایک جگہ رُکا رہنا پڑا۔ اس سے طبیعت خراب ہوگئی اور شام تک درست نہوئی۔ اگرچہ قدس کی آب و ہوا اچھی ہے۔ لیکن میں زیادہ پھرنے اور ہر وقت لکھتے رہنے کے سبب اکثر صاحب فراش ہو جاتا ہوں تاہم خدا کا شکر ہے کہ وہ دو چار گھنٹے کے بعد پھر گردش کے قابل بنا دیتا ہے۔

۱۳ جولائی ۱۹۱۱ء

کل شام کو بمبئی کے ایک خوش عقیدہ تاجر عبدالکریم حاجی سلیمان مع بال بچوں کے بغداد شریف سے آئے ہیں۔ آدمی فیاض اور ذی فہم ہیں۔ آج سیدنا حضرت موسیٰ کے مزار پر گئے۔ یہ راستہ تمام کوہستانی ہے۔ حضرت کے مزار پر مسجد اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک خاص مقررہ دن میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ورنہ کوئی اس ہو حق سنسان اور اندیشناک مقام پر نہیں جاتا۔ بیرونی ممالک کے زائر بھی جب جاتے ہیں تو سپاہی ساتھ لے لیتے ہیں۔ کیونکہ راستہ میں امن نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب بھی سپاہی ساتھ لیگئے تھے۔ تیس روپے میں دو بگھیاں آمد و رفت کی ہوئیں۔

آج ہم امریکن سوسائٹی کی سیر کرنے گئے۔ یہ وقت اُن کی نماز کا تھا۔ اسکی بھی سیر کی۔ اس سوسائٹی کو ایک طرح کی فریمسن برادری سمجھنا چاہیئے۔ عورت مرد، بچے بوڑھے سب ایک جگہ رہتے ہیں اور جو کماتے ہیں سب ایک جگہ خرچ کرتے ہیں عقیدے سے یہ لوگ موحد ہیں۔ مسیح کو خدا کا رسول سمجھتے ہیں۔ آپس میں ایسا اخلاص

ہے کہ سگے بھائیوں میں بھی ممکن نہیں۔ تجارت ان کا پیشہ ہے۔ گرمی کے موسم میں یہ لوگ مصوّری کرتے ہیں جنگل کے پھولوں کو خشک کر کے کاغذوں پر جماتے ہیں۔ اچار، مربّے بنا کر رکھتے ہیں۔ تر میوے مصالح میں محفوظ کرتے ہیں۔ اور جب یورپین سیاحوں کے آنے کا موسم ہوتا ہے تو ان کو فروخت کر ڈالتے ہیں۔ اس میں اُن کو لاکھوں روپیہ کا فائدہ ہے۔

عربی اخلاق کا اس ملک کے عیسائی و یہودی بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہی تعظیم و تکریم کی اٹھک بیٹھک، وہی مزاج پرسی کے کثیر الفاظ۔ جو یورپین یہاں آکر آباد ہو گئے ہیں صاف عربی بولتے اور اخلاق عرب کے پابند ہیں۔ جب میں اس امریکن سوسائٹی میں گیا۔ تمام زن و مرد سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور ہر فرد نے آکر مزاج پرسی کی۔ گو ان میں کوئی سکرٹری یا صدر نہیں ہے۔ سب مساوی رہنا پسند کرتے ہیں تاہم بعض کے افکار و تخیلات اعلیٰ ہیں۔ بعض کے ادنیٰ ہیں۔ ان میں ایک شخص اردو بھی خوب بولتا ہے۔ ہندوستان میں رہا ہے۔ اس نے ایک صاحب الرائے ممبر سے ملاقات کرائی جنہے ہندوستانی پالٹیکس کے متعدد سوال کئے۔ آخر میں میں نے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک ایشیا کس طریق سے یورپ کے ہم پلّہ ہو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسکا مذہبی میلان اور روحانی زندگی باقی رہے۔

جواب دیا یورپ کی زندگی کو خوب غور سے دیکھو۔ اس میں جو عیب ہیں ان کو ترک کر دو باقی اختیار کر لو۔ یورپ سے بڑھ جاؤ گے۔ اور یہ نظر ایشیائی آنکھ سے ہونی چاہئے۔

ان سے مل کر فریمین ہیکل دیکھنے گئے۔ یہ نہایت بلند پہاڑ ہے جسکے اندر مکان ہے مگر مکان اس قدر تاریک اور وسیع ہے کہ بغیر برقی لیمپوں کے اندر جانا مشکل ہے۔ کہتے ہیں یہی جگہ ہے جہاں حضرت سلیمانؑ نے فریمسن لاج کی بنیاد رکھی۔ اس پہاڑ کے اندر سے اتنا پتھر باہر گیا ہے کہ بیت المقدس کے سے دو شہر تعمیر ہو سکتے ہیں۔

غار کے اندر عجیب خاصیت ہے۔ چاقو سے پتھر کو تراشیں تو وہ بہت آسانی سے کٹ جاتا ہے۔ بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پتھر ہے۔ لیکن جب غار سے باہر نکلیں اور پتھر کو ہوا لگے تو وہ سخت ہو جاتا ہے۔ اسی کے قریب یہودی بادشاہوں کا قبرستان ہے۔ یہ پہاڑ کا ایک غار ہے جسمیں نہایت صنعت سے مکان کھود کر بنائے ہیں۔ انکے اندر تابوت رکھے جاتے تھے مگر اب خالی مکانات کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے

چونکہ ایام حج قریب ہیں۔ ہندی مسافر روزانہ بکثرت چلے آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکی روک تھام کا انگریزی سرکار نے بارہا انتظام کرنا چاہا مگر یہ باز نہ آئے۔ اول بغداد شریف کی زیارت کا بہانہ کر کے وہاں جاتے ہیں۔ اسکے بعد پیدل دیار بکر، حلب ہوتے ہوئے دمشق دیکھکر بیت المقدس آتے ہیں اور یہاں سے مدینہ شریف چلے جاتے ہیں۔ عرب مہمان کی مدارات میں مشہور ہیں۔ ان کو راستہ میں کھانے پینے کی کچھ تکلیف نہیں ہوتی تاہم ان کی غربت اور محتاجی اہل ہند کی عزت پر عربوں کی نگاہ میں ایک برا دھبہ لگاتی ہے۔ اسکے انتظام کی ہماوگوں کو فکر کرنی چاہیئے۔ پنجاب کے لوگ زیادہ آتے ہیں ان کی میلی کچیلی صورتیں اور مصیبت زدہ احوال دیکھکر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی کہ کیوں بغیر خرچ کے نکل پڑتے ہیں اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں

ایک سمجھدار درویش سے جو بغداد سے پیدل آیا ہے میں نے دریافت کیا کہ اس ملک میں فقرا اور مشائخ کی بھی کچھ قدر ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مطلق نہیں۔ یہ لوگ اہل ہند کیطرح نہیں ہیں۔ یہاں خلاف شریعت فقیروں کا گزارا نہیں۔ بصرہ تک تو لوگ مجھ سے تعویذ مانگتے تھے۔ اسکے بعد پھر کسی نے بات نہیں کی

۱۴۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

علی الصباح لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف تفکرات میں غرق جا رہے تھے میں نے

بیت المقدس کا معلق پتھر عمارت کے فرش میں نظر آتا ھے
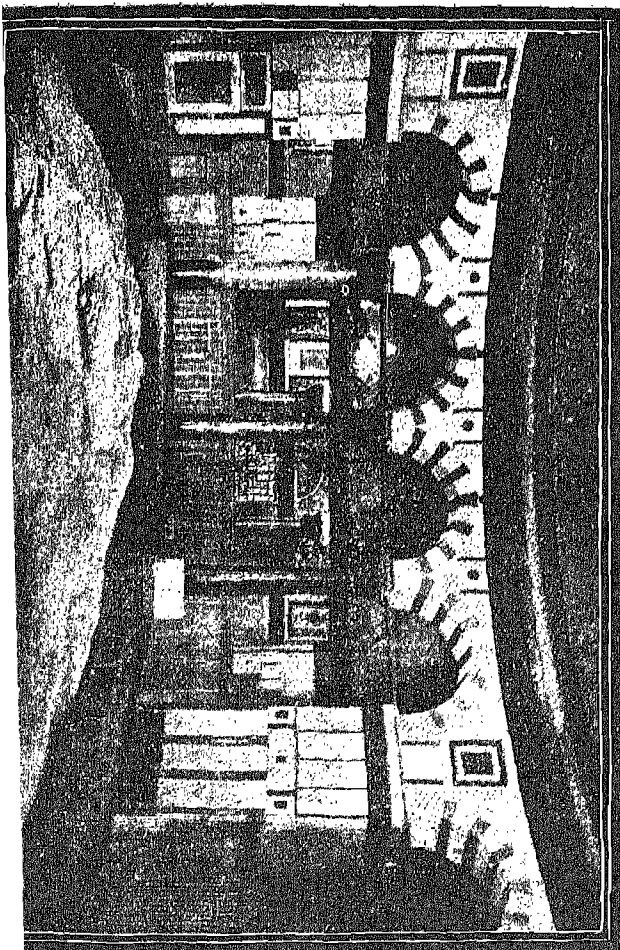
بھی حرم قدس کا رُخ کیا اور سیدھا قبۃ الصخرا کے پاس پہنچا۔ لمبا چوڑا پتھر۔ شاندار اور خوبصورت قبہ میں دیکھا۔ اسی کو تخت رب العالمین کہتے ہیں۔ یہی وحی و تجلیات کا مہبط تھا۔ یہی یہی عہد سلیمان سے لے کر آجتک بیت المقدس کی سب سے بڑی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ یہیں قربانیاں ہوتی تھیں جنکو آتش غیب آسمان سے نازل ہوکر جلا ڈالتی تھی اور مقبولیت کا سارٹیفکٹ دے جاتی تھی۔

اے رب العالمین کے مجازی تخت! کہتے ہیں کہ تیرے پایہ کو پکڑ کر جو کچھ مانگا جائے وہ دیا جاتا ہے۔ اسلیئے آج میں وہ مانگتا ہوں جو آدم کی نسل میں کسی نے نہیں مانگا۔ اُس نامعلوم جوش سے مانگتا ہوں جو کسی انسان کو نہیں دیا گیا۔ جو کچھ کہوں وہ نیا ہے۔ کیونکہ اسوقت میری شان اعلیٰ ہے۔ سُن! اگر تو سن سکتا ہے۔ نہیں تو میں اُسکو مخاطب کروں گا جسکو تیرے واسطہ کی ضرورت نہیں جو سمیع و بصیر ہے، جو دانا و بینا ہے۔

اے دینے کی طاقت رکھنے والے! ذرا میری جرات و ہمت کو دیکھ۔ بُلبلا سمندر سے بڑھنا چاہتا ہے، ذرہ آفتاب کو گہن لگاتا ہے، دھواں آگ پر غالب ہونے کی فکر کرتا ہے تیری دی ہوئی دلیری سے۔ تیری بخشی ہوئی طاقت سے۔ اس حقیقت لدُنی سے جسکا اسوقت تیرے اور میرے سوا کوئی رازدار نہیں۔

لکھا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تو آج اپنی قدرت کے کمال کا امتحان دے۔ دیکھوں تجھ میں کتنی قدرت ہے۔ معلوم کروں تو کس کس چیز پر قدیر ہے؟ عبدیت کی چادر سے پاؤں نکالتا ہوں۔ اسرار وحدت کے حجرہ میں داخل ہوتا ہوں۔

میرا حکم ہے کہ تار کے کھمبے اُکھاڑ دیے جائیں، تار کاٹ ڈالا جائے، بے تار کے برقی اشاروں کو بھی مسدود کیا جائے۔ میں آمنے سامنے ہوکر اُس ہنر سے جو آج مجھے حاصل ہے، اُس فن سے جسکو میرے سوا کوئی نہیں جانتا تجھ سے ہمکلام ہونگا۔

موسیٰ کو کوہ طور کے ایک درخت پر جلوہ دکھا کر بُلایا۔ میں اس صخرہ کے ستون میں اپنی

تجلی دکھا کر تجکو پکارتا ہوں۔ آ۔ اور جوتیاں اُتار کر آ۔ اس مقدس زمین کا ادب کر۔ فرعون کی طرف تجکو نہیں بھیجا جائیگا۔ اُس کا کام تمام ہو چکا۔ تجکو خود تیری ہستیِٔ ناپیداکنار کا رسول بناتا ہوں۔ جا۔ اور اُسکو میرا پیام پہنچا ؂

اے سمجھ میں نہ آنے والے وجود! کب تک یہ حجاب صبر شکن قائم رہیگا۔ اُٹھا دے آ جا۔ معبودیت کے سب جلوے دیکھ لیے۔ خدائی کے کل تماشے ملاحظہ کر لئے۔ کبریائی و جبروت کی ہر شان نظر سے گزر گئی۔ اب ذرا عبدیت کی سیر بھی کر۔ اور چالیس دن کے واسطے تخت ربوبیت سے دست بردار ہو کر بندوں کی صف میں آن بیٹھ اور دیکھ کہ اس شان میں تونے کیا اثر، کیا سوز، کیا کیف پیدا کیا ہے۔ تیرے دل تماشہ پرست کی قسم، تو اپنے بندوں کی کیفیاتِ بندگی میں اثراتِ اُلوہیت سے زیادہ لُطف دیکھیگا ؂

تخت خالی مت چھوڑ۔ چلہ بھر کے لئے میں یہ بوجھ اُٹھا سکتا ہوں۔ ہاں ہاں مجھ میں اس بار کے تحمل کی ہمت ہے۔ تو دیکھیگا کہ میری چالیس روزہ خدائی کس آن بان کی ہوتی ہے۔ تاج پوشی اُلوہیت کے بعد میرا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ تیرے دل کو محبت کے نشتر سے زخمی کیا جائے۔ اور زخم پر تصوّر کی نمک پاشی ہو۔ خوب ترساؤنگا۔ اپنی صورت نہیں دیکھنے دونگا۔ وعدہ وعید میں ٹالونگا۔ یہانتک کہ تیری بیقراری، تیرا اضطراب حد سے گزر جائے آنسو اُبلیں، کلیجہ اُچھلے، مُنہ کو آئے۔ اور تو جانے کہ بے بس بندہ خود مختار خدا کی دی ہوئی محبت سے کیسی اذیت پاتا ہے۔ فراق اسپر کتنے ظلم توڑتا ہے، معبود کا پردے میں رہنا بندہ کے تخیلات کو کیسے کیسے اوہام میں مغالطاں پیچاپ رکھتا ہے ؂

میری خدائی کا زمانہ مساوات کا زمانہ ہے۔ سب کی زبان ایک کرونگا۔ سب کے رنگ یکساں بنا دونگا۔ عمر کے مدارج باقی نہیں رکھونگا۔ مرض اور موت میرے ایام اُلوہیت میں فنا کے پردے میں رہینگے۔ غم، فکر، غصہ کو اپنی طاقت ایزدی سے مٹا دونگا۔ نصیحت اور بندوں کے خود عملدرآمد کا منتظر نہیں رہونگا ؂

کھانے پینے اور حصول معاش کے تفکرات ناپید کر دئے جائینگے۔ رات دن کا فرق، سردی وگرمی کا تفاوت، تری و خشکی کا امتیاز میرے ہاں مفقود ہوگا۔ نیند کیسی میں اپنے بندوں کو ہر وقت ہوشیار رکھونگا۔ نیند کی غفلت و بے اختیاری، سنسانی، یہ سب مجکو استبدادی حکومت کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا میرے آزاد دَور میں کچھ کام نہیں ٭

تو کیا تُو یہ سمجھتا ہے کہ یہ انقلاب تکلیف دہ ہوگا۔ نہیں نہیں۔ میں خدا کس کام کا ہونگا جو میرے افعال سے تکلیف پیدا ہو۔ ہر دُکھ کو اپنے دست توانا سے مٹاؤنگا ٭

جب میرے خدائی کے دن پورے ہونگے تو عین چالیسویں دن عرب کے ایک بشر محمد بن عبد اللہ کے گھر میں اُترونگا اور تخت خدائی تیرے حوالے کرونگا۔ اور فوراً اس نیک و مقبول بندے، شفیع و اُمت نواز رسول صلعم سے عرض کرونگا کہ وہ تیری درگاہ میں میری خطاؤں کی معافی چاہے۔ اور میری گستاخیوں کی معذرت کرے اور کہے کہ اے حقیقت شناس پروردگار! اپنے اس حد سے گزرنے والے بندے کی مجذوبانہ باتوں سے ناراض نہو۔ تو خدا ہے اور وہ بندہ، وہ چھوٹا ہے اور تو بڑا۔ از خوردان خطا واز بزرگان عطا ٭

جمعہ کی نماز آج پھر مسجد اقصیٰ میں نصیب ہوئی۔ گورنر بھی شریک ہوا تھا۔ مسجد میں گورنر اور قاضی و مفتی کے لئے ممتاز اور اونچے اونچے تخت بچھے ہوئے ہیں۔ یہ دستور بُرا معلوم ہوتا ہے۔ خدا کے گھر میں امیر غریب سب کو یکساں رہنا چاہئے۔ اُمراء کے واسطے نماز میں بھی یہ امتیاز کسی صورت پسندیدہ نہیں ٭

نماز کے بعد سیٹھ عبد الکریم حاجی سلیمان بمبئی والے زیارت قبۃ الصخرا میں مع عیال و اطفال کے گئے۔ چونکہ خدام حرم میں آجکل سخت عناد پھیلا ہوا ہے۔ ایک دوسرے کی جان کا دشمن ہو رہا ہے۔ اسلئے ان زائرین کی نذر نیاز پر جنگ شروع ہوگئی۔ خاص گنبد کے اندر اس قدر غل مچا کہ قیامت کا میدان برپا ہوگیا۔ ہندوستانیوں کو یہ لوگ ہنود کہتے ہیں۔ چیختے تھے۔ ہنود! ہنود! شور چونکہ زیادہ تھا۔ اطراف کے باشندوں نے ہنود

کے لفظ کو یہود سمجھا اور خیال کیا کہ شاید یہود حرم کے اندر گھس آئے ہیں اور جبراً تبرکات انبیا لوٹنا چاہتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا بجلی کی طرح یہ خبر شہر میں دوڑ گئی اور مسلمان تلواریں، بندوقیں، پستول، لٹھ لیئے ہوئے دین پر قربان ہونے کو گھس آئے۔ باشندوں کا یہ اضطراب دیکھ کر پولیس اور فوج بھی مسلح ہو کر دوڑی ہوئی آئی۔ اور مفسدین خدام گرفتار کر کے لیگئے۔ اس نظارہ سے جہاں خدام کی حالت تاسفناک معلوم ہوئی، وہاں اس امر سے خاص خوشی بھی ہوئی کہ مسلمان زندہ ہیں اور کس پھرتی سے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

تیسرے پہر کو شہر کے مفتی صاحب ملاقات کو تشریف لائے۔ یہ سید طاہر آفندی سابق مفتی کے فرزند ہیں۔ جن کا ذکر مولانا شبلی نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ جو اثر مفتی صاحب کا یہاں ہے وہ گورنر کو نصیب نہیں۔ یہی عالم موجودہ مفتی صاحب کا سمجھنا چاہیئے۔ نہایت سنجیدہ، متین، اور روشن خیال ہیں۔ اخلاق اور مسافر نوازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میری خبر سنکر خود ملنے تشریف لائے۔ علماؤ مشائخ ہند خصوصاً حلقہ نظام المشائخ کی نسبت ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو رہی۔

شکر ہے کہ اب عبدالقادر نگینوی تندرست ہیں۔ جب سے سیٹھ عبدالکریم حاجی سلیمان آئے ہیں۔ تکیہ میں خاصکر میرے کمرہ میں بڑی چہل پہل ہے۔ رات کے ۱۲ بجے تک بزرگان دین کے ذکر اذکار رہتے ہیں۔

۱۵ - جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج سیٹھ عبدالکریم حاجی سلیمان نے حضرت بابا شکر گنج رح کی نیاز کرائی ہے۔ حلوا اور روٹی سالن پکایا گیا ہے۔ امام الدین صاحب پنجابی اور عبدالقادر صاحب انتظام میں مصروف ہیں۔ تکیہ کے درویشوں اور مستحقوں کے علاوہ سیٹھ صاحب نے خواہش

ظاہر کی ہے کہ اپنی مرضی سے قدس کے اور جن اشراف و اکابر کو مدعو کرنا ہو بلا لیا جائے
تاکہ بابا صاحب کے لنگر سے سب فیضیاب ہوں۔ چنانچہ میں نے متعدد حضرات کو مدعو
کیا۔ اور سب بزرگوں نے ملکر بڑے لطف سے ایک جگہ کھانا کھایا ۔

آج نئے گورنر کے تقرر کا اعلان ہوا۔ مجکو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ دار الحکومت
میں شہر کے تمام شرفا، امرا، مذہبی پیشوا جمع ہوئے۔ اس ترتیب سے کہ ایک صف
میں گورنر۔ انکے بازو پر کمانڈر فوج، قاضی، مفتی، خطیب، علما و مشائخ، دائیں
پہلو کی صف میں عیسائی و یہودی پیشوایانِ مذہب۔ سامنے کی صف میں فوج، بائیں
صف میں اُمرائے شہر ۔

گورنر کی اور کمانڈر کی وردی خوب زرق برق تھی۔ گورنر نے ایک ریشمی تھیلے سے
فرمان نکال کر چوما۔ اور اپنے میر منشی کو دیا۔ منشی نے فرمان جھک کر لیا اور اسے
بوسہ دیا۔ اور پھر حاضرین کو پڑھکر سنایا۔ جسمیں نئے گورنر کے تقرر کا ذکر تھا اور لوگوں
کو اطاعت فرمانبرداری کی تاکید کی گئی تھی۔ فرمان پڑھے جانے کے بعد فوج نے قومی
ترانہ بجایا۔ اور "پادشاہم چوق یشا" کے تین نعرے لگائے۔ اسکے بعد ایک نصرانی
قصیدہ پڑھنے کو آگے بڑھا۔ جسکو ایک مسلمان مولوی نے دھکا دیکر ہٹا دیا اور خود سامنے
آن کھڑا ہوا۔ مولوی کی اس حرکت سے دل پر چوٹ لگی۔ بیچارا نصرانی کھسیانا ہو کر
اپنی جگہ چلا گیا۔ یہ تکبر حکومت کا جبلی فعل ہے۔ ہم اپنے ملک میں گوروں کی ٹھوکریں
اور انگریز فوجیوں کی بدسلوکیاں دیکھکر سمجھتے تھے کہ یہ ان کا مخصوص ظلم ہے مگر اسلامی
ملک میں جگہ جگہ نظر آتا ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے اور یہود و نصاریٰ
اس سے کھسیاتے ہیں ۔

جناب مولانا غریب نصرانی کو دھکیل کر گورنر کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔
ان کے بوسیدہ کپڑوں اور پریشان صورت کو دیکھکر کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ شخص کچھ

بول سکے گا۔ مگر وہاں لب کشائی کی دیر تھی۔ بحر قلزم اُبل پڑا۔ اس بیباکی اور جرأت سے عربی زبان میں اُس نے گورنر کی خبر لی کہ سناٹا طاری ہو گیا۔ چہرے زرد تھے اور سمجھا جا رہا تھا کہ اب عنقریب اس کی گرفتاری کا حکم دیدیگا۔ مگر گورنر نے نہایت متانت سے مولوی کی ساری تقریر سُنی۔

مولوی نے کہا اے متصرف! (گورنر) تو یہ کیا چمکدار کپڑے پہنکر کھڑا ہوا ہے۔ ہمارے دل اس دھوم دھام کے قائل نہیں۔ انصاف کی چمک دکھا۔ تجھ سے پہلے بُت سے ظالموں نے ہمارے گلے دبائے۔ وہ بھی اس شان و شوکت سے آئے تھے۔ اب یہ دل تیرے دروازہ پر ظلم کدہ لکھا جائیگا۔ یا معدلت خانہ۔ شخصی اور استبدادی حکومت کے زمانہ میں ہم لوگ جکڑے ہوئے تھے۔ اب حریت و مساوات کا دَور ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد کی مثل حکمرانی ہو۔ اسلئے آج میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اپنے فرض کو پہچان اور انصاف کر۔ ورنہ قوم تیرا سارا بل نکالدیگی۔ اسکے بعد شہر کی ضرورتوں مثلاً ترویج علوم دین و تعمیر و مرمت مسجد اقصیٰ وغیرہ کی جانب توجہ دلائی۔

مولٰنا کا پیرایۂ تقریر بڑا پُر جوش تھا۔ گورنر پہ بلے پڑتے تھے۔ آستین چڑھاتے چوغے کے دامن سمیٹتے اور گورنر کی طرف لپکتے۔ یہانتک کہ آخر میں گورنر کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوب جھٹکے دیدے کر سمجھایا۔ یہ تمام حرکات گو وحشیانہ تھیں لیکن ان سے خلوص پایا جاتا تھا اور تقریر کی صفائی و شستگی تو ایسی اعلیٰ تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا مسلسل لکچر نہیں سُنا۔

آخر میں گورنر نے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اطمینان دلایا کہ میں مسلمانوں کی طرح ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔

دول کے سفرا اور تمام بڑے بڑے بشپ اور پادری اس نظارے سے بہت

متاثر ہوئے۔ اسکے بعد بیچارے قصیدہ گو نصرانی صاحب صف سے پھر نکلے۔ اور گورنر و حکومت کی تعریف میں قصیدہ پڑھا۔ جس میں آرزو ظاہر کی گئی تھی کہ خدا دین اسلام کے طفیل ترقی کا مقصود عطا فرمائے۔ میں نہیں جانتا کہ گورنر کے دل پر اس قصیدہ کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ دیگر سامعین کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس قصیدہ کو ویسا ہی خوشامدانہ سمجھتے ہیں، جیسے ہمارے قصائد کو ہندوستان میں انگریز خوشامدانہ تصور کرتے ہیں:

۱۶-جولائی ۱۹۱۱ء

کل شام کو سرکاری مدرسہ کے جلسہ کی دعوت آئی تھی۔ صبح ہی حوائج سے فارغ ہوکر گئے۔ اس مدرسہ میں ڈیڑھ سو کے قریب طلبہ پڑھتے ہیں۔ گویا ہائی سکول ہے تقسیم انعام کا جلسہ ہر سال ہوتا ہے۔ تمام قدس کے اعیان و اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں میں رسم ہے کہ جب محفل میں کوئی شخص آتا ہے تو سب لوگ اسکی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں جب بیٹھ جاتا ہے تو فرداً فرداً سب کو سلام کرتا ہے۔ سلام کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اسکے بعد ماتھے پر۔ گو یہ رسم ایشیائی مذاق میں اچھی ہے لیکن گھڑی گھڑی کھڑے ہونے اور ہزاروں سلاموں کا جواب دینے سے جی گھبراتا ہے:

گورنر کے آتے ہی جلسہ شروع ہوگیا۔ قاضی، مفتی، کمانڈر اور مشائخ کے لیئے صدر میں جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ چنانچہ مجھکو کمانڈر اور مفتی کے برابر جگہ دی گئی:

یہاں ہندوستان کی طرح جلسوں کا افتتاح قرآن شریف سے نہیں ہوتا اوّل قومی راگ گایا جاتا ہے۔ اسکے بعد کارروائی شروع ہوتی ہے۔ کارروائی کے درمیان میں بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد فوجی بینڈ بجایا جاتا تھا۔ اور اہل جلسہ خاموش ہوکر اسکو سنتے تھے۔ بات تو تفریح کی ہے لیکن کام کرنے والوں اور وقت کے عزیز رکھنے والوں

کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی لغویت نہیں ہوسکتی۔ بعض طلبہ نے مضمون پڑھے۔ عربی میں، ترکی میں، فرانسیسی میں۔ یہ سب زبانیں زیر نصاب ہیں۔ ایک دہ سالہ لڑکے نے بحری جھنڈا ہاتھ میں لیکر اس دلکش انداز سے جنگی رجز پڑھا اور حرکات سے اپنے جوش کو ظاہر کیا کہ سامعین بے اختیار ہوکر آفریں آفریں کا غل مچانے لگے۔ ایک شخص نے کھڑے ہوکر ایک اشرفی اس بچّہ کو دی۔ جسکو اس نے فوراً گورنر کے نذر کردیا۔ اور درخواست کی کہ میری طرف سے سلطان کے بحری کارخانہ کو دیدی جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکوں کی فوج کو کمان کرتا ہوا اس خوشنمائی سے جلسہ میں لایا کہ سُبحان اللہ۔ اسکے گورنر نے کچھ دینا چاہا مگر اس اندیشہ سے کہ پھر کسی اور مد میں نہ دیدے ایک کاغذ پر لکھدیا کہ فلاں دوکاندار اسکو اتنا اتنا کپڑا اور کتابیں وغیرہ دیدے۔!!

تقسیم انعام کا یہ قاعدہ ہے کہ ایک میز پر کتابیں چنی جاتی ہیں، جنپر نمبر اور نام لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ سکرٹری کھڑے ہوکر پکارتا ہے۔ فلاں لڑکے کو فلاں فن کے امتحان کی جزا میں فلاں کتاب دی جاتی ہے۔ وہ لڑکا آتا ہے اور کتاب لیکر صدر میں گورنر کو سلام کرنے جاتا ہے۔ اور میز کا طواف کرکے باہر نکل آتا ہے۔ پھر دوسرے لڑکے کو آواز ملتی ہے۔ اسکے بعد پھر پہلا لڑکا پکارا جاتا ہے اور دوسرے کسی علم وفن میں جزا ملتی ہے جسکی نسبت سکرٹری کہتا ہے۔ دودفعہ مذکور۔ یہانتک کہ بعض لڑکے بیس بیس دفعہ پکارے گئے انعام لیکر ہر دفعہ اُن کو میز کا چکر اور گورنر کا سلام لازمی ہوتا ہے۔ یہ چکر گھنی کا تماشہ بیچارے گورنر کے لئے ایک آفت ہے۔ سلام کا جواب دیتے دیتے تھک جاتا ہے۔ ڈیڑھ سو لڑکوں کا انعام اور پھر ہر لڑکے کا متعدد بار آنا، ہزاروں سلام کی اوسط پڑتی ہے۔ سب سے زیادہ انعام لینے والا ایک یتیم لڑکا یوسف رجائی نامی تھا۔ جب وہ اٹھارہ دفعہ آچکا اور انیسویں بار پھر اسی کا نام پکارا گیا تو بے اختیار مُنہ سے نکلا۔ وَاللہِ رجائی اقوی خدا کی قسم رجائی (میری امید) بہت قوی ہے۔ حاضرین ہنسنے لگے۔ اور مفتی صاحب نے

جواب دیا کہ آپ کے قول میں امید سے بڑھ کر لطافت ہے۔ خاتمہ پر اُن شیخ عبدالقادر نے جو کل گورنر کے سامنے بولے تھے تقریر کی۔ اور اعتراض کیا کہ مدرسہ کے سکرٹری اپنے لڑکوں کو امریکن سکول میں بھیجتے ہیں اور اس مدرسہ میں نہیں پڑھاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعلیم درست نہیں ؛؛

شیخ کے اعتراض کا سکرٹری نے جواب دینا چاہا۔ مگر گورنر نے روک دیا۔ کیونکہ جلسہ میں شورش پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ ہل چل شروع ہو گئی تھی ؛؛

۱۷- جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

علی الصباح شیخ التکیہ کے ہمراہ سب جماعت سیّدہ مریمؑ کے مزار پر حاضر ہوئی۔ یہ حرم کے قریب پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ عمارت نہایت بوسیدہ اور پُرانی ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت مریمؑ کے زمانہ کی ہے۔ عجب نہیں کہ درست ہو۔ کواڑوں پر آثار قدامت کے بالکل نمایاں ہیں۔ جب اس دروازہ میں داخل ہوں تو گمان ہوتا ہے کہ کسی ویران کھنڈر میں گھستے ہیں۔ گو یہ مقام تمام یورپ اور تمام اسلامی و عیسائی دُنیا کا ادب گاہ ہے لیکن پادریوں نے دانستہ اسکو ایسا خراب کر رکھا ہے ورنہ ساری عمارت سونے اور جواہرات کی بن سکتی تھی۔ یروشلم یعنی بیت المقدس عیسائیوں کی جہالت، توہم پرستی اور شیطنت کا ایک مجسم نمونہ ہے۔ ہم اپنے ملک میں جب انگریزوں اور دیگر ممالک کے شائستہ عیسائیوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں یہ لوگ بھی ہماری طرح وحشی، جاہل اور غیر مہذب تھے۔ لیکن یروشلم میں آکر نظر آتا ہے کہ اس روشن زمانہ میں بھی بیشمار عیسائی قدیمی اوہام پر قائم ہیں اور ان کی حالت ہم لوگوں سے ہزار درجہ گئی گزری ہے۔ سوائے دو ایک مخصوص گرجاؤں کے یروشلم میں جس گرجا کو دیکھنے گیا وہاں بُت پرست ہندوؤں کے مندروں سے زیادہ خرافات نظر آئے۔ سیکڑوں عورت مرد، مسیحؑ و مریمؑ کی تصاویر

کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ مندروں کی مثل ہر وقت یعنی رات دن ان بتوں کے سامنے چراغ روشن رہتے ہیں۔ راہبوں کی صورتیں ہندو جوگیوں کی سی ہیں۔ لمبے لمبے بال رکھتے ہیں۔ اور گدڑی پیران کا چوغا باندھتے ہیں۔ دن کے وقت ان سب گرجاؤں میں اس قدر اندھیرا ہوتا ہے کہ باوجود متعدد چراغوں اور شمعوں کی روشنی کے راستہ دکھائی نہیں دیتا اور لوگ ٹھوکریں کھا کر گرتے ہیں۔ زیتون کا تیل عموماً یہاں جلایا جاتا ہے جس کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کا عدم و وجود برابر ہے۔ پوچھو کہ یورپ ہر جگہ بجلی کی روشنی جاری کرنے اور تمدن پھیلانے کے بہانے سے خونریزیاں کرتا۔ اور ملک فتح کر رہا ہے۔ اپنے قبلہ کی تاریکی کا علاج کیوں نہیں کرتا تو جواب دینگے۔ یہ لوسنت یہ مذہبی معاملہ ہے۔

القصہ جب ہم غار کے اندر گئے تو پوجا ہو رہی تھی۔ گھنٹے بج رہے تھے۔ پادری اشلوک پڑھ رہا تھا اور عورت مرد خشوع و خضوع سے بتوں کو سجدے کر رہے تھے۔ جب تک یہ پوجا ہوتی رہی ہم کو ٹھہرنا پڑا۔ فراغت کے بعد مریم دیبی کے پجاریوں نے شمعوں کی آرتی کی اور شعاع پر ہاتھ وار کے چہروں پر ملا۔ پھر یہ لوگ بڑے پادری کے پاس گئے۔ اور اس کے ہاتھوں کو بوسے دیئے۔ پادری نے اُن کو مٹھائی کا تبرک عنایت کیا۔ جسکو ان سفید احمقوں نے ایک دم مُنہ میں رکھکر نگل لیا۔

حضرت کا مزار ایک تنگ غار میں ہے۔ جہاں تین آدمی بمشکل سما سکتے ہیں۔ ہم نے مراقبہ کیا تو پادریوں کو عجیب معلوم ہوا۔ اور حیرت سے دیکھنے لگے۔ فاتحہ پڑھکر حسب ذیل دُعا مانگی:۔

الٰہی تیرا شکر کہ پاک و مقدس مریمؑ کی تربت تک پہنچایا۔ مگر اے طاہر و مطہر خدا! جس روشن اور منور جسد میں تیری روح نازل کی گئی۔ آج وہ تاریک دل لوگوں کے ہاتھوں میں پڑا ہے۔ تیری روح پاک مریم کے جسم میں دُنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے داخل ہوئی تھی تو پھر کیوں نہیں اس وجود اطہر کی حفاظت کرتا اور نادان کفار کے دست جہالت

سے نجات دیتا۔ اس مقام کے ہم حقدار ہیں۔ ہمارا حق ہمکو دے یا دلوا۔ آمین ÷

حضرت کے مزار کے پاس سے اوپر پہاڑ پر راستہ گیا ہے۔ جہاں سنتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضؓ وغیرہ نامور اصحاب مدفون ہیں ÷

واپسی کے وقت فرانسیسی گرجا کے پاس سے گذرے۔ پہلے یہ سلطان صلاح الدینؒ کا مدرسہ تھا جسکا کتبہ ابتک صدر دروازہ پر موجود ہے۔ بعد میں ویران خراب ہوگیا۔ عیسائی تو تاک میں لگے ہوئے تھے۔ استنبول میں جاکر عرضی دی کہ ایک ویران جگہ پڑی ہے ہمکو ملجائے تاکہ وہاں شفاخانہ بنالیں۔ استنبول سے گورنر قدس کے نام حکم آیا کہ تحقیق کرے کہ آیا یہ مقام حرم کے قریب تو نہیں ہے اور اسکے فروخت کرنے میں کچھ نقصان تو نہیں ہوگا۔ گورنر پہلے ہی سنہری سکے جیب میں ڈال کر تحقیقات کرچکا تھا۔ رپورٹ کی گئی کہ یہ جگہ حرم سے بہت دور ہے۔ فرانس کو دینے میں کچھ حرج نہیں۔ چنانچہ مدرسہ صلاح سلفارسنے لیکر گرجا بنایا۔ مدرسہ کی عمارت جوں کی توں موجود ہے یہانتک کہ کتبہ بھی باقی رکھا گیا تاکہ مسلمان دیکھیں اور جلیں کہ انکے فاتح کی یادگار کو اپنے مکر و تدبیر سے ہم یوں پامال کرسکتے ہیں۔ کتبہ حسب ذیل ہے:۔

هذه المدرسة المباركة وقف الملك الناصر صلاح الدنيا والدين سلطان الاسلام والمسلمين ابوالمظفر يوسف بن ايوب محي دولة امير المؤمنين اعز الله انصاره وجمع له من خير الدنيا والاخرة على الفقهاء من اصحاب الامام عبد الله بن محمد بن ادريس الشافعي سنة ثمان وثمانين وخمسمائة

یعنی اس مبارک مدرسہ کو ملک الناصر سلطان صلاح الدین نے جو دولت امیر المؤمنین کا زندہ کرنے والا ہے۔ ان فقہاء کے لئے وقف کیا جو امام شافعی کے اصحاب ہیں۔ ۵۸۸ھ

پولٹیکل ہوشمندی کے خیال سے اس مدرسہ کے ایک گوشہ میں حضرت مریم کا مولد بنا دیا گیا ہے یعنی کہتے ہیں کہ حضرت مریم اس جگہ پیدا ہوئی تھیں۔ چنانچہ پادری ہمکو بھی

غار کے اندر لے گیا۔ دیکھا کہ پہاڑ کی کھوہ میں حضرت مریم ایک بچہ کی صورت میں سُنہری مہد میں لیٹی ہیں ؛

ظہر کے بعد گورنر سے ملنے گئے۔ بہت اخلاق و تپاک سے پیش آیا۔ جو دت بے نام ہے بہت ہی لاغر اندام۔ ہندی مسلمانوں اور مشائخ کا دیر تک تذکرہ رہا۔ میری خواہش پر اس نے وعدہ کیا کہ پرسوں خود اس مقام پر لے چلونگا جہاں نقب لگی ہے تاکہ اصل حقیقت سے آگاہی ہو۔ گورنر سے ملکر فیض اللہ آفندی رئیس البلدیہ (سکریٹری میونسپل کمیٹی) سے ملاقات کی۔ بہت ذی علم اور گہرا آدمی ہے ؛

آج رات کو مشائخ حرم نے اپنے ایک خانگی جھگڑے کے تصفیہ کیلئے بلایا۔ ہرچند انکار و عذر کیا گیا مگر وہ نہ مانے۔ قصہ بس وہی تھا جو ہندوستان کی درگاہوں میں جگہ جگہ موجود ہے۔ یعنی زوار کی نذر و نیاز ؛

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حرم القدس کے مشائخ نے مجھپر فیصلہ کا انحصار کر دیا۔ رات کے ۱۲ بجے تک اجماع رہا۔ مگر تسلی بخش صورت نہ نکلی۔ اسلئے آئندہ کسی وقت کے لئے ملتوی کیا گیا۔ فریقین کی شکایتیں اس کثرت سے ہیں کہ نتیجہ کی حد تک عرصہ کے بعد پہنچنا ہوگا ؛

صبح سے ابر کے ٹکڑے آسمان پر دوڑ رہے ہیں۔ ہوا تیز چل رہی ہے بغیر کمبل اوڑھے باہر نکلنا دشوار ہے۔ رات کو تو خاصی سردی ہوگئی۔ میووں کا یہی موسم ہے۔ انگور آنے شروع ہوگئے ہیں۔ چھ پیسہ سیر بکتے ہیں ؛

آج بیس ہندوستانیوں کا ایک قافلہ وارد آیا۔ ان بیچاروں کو دس دن بیروت میں قرنطینہ کرنا پڑا۔ اور سخت تکلیف اُٹھائی۔ رجب تک ہم اور یہ سب قدس ہی میں ٹھہرینگے ؛

۱۸- جولائی ۱۹۱۱ء

سردی کے سبب آج کہیں نہ گئے۔ تیسرے پہر مفتی صاحب کے دونوں بھائی فخر الدین آفندی اور امین آفندی شیخ محمد الصالح کے ہمراہ تشریف لائے اور مجکو مفتی صاحب کے پاس لے گئے۔ مفتی صاحب کا مکان تکیہ سے ذرا فاصلہ پر ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر ہونے کے سبب نہایت ہَوا دار اور پُر فضا ہے۔ یہ مفتی صاحب سید طاہر کے فرزند ہیں اور والد صاحب سے بڑھ کر صاحب اوصاف ہیں۔ مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی امین آفندی ہندوستان دیکھنے کے بہت شائق ہیں۔ عنقریب مصر جانے والے ہیں۔ وہاں مفتی بننے کی سند حاصل کرینگے۔

نئے ہندوستانی قافلہ میں ریاست مانگرول کے ایک مولوی صاحب بھی ہیں۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ عربی داں ہیں۔ شیخ محمد الصالح کے مدرسہ میں لڑکوں کے رزمیہ اشعار سُنکر خوش ہوں گے۔ ان کو بیجا کہ قصائد و رجز سُنوائے۔ مولوی صاحب بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ کیا یہ قصیدہ بُردہ پڑھتے ہیں۔ مولانا کے بھولپن پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ ان پُرانے لوگوں کے دماغ میں نئے ولولے سمانے بہت مشکل ہیں۔ وہ بیچارے ہر آگ کو طور کا شعلہ تصور کرتے ہیں۔

اس قافلہ میں ایک اور بزرگ منشی محمد عبداللطیف خاں ہیں۔ ریاست رتلام کے رہنے والے۔ دس برس سے سیٹھ عبدالکریم جمال رنگون والوں کے مدرسہ جام نگر میں مدرس اوّل ہیں۔ ان کی روشن خیالی سے خوشی ہوئی کہ حسب موقع داد دیتے رہے۔ اور رائے بُک پر برجستہ رائے لکھی۔

شام کو امریکن سوسائٹی نے اپنے کلب میں ڈنر پر مدعو کیا۔ اور چار گھنٹے خوب دلچسپ صحبت رہی۔ کھانے میں پچیس تیس عورت مرد شریک تھے۔ یورپین قاعدے

کے موافق کھانے کے آخر میں صدر نے میری نسبت حسب ذیل تقریر کی ۔
طور زیتا کے اس مقدس پہاڑ کے سامنے آج ہم لوگ جمع ہوئے ہیں جسکا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے۔ ایک بے تعصب روشن خیال ہندی مسلمان ہم میں موجود ہے جسکی دلچسپ باتوں کو ہم سب نے ابھی بہت شوق سے سُنا تھا۔ وہ جماعت ہمیشہ آرام سے رہتی ہے جسکی نظریں وسیع ہوں۔ اور جو کسی مذہب، قوم، رنگ سے سروکار نہ رکھتی ہو اور سب میں حق اور سچائی کو تلاش کرتی ہو۔ ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمکو شراب نوشی وغیرہ اشیاء سے محفوظ کیا ہے۔ اسلئے ہم اپنے مہمان کا وہ جام صحت نوش نہیں کر سکتے جس سے خود ہماری صحت کو ضرر پہنچے۔ بلکہ محبت کے اس ازلی جام کی گردش چاہتے ہیں جو اہل دُنیا کی باہمی کدورتوں کو دور کرنے والا ہو (چیرز) اگر ہم تاریخ کے صفحات چند صدیاں پیچھے ہٹ کر دیکھیں تو اس مہمان کی وہ صورت بڑی ڈراؤنی ہو جائے جسنے اسوقت ہم سب کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے (قہقہہ) میں خداوند کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں جسنے ہم کو ایسی پُر لطف صحبت عنایت فرمائی۔ اور ہندی مسلمان کو ملایا۔ (چیرز)

یہ تقریر عربی میں تھی جسکا جواب ٹوٹی پھوٹی عربی میں میں نے یہ دیا:۔
میز کی اس چھری کی قسم جس سے میں نے محبت کے گوشت کو اچھی کاٹ کاٹ کر کھایا ہے ہم سب ایک ٹھنڈے وقت میں یکجا ہوئے ہیں۔ تاریخ کے جن صفحات کا ذکر آیا ہے وہ زمانہ آج ہوتا تو اسی قسم کی چھری دشمنی سے گوشت کاٹتی ہوتی (قہقہہ) ہم سب نے اپنے حالات کو بدل دیا۔ چھری نے اپنی کاٹ نہیں بدلی۔ وہ گوشت پر برابر چل رہی ہے (چیرز اور پُر زور قہقہہ) انہیں مقدس پہاڑوں میں ہمارے اور آپ کے بزرگوں نے بہشت کی خاطر خون بہائے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور بہشت میں گئے ہوں گے۔ لیکن خدا نے آج ہم کو بھی وہ صحبت عنایت کی ہے جسکو جنت سے

تشبیہ دے سکتے ہیں۔ (چیرز) فارسی کا ایک شعر ہے عربی میں اسکا مفہوم بیان کیا گیا ہے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

پس یہی کیفیت آپ لوگوں کی ہے۔ اسلئے میں آج کی رات کو بہشتی رات کہتا ہوں۔
گو یہاں بوڑھے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں اور اسلامی تخیل کے بموجب بہشت میں سب
نوجوان ہونگے (قہقہہ) تاہم جب میں باعتبار سیرت نظر کرتا ہوں تو حاضرین میں
کسی کو بوڑھا نہیں دیکھتا اور بہشتی رات کی تشبیہ موزوں ہو جاتی ہے۔
مجھے معلوم ہے کہ آپ کی سوسائٹی کو اُسکے موجودہ طرز عمل اور موحدانہ عقائد کے
سبب متعصب عیسائیوں سے بہت سی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جس صاف
اور پاکیزہ راستہ کی جانب آپ نے قدم اُٹھایا ہے اور جیسا بے لوث کیرکٹر آپنے اختیار
کیا ہے وہ انجام کار دشمن کے ہر حربہ پر کامیاب ہوگا۔ چیرز۔ اور آمین۔
آخر میں آپ لوگوں کی مہربانی و مسافر نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے
حرام اور مضر صحت شراب کو ترک کر دیا ہے اسلئے آپ جام شراب نہیں پی سکتے
ہیں تو براہِ عنایت چاء کے اس نقشین پیالے کو پی لیجئے جو جام کو ثر کی ہمشکل ہے تاکہ
بہشتی رات کا نظارہ پورا ہو جائے۔ (چیرز)

۱۹- جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج گورنر سے پھر ملاقات ہوئی۔ بیروت کے قرنطینہ میں ہندی زائرین کو جو تکلیف
ہوئی تھی اُسکی اطلاع دی اور چاہا کہ اسکا مناسب تدارک ہونا چاہیے۔ گورنر نے فوراً
نوٹ بک میں اس شکایت کو درج کر لیا اور وعدہ کیا کہ ضرور ان تکلیفات کو دور کرنے
کی کوشش کرینگے۔
آج متعدد شرفا و اعیان بیت المقدس ملاقات کو تشریف لائے۔ رات کو شیخ

محمد الصالح مدیر مدرسہ روضۃ المعارف نے دعوت دی۔ اور سب جماعت کے یکجا کھانے اور بات چیت کے لطف نے رات کے گیارہ بجا دئے۔

۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

رات کو چونکہ منشی عبداللطیف صاحب جام نگری دیر تک مدح خوانی کرتے رہے تھے۔ اسلئے سونا دیر میں ملا۔ صبح سے طبیعت خراب ہے۔ آج شام کو گورنر نے حرم کی نقب دکھانے کو مدعو کیا۔ قریب عصر سب جماعت حرم میں گئی اور جبتک گورنر کا انتظار رہا۔ ایک بخاری بزرگ سے باتیں ہوتی رہیں۔ یہ عرصہ دراز سے مکہ معظمہ میں رہتے ہیں۔ ضعیف العمر ہیں۔ ایسی پُر زور گفتگو تھی کہ رونے دھونے کی نوبتیں آگئیں آئندہ زمانہ کی نسبت عجیب حوصلہ افزا خبریں دیں۔

بعد العصر گورنر مع جمیع اسٹاف کے تشریف لائے۔ حرم کے مشائخ اور شہر کے اعیان پہلے سے موجود تھے۔ صخرہ شریف کا مقفل دروازہ کھولا گیا۔ اور سب لوگ صخرہ کے اوپر گئے۔ یہیں گوشہ شمال میں نقب لگائی گئی ہے۔ نقب کے دہانہ پر پتھروں کا کچا پارہ چنا ہوا تھا۔ اسکو ہٹا کر گورنر نے مجکو اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔ اور خود تمام اکابر وجماعت مشائخ کے ہمراہ دہانہ پر کھڑا رہا۔ میں شمع لے کر اندر داخل ہوا۔ جگہ اسقدر تنگ ہے کہ بیٹھکر گھسنا پڑا۔ نقب کے وسط میں پتھر کی اڑواڑ لگی ہوئی ہے۔ اس میں سے اندر جانا بہت دشوار تھا تاہم اڑ پھنس کر آگے بڑھ گیا۔ بائیں پہلو میں ایک دوسری نقب دیکھی جسکا طول عرض ایک گز مربع تھا۔ اور پہلی نقب ۲۲ فٹ ۲ انچہ طویل اور ایک گز عریض تھی۔ اس وقت دل پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آجتک کوئی مسلمان داخل نہیں ہوا۔ میری قسمت میں خدا نے یہ نعمت رکھی تھی۔ اندرونی نقب سے رومال میں مٹی اور کنکر باندھ لئے۔

اسی نظارہ سے معلوم ہوا کہ نقب غیر مکمل ہے۔ کھودنے والے قبل از وقت بھاگ گئے اور کوئی چیز چرا نہ سکے۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے آثار اور اپنے مقبول پیغمبروں کے تبرکات کی حفاظت کی اور چوروں کو محروم جانا پڑا ؛

نقب کی پیمایش میں امام الدین صاحب خیاط امرتسری نے جو میرے رفیق سفر ہیں۔ وہاں بیٹھکر مدد دی۔ پیمایش کا فیتہ ان کے ساتھ تھا ؛

باہر آیا تو گورنر کو اندر کی مٹی دکھا کر لینے کی اجازت چاہی اس نے رومال کھلوا کر سب حاضرین کو مشاہدہ کرا کے لیجانے کی اجازت دی ؛

شام ہو گئی تھی۔ اسلئے وہ اپنے مکان کو تشریف لیگئے اور حضرت سلیمان کی مسجد والی نقب کا دیکھنا آئندہ پر ملتوی رہا۔ باہر نکلکر میں نے گورنر کا شکریہ ادا کیا۔ جسکے جواب میں اس نے مفصل تقریر کی جس میں بتایا کہ حکومت اس واقعہ سے غافل نہیں ہے، تحقیقات ہو رہی ہے اور امید ظاہر کی کہ میری اس تحقیق و تفتیش سے مسلمانان عالم خصوصًا مسلمانان ہند کو تسلی ہو جائے گی اور وہ یقین کرینگے کہ چوری کی خبر محض دشمنوں کی اڑائی ہوئی ہے معائنہ نقب کی خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی ہے اس لیے بکثرت لوگ آتے ہیں اور سوالات کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگوں کو اب بھی یقین نہیں اور کہتے ہیں کہ چوری ضرور ہوئی۔ رات کو منشی عبد اللطیف وغیرہ احباب کے ہمراہ امریکن سوسائٹی میں پھر گئے۔ اور ایک گھنٹہ کے بعد واپس آ کر نعت خوانی کی مجلس سنتے رہے اور سو گئے ؛

۲۱ - جولائی ۱۹۱۱ء

آج معائنہ نقب کی کیفیت قلمبند کر کے ہندوستان بھیجی۔ اور مسجد اقصیٰ میں تیسرا جمعہ پڑھا۔ بعد نماز جمعہ شیخ محمد صالح آفندی کے مدرسہ روضۃ المعارف کے سالانہ جلسہ میں آئے گورنر، قاضی، مفتی، اور سب اعیان و علما و مشائخ موجود تھے۔ بچوں نے اپنی تقریروں

اور نظموں سے خوب محظوظ کیا۔ ایک پانچ سالہ بچے احمد صائم کو ممبر پر کھڑا کیا گیا۔ جس نے نہایت جوش کے ساتھ عربیہ خطبہ پڑھا۔ حاضرین عش عش کہہ گئے اور میں نے اس ترکی ٹوپی والے ننھے سے جنگی مولوی کے سر پر اپنا عمامہ رکھ دیا۔ عمامہ پہنکر احمد صائم اکڑتا ہوا گورنر کو سلام کرنے گیا۔ اور حاضرین نے اس مجنونانہ خروش سے تالیاں بجائیں کہ پانچ منٹ تک اور کچھ کام نہ ہوسکا۔ جب یہ بچہ دوبارہ انعام لینے آیا تو عمامہ کو اپنے گلے میں بطور تلوار کے ڈالکر آیا۔ پھر چیرز کا شور ہوا۔ چار پانچ دفعہ انعام لینے کی نوبت پڑی۔ ہر بار اہل جلسہ اس ذراسی مورت کا پرجوش خیر مقدم کرتے تھے اور یہ مسکراتا ہوا دونوں ہاتھوں سے سلام کرتا پہلوانوں کی مثل بازوؤں کو ہلاتا ہوا باہر نکل جاتا تھا۔ گورنر نے اطلاع دی تھی کہ میری ملاقات کو جلسہ کے بعد تکیہ میں آئینگے مگر جلسہ خلاف امید بہت دیر میں ختم ہوا۔ اس لئے انھوں نے وہیں جلسہ میں معذرت کردی اور دوسرے مدرسہ کے جلسہ میں چلے گئے۔ قربت رمضان کے سبب آجکل سب مدارس میں امتحان و جلسے ہیں۔ اسکے بعد تعطیل ہوجائیگی آج طبیعت کچھ خراب ہے۔ رات کو بڑا کرب رہا۔ اور نیند صاف نہ آئی ؛

۲۲ ۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

امریکن سوسائٹی میں ایک صاحب مسٹر مائیرس ہیں بمبئی کی پیدائش۔ اردو خوب بولتے ہیں۔ ان کے ہمراہ انگریزی کونسل جنرل سے ملنے گئے۔ اس نے دریافت کیا۔ آپ کتنے عرصہ سے یہاں ہیں۔ جواب دیا بائیس دن سے۔ مگر بیس دن سے آپکا دشمن تھا۔ اسلئے ملنے نہیں آیا۔ دو دن سے دوستی ہوئی ہے۔ لہذا آج آگیا۔ کونسل نے ہنسکر پوچھا۔ دشمن کیوں تھے؟ کہا واقعہ نقب حرم کے سبب۔ کیونکہ یہ نقب انگریزی جماعت نے لگائی تھی جس سے مجھکو بہت افسوس تھا۔ لیکن لبستہ روزہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ انگریزی پارٹی کا کچھ قصور نہیں۔ خود ترکی حکومت نے فعل کرایا۔ اس کے بعد جب نقب کو اندر جاکر

بیت المقدس کا یہودی پیشوائے اعظم مع توریت کے

دیکھ لیا تو مکمل اطمینان ہوگیا کہ کوئی چیز چوری نہیں ہوئی ۔

کونسل صاحب نے مفصل واقعات سُنانے چاہے اور کہا کہ سب خطا ترکی حکومت کی ہے۔ میں نے کہا سنئیے صاحب اتر کوں کو کچھ نہ کہئیے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ ہم ہندوستانی مسلمان اپنے انگریز بادشاہ کو دل سے چاہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ہمکو ترکی حکومت سے بھی مذہبی محبت ہے۔ لہذا نہیں چاہتے کہ ان دونوں کی نسبت کوئی بُرا کلمہ سُنیں ایسے نازک زمانہ میں جبکہ ہم کو انگریزوں کی دوستی اپنے زندہ رہنے کے لئے لازمی ہوگئی ہے۔ نقب حرم کا واقعہ بڑا خطرناک واقعہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل زخمی کر دئے تھے لیکن تحقیق نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے دوست انگریز بے خطا ہیں۔ اور ترکی حکومت بھی بحیثیت سلطنت بے قصور ہے۔ الزام رشوت خوار افسروں پر قائم ہوتا ہے۔ سو اس سے بھی چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ حکومت ان کو سزا دینے پر آمادہ نظر آتی ہے ۔

نوجوان کونسل جنرل فہمیدہ معلوم ہوتا ہے۔ بہت دیر تک اخلاق سے بات چیت کرتا رہا۔ یہاں سے رخصت ہوئے تو ڈاکٹر ابوالشد یہودی سے ملاقات کی۔ یہ یہودی جماعت کے روشن خیال لوگوں میں ہیں۔ اور یہودیوں کو ترکی حکومت سے متحد کرنے کی اسی طرح کوشش کر رہے ہیں جس طرح ہند میں مسلمانوں کو انگریزوں سے ملایا جاتا ہے ۔

انھوں نے یہودیوں کی بیداری و ترقی کے بہت سے افسانے سُنائے اور امید ظاہر کی کہ مسلمان اور یہودی متحد ہو کر ایک قوم بنجائینگے۔ تیسرے پہر روٹر ایجنسی کے ایجنٹ تلاش کرتے ہوئے کوک کمپنی کے دفتر میں ملنے آئے۔ کیونکہ میں پھیر پھرا کر ڈاک لینے یہاں آگیا تھا۔ یہ ایجنٹ انگریز تھے۔ نقب کا واقعہ دریافت کرتے تھے۔ میں نے سارا قصہ من و عن سُنا دیا کہتے تھے کہ ہم ابھی روٹر کے ذریعہ تمام دنیا کے اخباروں کو آپ کی اس تحقیقات کی خبر بذریعہ تار بھیجدینگے۔ انکے سمجھانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کیونکہ یہ عربی سے نابلد اور میں انگریزی سے بے بہرہ۔ آخر کوک آفس کے منیجر نے ترجمانی کی۔ اور میرا مطلب انکو انگریزی میں سمجھایا

ایجنٹ کیا تھے۔ گویا کسی ہائیکورٹ کے وکیل تھے۔ فقرہ فقرہ پر جرح قدح کرتے تھے۔

میری اس عدم موجودگی کی حالت میں قاضی شہر تکیہ میں میری ملاقات کے لئے تشریف لائے اور ایک گھنٹہ انتظار کرتے رہے۔ یہ لوگ بڑے مسافر نواز ہیں۔ راستہ میں ملاقات ہو گئی۔ فرمایا آپ ہم کو حکومت میں کام ہے۔ ہمارا فرض تھا کہ آپ سے ملنے کو آپ کی قیام گاہ پر آئیں سو وہ پورا کر دیا۔

رات کو مدرسہ روضۃ المعارف میں سلطان صلاح الدین اور جنگ صلیبی کا ڈراما تھا۔ عیسائی بھی کثرت تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ رچرڈ اور صلاح الدین کا پارٹ کرنیوالے دو سگے بھائی تھے۔ دونوں نے اپنے فرض کا حق ادا کر دیا۔ ڈرامے کی زبان فصیح تھی اسلئے ہم اسکو بخوبی سمجھتے تھے۔ اس تماشہ نے جس میں صلیبی لڑائیوں کا ہو بہو نقشہ لباس وغیرہ دکھایا گیا تھا بہت ہی محظوظ کیا۔

۲۲- جولائی ۱۹۱۱ء

آج کی صبح رات کے جاگنے کے سبب بڑی تکلیف دہ صبح ہے۔ تمام بدن میں درد سر میں گرانی۔ ۹ بجے گورنر نے عید دستوری کے دربار میں مدعو کیا ہے۔ دیکھئے کیونکر جانا ہوگا۔

شیخ ابراہیم عبدالقادر آفندی آگئے۔ انکے ہمراہ اول تکیہ و چلہ گاہ حضرت بایزید بسطامی کی زیارت کی جو ہمارے تکئے کے بالکل قریب ہے۔ اس تکیہ میں حضرت کے خاندان میں سے کسی بزرگ کا مزار بھی ہے۔ کہتے ہیں اس تکیہ کے متعلق معقول وقف ہے۔ جسکو متولی اپنے صرف میں لاتا ہے اور تکیہ میں کچھ صرف نہیں کرتا۔

۹ بجے دربار میں گئے۔ آج اس ملک میں دوہری خوشی ہے۔ ایک شب معراج کی دوسرے پارلیمنٹ ملنے کے دن کی۔ تمام بازاروں میں ہلالی نشان لہرا رہے ہیں۔ گورنر کے مکان میں بڑی چہل پہل ہے۔ اس بجے صحن میں سب لوگ جمع ہوئے اور خطیب نے دعا مانگی

سارا مجمع آمین کہتا گیا۔ اس کے بعد گورنر نے تقریر کی اور قومی ترانہ بجنے پر دربار ختم ہوا۔ یہاں سے سب لوگ فوجی کیمپ میں گئے۔ کمانڈر کی جانب سے شربت و قہوہ کی تواضع کی گئی۔ گورنر کو یہاں کچھ دیر لگی۔ اسلئے ہم انجمن اتحاد و ترقی کو دیکھنے گئے۔ وہاں بھی خوب دھوم تھی :۔

تیسرے پہر جیل خانہ میں اُس افغان قیدی کو دیکھنے گئے جسنے چند امریکن لوگوں پر پستول چلایا تھا۔ یہ شخص صخرہ شریف کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں چند امریکن عورت مرد اندر گھس آئے۔ اُس نے سلام پھیر کر اُن کو منع کیا اور کہا کہ نماز کے آگے نہ آؤ۔ وہ لوگ نہ مانے۔ اور عیسائی ترجمان نے افغان کو دھکا دیا۔ جس سے یہ غضبناک ہوگیا اور پستول نکال کر پے درپے کئی فیر کر دئے دو عورتیں زخمی ہوئیں باقی غل مچاتے ہوئے بھاگ گئے اور افغان پکڑا گیا۔ امریکن سفیر نے افغان کو بے قصور بتایا اور کہا کہ خطا امریکن لوگوں کی تھی۔ وہ کیوں نماز کی حالت میں اسکے آگے آگئے۔ تاہم ترکی حکومت نے ازراہ محبت اسلامی اپنے اس دینی بھائی کو نو برس کے لئے جیلخانہ میں ڈالدیا۔ اور پھر لطف یہ کہ جیلخانہ سے اس کمبخت کو صرف تین سوکھی روٹیاں ملتی ہیں کپڑا وغیرہ کچھ نہیں :۔

یوں تو ترکی حکومت کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ مگر جیلخانہ کی حالت سب سے بدتر ہے۔ قیدی کچھ کام نہیں کرتے۔ رات دن ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ قیدیوں کو اپنے وارثوں سے بات چیت کرنے اور جیل میں ملنے جلنے کا حق حاصل ہے۔ ان کو یہ لوگ ہر قسم کا کھانا کپڑا دیسکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ جس غریب کا کوئی وارث نہو اُسکے لئے جیل دوزخ ہے۔ ورنہ بہشت کا ٹکڑا۔ ہم نے اس افغان سے ملاقات کی چالیس سالہ ہے۔ جہاردہ قریب کابل کا رہنے والا ہے :۔

بیچارا روتا تھا کہ ۹ برس کی قید میں پھنس گیا۔ تین چھوٹے چھوٹے بچوں بوڑھیا ماں اور بی بی کی کون خبر گیری کریگا جو اس اُمید میں ہونگے کہ میں حج کرکے واپس آنے والا ہوں۔ جیل سے

صرف تین روٹیاں ملتی ہیں۔ نہ اوڑھنا ہے نہ بچھونا۔ نہ پہننے کو کپڑے۔ اور قیدیوں کے وارث آتے ہیں اور کھانے پینے کو دیجاتے ہیں۔ میرا اس پردیس میں کوئی نہیں۔ جیل کے افسر مسلمان ہیں۔ مگر سب بیرحم۔ ان کو مجھپر کچھ ترس نہیں آتا۔ میرے پانچ اشرفیاں تھیں وہ بھی ان لوگوں نے ہضم کرلیں ؛

میں نے کہا بھائی گھبراؤ نہیں۔ ہندوستان کے مسلمان تمھارے وارث ہیں بیرحم ترکوں کا شکوہ نہ کرو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ تم نے جو کچھ کیا دین کی محبت دین کی حرارت سے کیا۔ یہ چند روزہ تکلیف ہے۔ اسکے بعد راحت ہی راحت ہے۔ اگر ہم تمھیں کچھ دیں تو وہ تمھارے پاس باقی رہیگا۔ یا چھن جائیگا۔ بولا نہیں۔ اب مجھ سے کوئی نہیں لیگا۔ اگر آپ میری مدد کر سکتے ہیں تو دریغ نہ کیجئے۔ یہ سنکر میں تکیہ میں آیا اور ہندوستانی جماعت سے ذکر کیا۔ آفریں میرے ہندوستانی بھائیوں پر ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق لاکر میرے آگے ڈھیر کر دیا۔ جس میں کپڑا اور نقدی شامل تھی۔ حافظ عبد القادر گنگوہی نے اپنی قیمتی شال دیدی۔ مانگرولی مولویصاحب نے کپڑا بھی دیا اور نقد بھی۔ سیٹھ حاجی عبد الکریم سلیمان بمبئی والوں نے معقول نقدی۔ امام الدین صاحب خیاط پنجابی نے معقول نقدی۔ ایک غریب کاٹھیا واڑی مسلمان نے کپڑا۔ راقم الحروف نے علاوہ تھوڑی سی نقدی کے وہ کمبل دیا جو چلتے وقت میرے مخلص دوست حبیب اللہ خاں صاحب جالندھری نے اس سفر کے لئے نذر کیا تھا۔ اس افغان کا نام بھی حبیب اللہ ہے۔ گویا جالندھری حبیب اللہ نے افغانی حبیب اللہ ہی کے لئے یہ تحفہ بھجوایا تھا ؛

یہ سب چیزیں افغان کے حوالے اُسوقت کی گئیں جبکہ میرے ہمراہ امریکن سوسائٹی کے دو ممبر بھی تھے۔ ان نیک عیسائیوں نے بھی حسب حیثیت افغان کی خدمت کی۔ اور مسلمان ترکوں سے زیادہ خدا ترسی دکھائی ؛

ان امریکن لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم امریکن سفیر کے ذریعہ سے ترکی حکومت کو

لکھینگے کہ اس غریب پر رحم کیا جائے۔ کیونکہ جس جماعت کا یہ قصور وار ہے وہ امریکن تھی۔ اس نے پہلے بھی دعویٰ نہیں کیا اور اب بھی اسکو کچھ دعویٰ نہیں بلکہ اس کی معافی اور بریت کی درخواست کرتی ہے ؛؛

بعد مغرب مسجد اقصیٰ میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں کہیں کہیں روشنی نظر آئی۔ سرکاری محکموں میں باجے بھی بج رہے تھے۔ بعض مقامات پر آتش بازی بھی چھوٹ رہی تھی۔ مگر وہ عام خوشی جو آج کی رات ہندوستان میں منائی جاتی ہے۔ نہ تھی۔ خبر نہیں ان لوگوں کے دل اس مسرت سے کیوں متاثر نہیں ہوتے جو قدرتاً انھیں میسّر ہے یعنی معراج خاص اسی مقدس زمین سے ہوئی تھی ؛؛

مسجد اقصیٰ میں خطیب صاحب معراج کا بیان کرتے ہیں اور قبۃ الصخرا میں جہاں سے ہمارے سرکار ﷺ آسمان پر تشریف لیگئے مفتی صاحب ذکر فرماتے ہیں۔ ہم نے قبۃ الصخرا میں بیان سُنا مفتی صاحب منبر کے اوپر تھے اور نیچے زینوں پر نعت خوان۔ مفتی صاحب تھوڑا سا بیان کرکے خاموش ہو جاتے تو یہ لوگ مل کر نعت خوانی کرتے تھے۔ بڑا مؤثر نظارہ تھا۔ لیکن مفتی صاحب کا اوپر بیٹھنا اور نیچے نعت کا پڑھا جانا۔ ادب کے خلاف تھا۔ منبر کے سامنے ایک تخت بچھایا گیا تھا جسپر گورنر اور قاضی جلوہ افروز تھے۔ گورنر نے اصرار کرکے مجھکو بھی اپنے پاس تخت پر بٹھالیا۔ مگر مجھکو یہ امتیاز پسند نہ آیا۔ اختتام ذکر کے بعد میں نے گورنر سے خواہش کی کہ خاص اس منبر پر ہم کو بھی ذکر معراج کی اجازت دیجائے تاکہ اہل ہند فخر کریں کہ اُن کی زبان میں خاص قبۃ المعراج کے اندر ذکر رسولؐ ہوا۔ گورنر نے خوشی سے اجازت دی اور میں نے منشی عبد اللطیف صاحب نظامی کو جن کا ذکر اوپر آیا ہے اور جن کو پہلے سے اس کام کے لئے تیار کرکے لے گئے تھے۔ منبر پر کھڑا کیا۔ منشی صاحب جن کو آئندہ میں اپنے مقرر کردہ لقب میاں صاحب سے یاد کرونگا۔ اردو زبان میں نعت خوانی کی۔ ماشاء اللہ میاں صاحب کا لحن اول تو یوں ہی پُراثر ہے۔ اسپر یہ خاص موقع۔ چاروں طرف سناٹا ہوگیا۔ اور عرب حاضرین بھی باوجود

زبان نہ سمجھنے کے بہت محظوظ ہوئے۔ خاتمہ پر گورنر نے اس زبان اور لحن کی بہت تعریف کی۔ اور کہا کہ اُردو زبان ترکی کے بہت مشابہ ہے۔ حامیانِ اُردو اس واقعہ پر جس قدر ناز کریں کم ہے کہ اُن کی پسندیدہ زبان اُردو کی معراج شبِ معراج میں کس اعلیٰ مقام تک ہو گئی۔ الحمد للہ دس بجے یہ سب رونق ختم ہو گئی اور حرم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ آج کی رات ہم لوگ سو چکر آئے تھے کہ ساری رات بیدار رہینگے۔ مگر مشائخ حرم کو نیند زیادہ آگئی۔ اس لئے اُنھوں نے جلدی سے حرم کو بند کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ اور نہ جانا کہ ان کے ایسے جلدی سو جانے سے کتنے ارمان کشتہ ہو جائینگے اور کتنے نصیب سو جائینگے۔ روشنی بھی شاندار نہ تھی۔ زیتون کے تیل کے قمقمے ٹمٹا رہے تھے۔ یا دو ایک میلے کچیلے جھاڑوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کل میں نے ایک خادم حرم سے پوچھا تھا کہ یہ جھاڑ اس قدر گرد آلود ہو رہے ہیں کبھی صاف نہیں ہوتے"۔ بولا کہ حکومت میں درخواست کی گئی ہے کہ شبِ معراج کی قربت کے سبب جھاڑوں اور قبہ کی صفائی ہونی چاہیے۔ وہاں سے منظوری ہو گئی تو صاف کر دیے جائینگے۔ سبحان اللہ۔ فرمانبردا حکم پر چلنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ خدا ہم کو ایسے کاہل وجود اطاعت گزاروں کے سایہ سے بچائے ؛

تکیہ میں آئے۔ اور یہاں خوب نعت خوانی کی گرما گرمی رکھی۔ وذٰلک فضل اللہ تعالےٰ

۲۳- جولائی سنہ ۱۱ء ۱۹

آج روانگی کا دن ہے۔ صبح سے لوگ ملاقات کے لئے آرہے ہیں۔ ان میں ایک نئے صاحب عبد السلام آفندی بھی آئے۔ بوڑھے ہیں مگر ہٹے کٹے چونچال۔ کسی جگہ عہدہ گورنری پر مامور ہیں۔ یہ وہی عبد السلام آفندی ہیں جن کی مولانا شبلی نے

ترک گورنر بیت المقدس اور تمام امرا و مشائخ مذکورہ کے تعجب کے سوراخ پر جبکہ خواجہ حسن نظامی اسکو دیکھکر باہر نکلے

اپنے سفرنامہ میں بہت تعریف کی ہے۔ اور جن کے ابن عم شاکر آفندی کا دلخراش فسانہ لکھا ہے۔ میں نے عبدالسلام آفندی کو مولانا کی تحریر عربی میں ترجمہ کر کے سُنائی۔ بہت خوش ہوئے اور دیر تک مولانا شبلی کی تعریف کرتے رہے۔

نو بجے گورنر نے حرم میں بلایا تاکہ مسجد حضرت سلیمان علیہ السلام کی نقب دیکھیں اور خاص دہانہ نقب پر ہماری تصویر بھی لی جائے گی۔ آج تمام مشائخ و اعیان قدس موجود تھے۔ مسجد واقعہ نقب کے بعد سے مقفل رہتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جسکو عیسائی دنیا ہیکل سلیمان کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ اس کو جنات نے بنایا تھا۔ اب یہ موجودہ مسجد اقصیٰ کی عمارت کے شرقی رخ تہ خانہ میں ہو گئی ہے۔ یعنی اس کے اوپر مسجد اقصیٰ کی عمارت ہے۔ اس میں جانے کے لئے ایک طویل زینہ سے نیچے اُترنا ہوتا ہے۔ مسجد کی چھتیں تابوتی ہیں اور اس قدر بلند ہیں کہ انکی صناعت پر حیرت ہوتی ہے پتھر ایسے بڑے بڑے لگائے ہیں کہ بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ جنات نے نہیں تو ان انسانوں نے اسکو ضرور بنایا۔ جن میں مافوق العادت طاقت تھی اور فن عمارت میں کامل تھے۔ اس کی دیواروں میں کہیں کہیں حلقے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جنات ان سے باندھے جاتے تھے۔

نقب جہاں لگائی گئی ہے وہ مغربی حصہ ہے۔ یوں تو متعدد جگہ نقب کے نشانات ہیں۔ مگر سوراخ ایک ہی ہوا ہے۔

جب ہم نے نقب کے سوراخ کو جھانک کر دیکھا تو اندر سے بہت گہرا پایا۔ نیز نقب کے کا دہانہ اس قدر مختصر تھا کہ اندر داخل ہونے کی کوئی آسان صورت نظر نہ آتی تھی۔ اسکے علاوہ ایک طرح کا خوف بھی تھا۔ کیونکہ غار نہایت تیرہ و تاریک تھا۔ تاہم خدا کا نام لیکر کرتہ و عمامہ اُتار ڈالا۔ اور لیٹ کر پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے سوراخ میں گھس گئے۔ باہر سے لوگ ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ہم اندر نقب میں پاؤں سے زمین ٹٹولتے تھے مگر وہ ملتی نہ تھی

یعنی بہت گہرائی تھی۔ بہزار دقت پاؤں ٹیکے اور شمع لے کر آگے بڑھے۔ بعد میں شیخ محمود آفندی خادم حرم بھی شمع لے کر داخل ہوئے۔

غار اندر سے بہت وسیع ہے۔ تقریباً ۵ قدم طویل ہے۔ عرض کہیں چوڑا ہے کہیں سکڑا۔ نمی اور ٹھنڈک کے سبب ہاتھ پاؤں میں درد ہونے لگا۔

اوّل سے آخر تک ہر حصہ غار کو نہایت اطمینان و غور سے دیکھا۔ اس غار کی حالت اس قدر خراب ہے۔ اور پہاڑ کی اندر ایسی بے قرینہ ہیئت ہے۔ اور ایسے اونچے نیچے پتھر نکلے ہوئے ہیں کہ یہ گمان ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہاں اسباب رکھا ہوگا۔ یہ مقام مصنوعی نہیں ہے۔ قدرتی غار ہے جسکو غالباً حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایام میں تیغہ لگا دیا گیا ہوگا۔ اسلئے خیال ہے کہ یہاں سے کبھی کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔

اگر متقدمین نے قیمتی آثار کو ایسے بے ڈھنگے گڑھے میں ڈالدینا گوارا کیا ہو تو ممکن ہے کہ چوری کا قصہ صحیح ہو۔ کیونکہ یہ نقب خوب اطمینان سے ٹٹولی گئی ہے۔ جسکا ثبوت یہ ہے کہ یہاں سے مجھکو شراب کی بوتلوں کے کاگ ملے جن کو میں نے جیب میں ساتھ لے لیا۔ غالباً سردی کے سبب سارقین نے شراب پی پی کر مال کی تلاش کی ہے۔ نقب کے دہانہ کے قریب اندر کے رخ چھت کے پتھر پر شمع کے دھوئیں سے نام لکھے ہوئے ہیں۔ ایک نام فرانسیسی یا کسی ایسی زبان کے حروف میں تھا جسکو میں پڑھ نہ سکا۔ یہ نام دہانہ نقب کے اندر داخل ہوتے ہی ایک گوشہ میں ہے۔ دوسرا ذرا آگے بڑھ کر ہے۔ اول حرف سی ہے۔ اسکے بعد عربی خط میں کامل حسینی ۱۳۲۹ھ لکھا ہے۔ نہیں معلوم یہ کامل حسینی کون شخص ہے۔ اور آیا اصلی کامل حسینی ہے یا کسی نے فرضی نام لکھدیا ہے۔

نقب سے باہر نکلتے وقت بھی بڑی دقت ہوئی اور لوگوں نے بہزار مشکل

حضرت سلیمان کی مسجد کے اندر حضرت عیسیٰ کے پرورش خانہ کے پاس

باہر کھینچا۔ امریکن فوٹوگرافر تیار تھا۔ نقیب کے داہنے پر ایک رخ مجھکو کھڑا کیا گیا
اور دوسری طرف گورنر۔ تمام مشائخ حرم کو لیکر کھڑا ہوا۔ میں نے اپنے برابر
ہندی تکیہ کے شیخ عبدالقادر کو کھڑا کر لیا۔ اور باقی ہندی برادران مثلاً
سیٹھ عبدالکریم حاجی سلیمان بمبئی والے۔ امام الدین صاحب امرتسری عبدالقادر
صاحب نگینوی گورنر کی جماعت میں کھڑے ہو گئے اور مصنوعی روشنی کے ذریعہ فوٹو
کھینچ گیا۔ اس کے بعد مقام پرورش حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جو اسی مسجد
کے اندر ہے۔ دوسرا فوٹو اور لیا گیا۔ اس میں گورنر کے برابر کھڑا کیا گیا ہوں۔
رخصت کے وقت گورنر سے کارڈوں کا تبادلہ ہوا۔ اور شکریہ کے معمولی
الفاظ کام میں لائے گئے۔

تکیہ میں آنے سے پہلے حرم قدس کے وسط میں کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔
الوداع اے پاک و بابرکت زمین! جو آیا تھا وہ جاتا ہے۔ تو بھی عدم سے
آئی ہے چل۔ آنے والے کے لئے جانا لازم ہے۔ کب تک ان پہاڑوں
کی گود میں سوئے گی۔

قدرت والے۔ کرم و فضل والے خدا۔ تیرا یہ عاجز بندہ مقام مقدس
سے رخصت ہوتا ہے۔ اب شاید یہ شاداب و دل آویز نظارہ میرے
جسم کی آنکھوں کو میسر نہ آئے۔ تیرے گھر کی خیر۔ میرے گھر کی خیر۔ تیرے
بندوں کی خیر۔ میرے دوستوں، بزرگوں، پیاروں کی خیر۔ جسکو تو چاہتا
ہے اُس کی خیر۔ جسکو میں چاہتا ہوں۔ آمین۔

تکیہ میں آکر شیخ عبدالقادر صاحب شیخ التکیہ کی خواہش کے موافق انکو اجازت
سلسلہ چشتیہ کی دی گئی۔

یہاں قدس میں ایک چشتی بھی نہیں۔ خاصکر چشتیوں کے تکیہ میں ایک چشتی شیخ نہ ہو

ضروری معلوم ہوا۔ اس لئے شیخ عبدالقادر کو مجاز بنایا گیا۔ کہ وہ چشتیہ طریقہ میں لوگوں سے بیعت لیں ؀

ریل پر آئے۔ باوجودیکہ سب احباب کو منع کر دیا تھا۔ کہ کوئی صاحب ریل پر پہنچانے نہ آئیں۔ کیونکہ میری طبیعت ان ایام میں نہ استقبال کو پسند کرتی ہے نہ مشایعت کو۔ مگر اہل قدس کب مانتے تھے۔ مسلمان و عیسائی سب ہی جمع ہو گئے اور اپنی مہمان نوازی اور مسافر پروری کا ثبوت دیا۔ رملہ ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ وقت کے کمی کے سبب پورا نہ ہو سکا۔ مگر منشی عبداللطیف خاں صاحب عرف میاں صاحب صبح کی گاڑی میں رملہ چلے گئے تھے۔ عصر کے قریب ہماری گاڑی رملہ سے گزری تو ان کو اسٹیشن پر موجود پایا۔ رملہ کی زیارات کی یادداشت لکھتے لائے ہیں جو زیارات سفر کی فہرست میں درج ہو گی۔ یافہ میں حاجی درویش کے آدمی اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کے ہمراہ لوکندہ میں آئے۔ حجاج اکثر لوکندوں میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتے۔ حاجی درویش جیسے دلالوں کے پاس متعدد مکان ہوتے ہیں۔ جن میں نہ صفائی کا انتظام ہے نہ فرش و پلنگ کا۔ انہی میں اُن کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ مجھکو بھی حاجی سمجھکر ان دلالوں نے بہت حیران کیا۔ اور متعفن گلی کوچوں میں مکان دکھاتے پھرے۔ آخر جب میں نے ڈانٹ کر کہا کہ میں ان کثیف مقامات میں رہنا نہیں چاہتا۔ صاف ہوٹل میں لے چلو تو بمشکل نصرانی کے لوکندے میں جو بہت صاف ستھرا۔ اور دس آنہ روز کرایہ کا جامع مسجد کے قریب ہے لے گئے۔ رات تکان کے سبب تکلیف سے گزری ؀

۲۴۔ جولائی ۱۹۱۱ء

صبح بیدار ہو کر سب سے پہلے انگریزی کونسل کے پاس گئے۔ کیونکہ رات کو خبر

ملی تھی کہ جو مسافر دمشق و بیروت سے آتے ہیں۔ اور پورٹ سعید جانا چاہتے ہیں۔ اُن کو ترکی حکومت جبراً یافہ اُتار لیتی ہے۔ اور پورٹ سعید نہیں جانے دیتی اس ظالمانہ خبر نے ساری رات بے چین رکھا۔ اللہ۔ میرے اہلِ وطن ایسے ناتوان و کمزور و ذلیل ہو گئے کہ ہر گورے رنگ کا آدمی ان کو ٹھکرانا چاہتا ہے۔ ترک پہلے حکومت کرنی تو سیکھیں۔ اسکے بعد ہم غریبوں کو ستائیں ۔

انگریزی کونسل بیماری کے سبب دفتر میں نہیں آیا تھا۔ اسکے نائب نے اطمینان دلایا اور کہا کہ ہم نے استنبول وغیرہ مقامات پر تار بھیجے ہیں کہ یہ ظالمانہ کارروائی مناسب نہیں۔ امید ہے کہ وہاں سے اچھا حکم حاصل ہوگا ۔

یہاں سے حضرت علی بن علیمؒ کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ آپ کی زیارت یافہ سے تین گھنٹہ کے راستہ پر ہے۔ گھوڑا گاڑی جاتی ہے۔ مگر راستہ اسقدر خراب ہے کہ گاڑی سے پیدل چلنا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ کشتی کا ہے۔ مگر اس میں بھی متعدد خوف ہیں۔ یافہ کا سمندر ہر وقت متلاطم رہتا ہے ۔

چونکہ حضرت علی بن علیم رح کی اس علاقہ میں بڑی شہرت ہے۔ کہتے ہیں۔ ان کے مزار پر جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ اور سات پشتیں اگلی پچھلی بخشی جاتی ہیں۔ ہماری جماعت کی کشش کے لئے یہ خبر بڑی مؤثر ہوئی۔ اور اُس نے چلنے پر مستعدی ظاہر کی۔ سوا روپیہ فی کس کے حساب سے کشتی ٹھہرا لی گئی۔ اور ہم سب دس آدمی روانہ ہوئے۔ آخر وہی سامنے آیا جس کا ڈر تھا۔ دریا اس قدر جوش میں تھا کہ الامان۔ سوائے میرے اور میاں صاحب و احمد بمبئی والے کے سب چھوٹے بڑے قے کرتے کرتے پریشان ہو گئے۔ شکر ہے کہ مجھکو بجائے چکر و تکلیف کے پانی کی اس ہل چل میں بڑا لطف آیا۔ اسیطرح یہ کہ میاں صاحب نے نعت خوانی شروع کر دی۔ ڈیڑھ گھنٹہ میں حضرت کے مزار پر پہنچے۔

یہاں دریا کے کنارے چھوٹا سا بازار لگا ہوا ہے۔ یہ تربوزوں کا گھاٹ ہے لاکھوں تربوز اطراف و جوانب سے لا کر جمع کیے جاتے ہیں۔ اور کشتیوں میں یافہ۔ مصر و اسکندریہ بھیج دیے جاتے ہیں۔ بڑی معقول تجارت ہے۔ ہماری کشتی کنارے پر آئی تو عجب بیحیائی کا منظر دیکھا۔ بیسیوں نوجوان لڑکے ننگے نہا رہے تھے۔ جب ہم کنارے پر اُترے تو وحشیوں کی طرح پانی سے نکل کر ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ان کا شرمناک ہجوم۔ اور ہمارے ساتھ عورتیں۔ آخر ایک سمجھدار عرب کے سمجھانے سے یہ جانور پرے ہٹے۔

صحرائی عرب ابتک ایام جہالت کی تاریکی میں مبتلا ہیں۔ حضرت کا مزار ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ چڑھ کر گئے۔ ظہر کی نماز پڑھی۔ اور بہت دیر تک مزار شریف کے پاس بیٹھے رہے۔ یہ مزار گنبد میں نہیں ہے۔ کھلا ہوا ہے۔ حضرت علی بن علیم؟ حضرت عمر فاروق رضؓ کی چوتھی یا پانچویں پُشت میں ہیں۔ واقعی مزار پُرکیف و با اثر ہے۔ بہت جی لگا۔

واپسی کے وقت بھی چکروں کی پریشانی رہی۔ تاہم میں اور میاں صاحب اب بھی محفوظ رہے۔ رات بھر لوگوں کو چکروں کی تکان نے بے آب و دانہ رکھا۔

۲۵۔ جولائی ۱۹۱۱ء

آج دن بھر ہوٹل میں رہے۔ بعد ظہر بیروت جانے والے جہاز میں سوار ہوئے۔ یہاں سے حافظ عبدالقادر نگینوی سے جدائی ہو گئی۔ وہ عدن کو واپس جاتے ہیں۔

آسٹرین کمپنی کا الگڑا جہاز ہے۔ بیروت تک تھرڈ کلاس کا سوا مجیدی یعنی ۶ کرایہ لیا۔ قریب مغرب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ بعد مغرب میں کسی ضرورت

سے اُٹھا تو دیکھا۔ جوتی ندارد ہے۔ چاروں طرف دیکھا پتہ نہیں۔ ساتھیوں نے اپنے اسباب کی تلاشی لی۔ سب ٹھیک تھا۔ مگر سیٹھ عبدالکریم حاجی سلیمان کے انڈے جو وہ راستہ کے لئے بہت سے لے آئے تھے۔ چوری گئے۔ مشورہ ہوا کہ یہ کام جہاز کے نوکروں کا ہے۔ ساری رات ہوشیار رہنا چاہئے۔ باری باری سے ایک ایک آدمی جاگے۔ پچھلی رات چور پھر آئے اور متعدد مسافروں کی جیبیں کتریں۔ اسباب چرایا۔ تربوزوں کے ایک تھیلے کو کاٹ رہے تھے کہ میاں صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ بے تحاشا چیخ کر پکڑنے کو دوڑے۔ دیکھا کہ جہاز کا یورپین خلاصی تھا۔ سب مسافر جاگ اُٹھے اور خلاصی بھاگ گیا۔ اسی وقت امام الدین صاحب امرتسری نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو بولے کہ میری جیب کی اشرفیاں بھی چوری گئیں۔ اُدھر چھت پر سے ایک عرب روتا ہوا آیا کہ اُس کی جیب کاٹ کر چھ اشرفیاں نکال لیں۔ کٹی ہوئی جیب بھی دکھائی۔

۲۶ - جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

یہ طوفان دیکھکر صبح کو ان سب فریادیوں کو لیکر کپتان کے پاس گئے۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ مگر اُس نے ٹال دیا اور کہا تھرڈ کلاس کے ہم ذمہ دار نہیں ہر چند میں نے سمجھایا لیکن مغرور آسٹرین نے تحقیقات سے صاف انکار کیا۔ بیروت میں جا کر انگریزی کانسل سے داد چاہینگے۔ ان ممالک میں انگریز اپنی رعایا کی بڑی حمایت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس خرچ نہ رہے تو کرایہ وغیرہ کی مدد بھی دیتے ہیں۔

آج صبح جہاز نے حیفہ پر قیام کیا اور ہم اس کی سیر کو گئے۔ پرانی طرز کا میلا کچیلا شہر ہے۔ حجاز ریلوے کے دفاتر یہیں بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے ان سب کو جاکر دیکھا اور کھانا وغیرہ خرید کر جہاز پر چلے آئے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی ہے جسکی مرمت سلطان عبدالحمید خاں نے کرائی تھی۔ اسکے کتبے سے سلطان موصوف کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ میرے لئے یہ پہلا موقع تھا۔ ایک عرب سے جو غالباً حیفہ کے ممتاز شرفا میں سے تھا۔ دریافت کیا تو اُس نے نہایت خشم آلود لہجہ میں کہا کہ یہ ہماری حریت مآب پارلیمنٹ کی کارستانی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ سلطان عبدالحمید کا نام کسی جگہ لکھا رہے میں نے کہا۔ آپ لوگ عبدالحمید خاں کو پسند کرتے ہیں؟ بولا پسند کیا معنی ہم انکے لئے آنسو بہاتے ہیں۔ اگر ہمیں رونے دیا جائے تو کبھی نہ تھمیں۔ اس قدر ہمارے دل اس نیک مرد کو چاہتے ہیں ٭

حیفہ سے عکہ قریب ہے جہاں بابی فرقہ کے سرگروہ عبدالبہا آفندی نظربند ہیں۔ دو گھنٹہ میں گھوڑا گاڑی پہنچ جاتی ہے۔ راستہ خام ہے ٭

شام کو بعد مغرب بیروت میں داخل ہوئے۔ کشتی سے کنارے پر قدم رکھا تو مسٹر انوارالحق کو استقبال کے لئے کھڑا پایا۔ یہ خان بہادر مولوی عبدالحامد صاحب مجسٹریٹ دہلی کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے بڑے بھائیوں عبدالستار صاحب اور عبدالجبار صاحب نے بیروت میں ایک دارالعلوم کھولا ہے جس میں عربی و انگریزی پڑھائی جاتی ہے ٭

کنارے پر آتے ہی پولیس نے گھیر لیا۔ اور کہا کہ قرنطینہ جانا ہوگا۔ ہم نے بیس دن سے زیادہ قدس میں قیام کر لیا تھا۔ قانوناً ہم پر قرنطینہ لازم نہ آتا تھا مگر پولیس نے ایسی بے رحمی کا برتاؤ کیا اور دو گھنٹہ ایسی اذیت دی کہ پناہ بخدا رات کا اندھیرا۔ عورتوں اور بچوں کا ساتھ۔ ڈاکٹر کے نامعلوم گھر کی طرف پولیس دھکے دیدے کر ہانکے لئے جارہی تھی۔ گاڑی میں سوار ہونے کی کسی کو اجازت نہ تھی

رات کے گیارہ بجے فرانسیسی ڈاکٹر کے پاس پہونچے اور اس نیک مرد نے رہائی بخشی۔ پولیس کی یہ شرارت رشوت خواری کی ہوس میں تھی۔ بارہ بجے بھوکے پیاسے ہوٹل میں آکر پڑرہے ؀

۲۷- جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

علی الصباح انگریزی کانسل کے پاس گئے۔ اور امام الدین صاحب کی چوری کا قصہ سنایا۔ اس نے ہمدردی کا اظہار اور امام الدین صاحب کو مصر پہنچا دینے کا وعدہ کیا۔ اسکے بعد مسلمانان ہند کی نسبت سوال کرتا رہا ؀

کونسل سے واپس آکر جمعہ کی نماز کو گئے۔ جامع مسجد میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا مزار ہے۔ نیز ایک موئے مبارک حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

جمعہ کے بعد عبدالستار صاحب الخیری دہلوی نے اپنے دار العلوم میں مدعو کیا اور سیٹھ عبدالکریم کو بھی مع ان کی اہلیہ کے بلایا۔ عبدالستار صاحب کی زوجہ دہلی سے آئی ہیں۔ اور مدت سے کسی ہندی عورت کو نہیں دیکھا۔ سیٹھ کی اہلیہ سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ یہ یہاں عرب کے دستور کے موافق برقع اوڑھ کر بازاروں میں پھر سکتی اور سودا خرید لاتی ہیں ؀

عبدالستار صاحب نے کلیہ سوریہ کی سیر کرائی۔ مگر آجکل یہاں تعطیل ہے۔ یہ بیروت کی مشہور امریکن یونیورسٹی ہے۔ مولانا شبلی نے اس یونیورسٹی کے جسقدر حالات لکھے ہیں وہ غلط ہیں۔ انھوں نے کسی اور کالج کو کلیہ سوریہ سمجھ لیا۔ کیونکہ انھوں نے کلیہ سوریہ کی جو کیفیت لکھی ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی۔ کلیہ سوریہ بڑے پُرفضا موقع پر واقع ہے۔ سرسبز پہاڑ پر اسکی عمارتیں ہیں۔ جن کے نیچے سمندر

موجیں لے رہا ہے۔ اس یونیورسٹی کے مفصل حالات سفرنامہ کے دوسرے حصہ میں درج کئے جائیں گے۔

تمام پارٹی نے بڑے لطف سے دارالعلوم کی عمارت میں جمع ہو کر کھانا کھایا اور ہوٹل واپس آئے۔

۲۸- جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

صبح ساڑھے سات بجے بیروت سے روانہ ہوئے اور عصر کے وقت دمشق پہنچے۔ تمام راستہ پہاڑوں کا ہے جو اس قدر سرسبز ہیں کہ بہشت کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں کو لبنان کہتے ہیں۔ یہاں بکثرت نصاریٰ آباد ہیں اور فرانسیسی حکومت کا اثر زیادہ ہے

بیروت سے دمشق تک جو پہاڑ ہیں۔ ان کی دل فریبی کا کیا کہنا جب ریل کسی اونچی چوٹی پر چڑھتی تو غاروں اور وادیوں کی سرسبزی۔ انگوروں کی بیلوں کا لہلہانا۔ بادلوں کا نیچے گھرا ہوا نظر آتا۔ سامنے کوسوں سمندر کی سطح ایسے نظارے ہیں کہ جی سیر نہیں ہوتا۔ یہی وہ شامی پہاڑ ہیں جن کے تذکرے توریت انجیل قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہیں۔ ہندوستان کے ہریالے پہاڑ بھی میں نے دیکھے۔ سبحان اللہ اپنی شان میں یہ بھی نمونۂ قدرت ہیں مگر شامی پہاڑوں میں غالباً خدا نے اپنے مخفی حسن کا جلوہ بکھیر دیا ہے۔ درخت اور سبز پتے تو درکنار جنگلی کانٹوں تک کی رنگینیاں اور شوخیاں آنکھوں میں چھپی جاتی ہیں

آب و ہوا کا یہ عالم کہ اس سرزمین میں ریل کا داخل ہونا تھا کہ دماغ میں طرح طرح کے ولولے اور جذبے پیدا ہونے لگے۔ ایک جگہ ریل ٹھہری۔ بیسیوں عورتیں بچے دوڑے ہوئے آگئے۔ ہاتھوں میں بڑی بڑی روٹیاں پنیر

اُبلے ہوئے انڈے۔ کسی کے ہاتھ میں تازہ اخروٹ کی گری۔ کوئی سیب مش مش اور آلوچہ انجیر سے لبریز ٹوکریاں لئے ہوئے۔ دو پیسہ کا ہلیلہ یا مسابیاک دیا۔ اس نے میوہ کی ٹوکری قدموں میں خالی کر دی۔ یا الٰہی یہ زمین ہے یا بہشت۔ میوہ اتنا سستا۔ کون کھا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں جو سیب دو پیسہ اور چار پیسہ عدد آتا ہے اس کی وہاں دو پیسہ کو ایک دو سیر کی لبریز ٹوکری دستیاب ہوتی ہے اور پھر ذائقہ کی نہ پوچھئے۔ انجیر رنگ سبز درمیانی سیب کی برابر اور اس قدر شیریں کہ دو مشکل سے کھائے جائیں۔ یہی حال اور میووں کا سمجھئے۔ کاش ترک ان کی تجارت کرتے اور حفاظت کے ساتھ غیر ملکوں میں بھیجتے اور لاکھوں کروڑوں روپیہ سے خزانہ بھرتے۔ تاہم دوسرے پہلو سے ملک والوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ملک کی چیز ملک میں رہے ؎

ان پہاڑوں میں جگہ جگہ آبادیاں ہیں جن میں عموماً عیسائی آباد ہیں مسلمان بھی ہیں۔ امیر لوگ گرمی کے موسم میں یہاں آکر رہتے ہیں شاندار ہوٹل اسٹیشنوں کے قریب بنے ہوئے ہیں ؎

ایک اسٹیشن پر گاڑی ٹھہری۔ چند بچے۔ لڑکے۔ لڑکیاں پیسے مانگنے آ گئے ایک لڑکی بولی۔ محمدؐ کے نام کا صدقہ مجھے کچھ دو۔ اس معصوم کی زبان سے ان اونچے اخضری پہاڑوں میں یہ نام کیسا بھلا لگا۔ میں نے کہا میرا سب مال اس نام پر کیا قربان کردوں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی یہی گونجنے آیا۔ جو کچھ جیب میں تھا بچی کے آگے رکھدیا۔ آنکھیں آنسو برساتی تھیں۔ آواز بے قابو تھی۔ دل سینہ میں پھڑکا جاتا تھا۔ لڑکی یہ سماں دیکھ کر دعائیں دینے اور درود شریف کے اشعار پڑھنے لگی۔ زخموں پر نمک پاشی تھی۔ اسی اثنا میں ایک اور لڑکا آیا

اس نے بھی مانگا۔ اور دوسرے بچوں سے واقعہ سن کر اس ظالم نے بھی یہی نام لیا۔ مسافر پر کتنا ظلم تھا۔ مجکو یہ فتنے کس قدر ستاتے تھے۔ حاجی عبدالکریم سیٹھ بمبئی سے مانگا۔ کر اس کے بھی کچھ حوالے کیا۔ کیونکہ بے نوا کی جیب خالی تھی۔ یہ دیکھ کر لڑکی بولی۔ یا حاجی واللہ ہذا النصرانی۔ خدا کی قسم یہ تو عیسائی ہے آپ نے اس کو کیوں دیا۔ میں نے کہا نادان عیسائی ہے تو ہوا کرے۔ سُنتی نہیں اس نے نام کس کا لیا۔ اس نام کے دربار میں عیسائی۔ موسائی۔ مسلمان سب برابر ہیں۔ قربان اس نام کی ٹھنڈک کے۔ صدقے اس نام کی نشتر اندازی کے۔ نثار اس نام کی نامعلوم زخم آفرینی کے ؞

عصر کے وقت دمشق کے اسٹیشن پر پہنچے۔ حاجی عبداللہ ہندی استقبال کو موجود تھے۔ یہ ہندی مسافروں کی رہبری کا پیشہ کرتے ہیں۔ ہوٹل والوں کی تھوڑی سی کش مکش یہاں بھی ہوئی۔ مگر ہم لوکندہ قدس الشریف میں ٹھہرے اسکے مالک سید درویش نوجوان اور ملنسار آدمی ہیں ان کے والد کا ایک قدیمی ہوٹل مدینہ منوّرہ کے نام سے قائم ہے۔ اب انھوں نے اپنا ذاتی ہوٹل قدس الشریف کے نام سے کھولا ہے ؞

دمشق پہنچتے ہی ڈاک کا خیال آیا۔ حاجی عبداللہ ہندی نے بیان کیا۔ حسن نظامی کے نام سے بہت سے خطوط آئے تھے۔ ڈاکخانہ نے ایک ایرانی تاجر کو جس کا نام حسن نظامی ہے وہ خطوط دیدئے ہیں۔ وہ تاجر مجھ سے کہتا تھا کہ یہ ڈاک کسی ہندی کی ہے۔ میری نہیں ہے۔ میں نے امانت رکھ چھوڑی ہے۔ اس نام کا کوئی شخص آئے تو مجھ کو خبر کرنا ؞

مجھکو اس خلفشار سے ایک گونہ اُلجھن تو ہوئی اور کئی ہفتہ کے انتظار کے بعد اپنے ملک کی حالت معلوم کرنے کا جو شوق تھا اُس کو صدمہ پہنچا۔ لیکن

اس لطف نے کہ میرا ہمنام اس شہر میں ہے غم غلط کردیا۔ میرا خیال تھا۔ کہ ہندوستان میں میرا ہمنام کوئی نہیں ہے۔ تاریخ فرشتہ میں ایک مؤرخ کا نام حسن نظامی بچپن میں دیکھ کر میں نے یہ لقب اختیار کیا تھا اور علی حسن کی جگہ حسن نظامی نام رکھا تھا۔ مگر دمشق میں ہمنام نکل آیا۔

وہ رات خاموشی میں گزاری۔ کھانا دوسرے ہوٹل سے منگا کر کھایا اور سو گئے۔

۲۹- جولائی ۱۹۱۱ء

صبح بیدار ہوکر سب سے پہلا کام ڈاک لینا تھا۔ حاجی عبداللہ کے ہمراہ دمشق کی گلیاں چھانیں۔ گندی گلیاں ہیں۔ مگر بعض مقامات پر دہلی کا لطف آتا ہے۔ پُرانے شہروں میں ہر جگہ یہی منظر نظر آتے ہیں۔ ایرانی تاجر کے مکان پر پہنچے تو دروازہ نہایت پست اور بھدا معلوم ہوتا تھا۔ خیال تھا کہ مکان اندر سے نہایت مختصر اور معمولی ہوگا۔ لیکن جونہی اندر داخل ہوئے اسکو بہشت کا ٹکڑا پایا۔ چمن لگے ہوئے تھے۔ فوارے چل رہے تھے۔ سنگ مرمر کا فرش تھا۔ چھوٹی چھوٹی مرمری نہروں میں پانی بہ رہا تھا۔ تاجر صاحب دروازہ تک لینے آئے۔ اور اندر کمرہ میں لیجا کر بٹھایا۔ یہ کمرہ سیپ کی پچی کاری سے جگمگا رہا تھا۔ دمشق میں سیپ کی پچی کاری مکانوں کے اندر بہت کی جاتی ہے اور صدہا قسم کے سامان سیپ کے نقش و نگار سے تجارت کے لئے بنائے جاتے اور بازار میں بکتے ہیں۔

ایرانی صاحب نے گرم گرم میٹھی چاء پلائی اور نمکین ڈاک سرحمت کی۔ اُدھر میزبان منتظر کلمہ و کلام۔ اِدھر مہمان کاغذی پُرزوں کی دید میں بیجیں۔ متانت کہتی تھی۔ غیر ملک والہ کے سامنے وقار کو قائم رکھ۔ ڈاک ہوٹل پہنچکر دیکھیو۔

شوق لکھتا تھا۔ دیوانہ شدی۔ صبر محال ہے۔ دیکھ کہ خط کیا کہتے ہیں۔ سمندروں پہاڑوں کو طے کر کے ہندوستان سے آئے ہیں ؛

آخر کچھ بولا۔ کچھ دو دل صحبت ختم ہوئی۔ خلیق ایرانی کی گردن خم۔ سینہ پہ ہاتھ۔ چہرہ پر تبسم۔ ہندی کی گردن اکڑی ہوئی۔ اور کچھ یوں ہی سی جھکی ہوئی۔ ہاں لبوں پہ شکر گزاری کی مسکراہٹ۔ اسی کش مکش اخلاق میں رخصت ؛

ہوٹل کے کونے میں۔ دریچہ کے برابر جہاں سے پیاری نہر جو سڑک کے وسط میں بہتی ہے نظر آتی تھی۔ بیٹھ کر ہندوستان والوں کی باتوں کو سُنا۔ خطوط کی زبانی ؛

دیکھو اس واحدی کو۔ مجکو بُلاتا ہے۔ زیادہ ٹھہرنے سے روکتا ہے اور اپنی کیفیت انتظار دکھانے کو انشا پردازی کرتا ہے ؛

خطوط کو طے کر کے رکھا۔ اور سیر دمشق کا پروگرام بنانا شروع کیا۔ حاجی عبداللہ مشیر تھے ؛

مرقد بلال رضؓ

قرار پایا کہ پہلے صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات پر حاضری دینی چاہیئے۔ دو گاڑیاں منگائی گئیں۔ جن میں حاجی عبدالکریم سلیمان ان کے اہل عیال اور ہم مل کر سوار ہوئے اور مقابر میں پہنچے۔ خدا کی شان نظر آتی ہے۔ ہمارے ملک میں معمولی معمولی بزرگوں کے آستانے شہنشاہوں کے مقبروں سے زیادہ شاندار ہیں۔ مگر یہاں اہل بیت اور جلیل القدر صحابہ کے مزارات کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ بعض مزارات پر قبے ہیں۔ تعویذ مرقد پر غلاف بھی ہے لیکن گرد و پیش کے منظر۔ اور روضہ کی اندرونی حالتیں ظاہر سے دل کو بے چین و افسردہ کر دیتی ہیں۔ جس ہندوستانی نے ساری عمر محرم کے ایام

ہیں کہ وفر کی مجلسیں دیکھی ہوں اور اہل بیت کے نام پر امام باڑوں کی لکھوکھا روپیہ کی روشنی اور خیر خیرات مشاہدہ کی ہو اور وہ ایک خاص تصور دل میں عظمت اہل بیت کا لے کر ان ممالک میں آئے تو اسکو جس قدر صدمہ ہو کم ہے۔ شامی مسلمانوں نے ان مزارات کے ساتھ کیسی بے قدری کا برتاؤ رکھا ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اسکے دل میں وہ نمائیانہ عظمت اہل بیت کی باقی نہ رہے گی جو ہندوستان میں تھی ؛

شامیوں کے ذاتی مکانات دیکھو تو جنّت کے محل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جن بزرگوں کے طفیل ان کو یہ گھر نصیب ہوئے۔ ان کے مزارات کا ان خود غرض شامیوں نے یہ حال بنا رکھا ہے کہ گورِ غریباں کی حالت بھی بہتر ہوتی ہے ؛

کاش میں یہاں سے حضرت بلال یا اہل بیت میں سے کسی ایک مزار کو آنکھوں میں چھپا کر لے جاسکتا اور ہندوستان میں چاندی سونے کا روضہ جواہرات سے مرصع کرا کے بنواتا ؛

حضرت بلال کا چھوٹا سا قبہ ہے۔ مزار پر جو غلاف ہے اسمیں آیات بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے مزار کی دائیں طرف سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رض کا مزار ہے۔ گویا اسلام کی مساوات مرنے کے بعد بھی دکھائی گئی ہے کہ حضرت بلال اپنے آپ کو جس گھرانہ کا غلام کہتے تھے۔ اس گھرانہ کا شہزادہ ان کے پہلو میں آرام کر رہا ہے ؛

اس مزار کے علاوہ محمد لطیف پاشا والی شام المتوفی ۱۳۰۰ھ بی بی نمشا بنت حاجی تشدین آغا متوفی ۱۳۰۰ھ۔ حنفہ بنت شیخ حسن الجزائری ۱۳۱۱ھ کی قبریں بھی ہیں۔ دل نے کہا یہ مقام اعلیٰ تھا۔ یہاں دُنیاداروں کو کیوں جگہ ملی۔ مگر کسی نے جواب دیا۔ گنہ گار ایسے سائے نہ ڈھونڈیں تو کہاں جائیں ؛

جوں ہی مرقدِ بلال پر نگاہ پڑی آنسو سامنے آ گئے۔ اور پلکوں کو ہلانے لگے کھاری پانی کی چادریں رخ چشم کے آگے تنتی تھیں اور گر پڑتی تھیں۔ بے ادب ہاتھوں نے اپنے باپ کے محبوب بلال کا قبر پوش تھام لیا۔ اس میں بھی ایک بجلی تھی۔ ہاتھ کانپتے تھے۔ زبان لرزتی تھی۔ فاتحہ کے بدلے والضحیٰ منہ سے نکلنے لگی۔ حیران تھا کہ آئی یہ کیوں۔ دو چار بار پڑھ چکا تو عرض مدعا شروع ہوا جو یہ تھا

مزار حضرت بلال پر دُعا

اٹھو بلال۔ اٹھو بلال۔ باباجان تک لے چلو۔ جاگو بلال۔ جاگو بلال اذان کا وقت آ گیا۔ میں تمھاری چادر کھینچ لونگا۔ میں تمھارے پاؤں میں گدگدیاں کروں گا۔ اب تمھارا سونا دشوار ہے۔ آنکھ کھولو۔ تمھارے "کسی" کا نواسہ تم کو آواز دیتا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو اور اس گھر تک پہنچا دو۔ جہاں پچھلی رات نور کے تڑکے آواز دیا کرتے تھے۔

الصلوٰۃ الصلوٰۃ یارسول اللہ

تم نے وہ ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے ہیں جن سے یا بلال کی صدا نکلتی تھی۔ جو تم کو اذان اور اجتماعِ مومنین کا حکم دیتے تھے۔ تم نے وہ آنکھیں دیکھی ہیں جو تمھارے چہرہ پر محبت سے نظریں ڈالا کرتی تھیں۔ تم نے وہ پشت دیکھی ہے جو تمھارے آگے کھڑی ہو کر امامت کرتی تھی۔ تم نے وہ آواز سُنی ہے جس کو تم سب آوازوں سے بڑھ کر مانتے تھے۔ بلال۔ بلال۔ یا بلال۔

تم نے "کسی" کی موجودگی میں اشہد ان محمدا رسول اللہ کہا ہے۔ تم نے اس کے مزے لوٹے ہیں کہ جس کی گواہی دیتے ہو۔ وہ تمھارے پاس موجود ہے۔ ایسے یوں چپ چاپ چھپے ہوئے لیٹے ہو۔ نہیں نہیں اٹھو اور میرا ہاتھ پکڑو۔

میرے آقا بلال۔ میرے مولی بلال۔ میرے سید بلال۔ قدم دوان کو چوموں۔ جوتیوں کی خاک دو سر پہ رکھوں۔ آنکھوں میں ڈالوں۔ ایک دفعہ اذان سنا دو۔ تکبیر کا نعرہ توتلی زبان میں بلند کرو اور پھر کچھ اور کہوں وہ کان میں سن لو۔

روضۂ حضرت بلال کی سنہ ۶۴۵ ہجری میں تجدید ہوئی تھی۔ جس کا کتبہ دروازہ پہ لگا ہوا ہے۔

یہاں سے تھوڑی دور جا کر مشہور امیر معاویہ کا مزار ہے۔ چھوٹا سا قبہ ہے جس کی سنہ ۱۱۹۵ھ میں حاجی محمد پاشا نے مرمت کرائی تھی۔ اس مقبرہ میں جلیل القدر صحابی حضرت کعب حبار کا مزار بھی ہے۔

اس قبہ میں عجب افسردہ اور مایوس سکوت دیکھنے میں آیا۔ یہ انہی جناب معاویہ کا مزار ہے۔ جو صفین میں تلوار کھینچ کر سیدنا حضرت علی کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ جنھوں نے یزید کی بیعت کے لیے پیش بندی کی تھی۔

بہرحال سنی مسلمان کو سب کا ادب کرنا چاہئے۔ آخر تو صحابی رسول تھے۔ یہ قبرستان نہایت عظیم الشان ہے جسنے دہلی میں قدم شریف کا قبرستان دیکھا ہو اُس کے لیے یہاں کا منظر سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ ہو بہو وہی ہے۔

اہل بیت میں حضرت زینب۔ حضرت فاطمہ صغریٰ وغیرہ کے مزارات کی زیارت نصیب ہوئی۔ مگر ان کی نسبت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اہل بیت کے مزارات مدینہ منورہ میں ہیں۔ بہرحال ان مزارات کی بھی ظاہری یعنی عمارتی حالت خراب ہے۔

یزید کا گورخانہ

اس قبرستان کے قریب حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی قایمی مسجد ہے جو انھوں نے فتح دمشق کی یادگار میں بنائی تھی۔ اسکے قریب لب سڑک اینٹوں

پتھروں کا ایک ڈھیر سا نظر آتا ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو ایک عرب نفرت اور غصّہ کے چہرہ سے کھڑا ہوا یہاں پتھر پھینک رہا تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یزید کی قبر ہے۔ نشان کچھ باقی نہیں ہے۔ خلقت ہر وقت پتھر پھینکتی رہتی ہے۔

چند فقرے یہاں بھی

تو نے دیکھا جو تیرے رب نے مقرر کیا تھا۔ تو نے پایا جس سے ڈرایا جاتا تھا مگر تو نہ ڈرتا تھا۔ لعنت و پھٹکار کے سزاوار وجود۔ تُو عبرت ہے ظلمی انسانوں کیلئے تو نصیحت ہے اسبابِ دُنیا کے طمع کاروں کے واسطے۔ تیرے فعل پہ تین لعنت مگر تیرے نسب اور تیرے قبیلہ کی عزّت ہمارے دل میں ہے۔ خدا تجھکو معاف کرے اور جتنی بھگت چکا اسی سزا کو کافی سمجھکر چھوڑ دے۔

یہاں سے واپس ہو کر سیدھے ہوٹل پہنچے۔ وہاں ایک کپڑے کا سوداگر شامی کپڑوں کے نمونے لئے بیٹھا تھا۔ نوجوان۔ طرار۔ میں نے نام پوچھا۔ بولا رزق اللہ۔ میں نے کہا مسلمان ہو۔ کہا الحمدللہ۔ بہت دیر تک ترکی پارلیمنٹ پر گفتگو ہوتی رہی۔ یہ پہلا مسلمان عرب تھا جسنے پارلیمنٹ کی مدح میں آسمان زمین کے قلابے ملا دئے۔

کپڑے اچھے اچھے لایا تھا۔ سیٹھ صاحب نے کچھ تھان پسند کئے۔ مگر خریدنا دوکان پر جاکر ملتوی رکھا۔

جب یہ شخص چلا گیا۔ مالک ہوٹل نے کہا مردود عیسائی تھا۔ آپکے سامنے بکری کے لئے مسلمان بن گیا۔ یہ لوگ بڑے چلتے ہوئے ہوتے ہیں۔ انکا دین ایمان پیسہ ہے۔ سیٹھ صاحب کو بہت تعجب ہوا۔ اور پھر انھوں نے بازار میں اسکے ہاں سے کپڑا نہ خریدا۔ مسلمان دوکانوں سے لیا۔ اگرچہ مسلمانوں کے ہاں بھی مہرا...

دلالوں کے سبب معمول سے زیادہ دینا پڑا۔ تاہم ان کو خوشی تھی کہ میرا پیسہ مسلمان کو ملا۔ میں نے بھی چند چوغے خریدے ٭

آج رات کو نیند صاف نہ آئی۔ یہاں سردی زیادہ ہے۔ لحاف اوڑھنا پڑتا ہے۔ ذرا خیال کرنا جولائی کا آخر اور سردی۔ خدا کی شانیں ہیں ٭

۳۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

صبح حاجی عبداللہ ہندی کے ہمراہ حمام میں گیا۔ سوق خیاطین میں حاجی عبدالغنی کبب کا حمام تھا۔ بہت نفیس صاف ستھرا۔ اعلیٰ درجہ کا سامان۔ اور حمامی سب ملنسار اور محنتی ہیں۔ شام میں جو لوگ آئیں اس حمام میں ضرور نہائیں اچھی جگہ ہے ٭

حضرت ابن عربیؒ کا مزار

یہاں سے فارغ ہو کر ہوٹل میں کھانا کھا کر حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے مزار کی زیارت کو سارے قافلہ سمیت چلے ٭

یہ مزار شہر کی آبادی سے ذرا ایک گوشہ میں بچا ہوا ہے۔ اور زمین کے اندر ہے یعنی مزار کے پاس جانے کے لئے کئی زینے نیچے اُتر کر جانا پڑتا ہے۔ جبوقت زینے سے اُترنے لگے سامنے دیوار پر ایک شعر نظر پڑا جو پتھر میں کندہ تھا۔ کہتے ہیں اس میں کچھ اسرار ہیں۔ لوگ بہت غور کرتے ہیں اور کھڑے ہو ہو کر اسکو سوچتے ہیں۔ شعر یہ ہے

فلکل واحد یسمو بہ وانا الباقی العصر فرد الواحد

میں نے بھی اپنے ذہن کے موافق اسکا مطلب سمجھا۔ اور اسی دن عزیزم واحدی کو لکھ بھیجا۔ چونکہ وہ عام فائدہ کی بات نہیں ہے اسلئے یہاں لکھنا بیکار ہے ٭

حضرت کے مزار پر یہ بھی چھپر کھٹ لگا ہوا ہے۔ جو مصطفےٰ پاشا نے ۱۲۴۰ھ میں بنایا تھا۔ پہلو میں آپ کے دو فرزندوں سعید الدین و عماد الدین کے مزارات ہیں اور بائیں چار قبریں اور ہیں۔ جن میں تین غیر معروف اُمرا کی ہیں اور چوتھی شہرۂ آفاق بہادر امیر عبدالقادر جزائری کا مرقد مطہر ہے جس نے سالہا سال فرانس کو تونس اور الجزائر میں لوہے کے چنے چبوائے اور شجاعت اسلامی کا نام روشن کیا۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا یہ مزار پہلے گم ہو گیا تھا اور آپ کی پیشین گوئی تھی کہ :-

اذا دخل السین فی الشین ظہر قبر محی الدین - جب سین شین میں داخل ہوگا محی الدین کی قبر ظاہر ہو جائیگی۔ لوگ اسکا مطلب نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ تمادی ایام سے آپ کا روضہ ناپید ہو گیا۔ مگر جب سلطان سلیم ترک نے ملک شام فتح کیا یعنی سلیم کا سین شام کے شین میں داخل ہوا تو اس نے آپ کے مقبرہ کے مقام پر کسی عمارت کے لئے نیو کھدوائی تو لوح مزار نکل آئی۔ جس پر لکھا تھا:-

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بالمھتدین ۝

ھذا القبر لعبد الفقیر الی اللہ عبد اللہ محمد بن علی بن محمد ابن احمد ابن العربی الطائی الحاتمی رض - توفی بسحر اللیلۃ الجمعۃ ثانی و عشرین ربیع الآخر سنۃ ۶۳۸ھ ہجری ؛

یہ کتبہ دیکھکر سلطان نے درگاہ بنوادی اور مزار مٹی میں سے نکلوالیا۔ یہ کتبہ اب بھی موجود ہے ؛

جن صاحب نے یہ قصہ بیان کیا تھا۔ انھوں نے کہا اس پیشینگوئی کے پاس ایک دوسری پیشینگوئی درج ہے کہ:۔

اذا جری سکۃ الحدید ظہر دین الجدید۔ جب لوہے کی سڑک جاری ہوگی تو ایک نیا دین ظاہر ہوگا ؞

مزار حضرت ابن عربی قدس سرہٗ

برزخ اسرار لاہوتی۔ آئینۂ جمال ملکوتی۔ مظہر کمال جبروتی۔ عین الہاہوت فی جسد الناسوت ؞

وہ کہ جس کی ذات سب سے پہلے گویا ہوئی۔ وہ کہ جس نے رموز مخفیہ کو طشت از بام کیا۔ اور پھر بھی پوشیدہ کا پوشیدہ رکھا۔ صوفیوں میں پہلا وجود جس نے سینہ کے اسرار کو کاغذوں پر نمایاں کیا۔ اور فتوحات مکیہ و فصوص الحکم جیسی لاجواب و ضخیم کتابیں لکھیں ؞

میں تیرے سامنے آیا ہوں مگر اب تک نہ آسکا۔ تیرے روضہ کی جالی پکڑے ہوئے ہوں۔ مگر اب تک یہ جالی ہاتھ نہ آئی۔ تیرے مزار کو دیکھ رہا ہوں لیکن ابھی تو وہ نظروں سے غائب ہے ؞

اے شیخ اکبر حقائق روحانی کی شاخیں۔ پھولوں سے بھری پڑی ہیں آپ کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ہم کو دیکھو۔ میں کہتا ہوں مجھے کچھ اور دیکھنا ہے فلسفۂ تصوف کا بھاری بھرکم پیر مرد عصائے موسوی ہاتھ میں لئے ایک دوسرے رُخ لیجانا چاہتا ہے۔ بحر الہیات کا شناور کسی اور ہی جانب تیرانا چاہتا ہے۔ مجھکو واحد چاہئے۔ واحد تھا۔ واحد ہوں۔ واحد رہونگا۔ دست فیض بڑھائیے اور الشناؤں کے لبشری مصائب کو ان کے دوش سے اُتار لیجئے ؞

کردی بزرگؒ کا پاؤں قبر سے باہر

حضرت ابن عربیؒ کے مزار کی زیارت سے فارغ ہو کر ان مشہور کردی بزرگؒ کے مزار کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ جن کا پاؤں قبر سے باہر نکلا ہوا ہے

دہلی میں اس قبر کی نسبت خبریں سُنی تھیں مگر مجھے یقین نہ آتا تھا کہ ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے کہ چھ سو برس کے بعد کسی مُردہ کا پاؤں قبر سے باہر نکل آئے اور پھر جوں کا توں باہر موجود رہے۔ اسلئے اس مزار کی زیارت کا شوق خاص طور سے لیکر وہاں پہنچے دیکھا ایک چھوٹا سا معمولی گنبد ہے اور اُجاڑ سا مقام ہے۔ مگر لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہے خادم ہمکو روضہ کے اندر لے گیا۔ جہاں تاریکی تھی۔ اس نے شمع روشن کرکے مزار دکھایا۔ جس کے پائنتی حصہ میں ایک سوراخ تھا۔ اور سوراخ کے دروازہ میں ایک خشک پنجہ قدم نظر آتا تھا۔ پنڈلی کے مقام پر روئی پڑی ہوئی تھی۔ بلکہ یہ پنجہ بھی روئی میں پوشیدہ تھا۔ خادم نے اسکو ہٹا کر دکھایا۔ پہلے میں نے خیال کیا کہ یہ قدم مصنوعی ہے۔ لکڑی یا مٹی کا بنایا گیا ہے۔ اور جاہل خلقت کو لوٹنے کا سامان ہے۔ لیکن جب شمع کی روشنی میں بہت غور کرکے دیر تک دیکھتا رہا تو واقعی پاؤں اصلی معلوم ہوا اور مصری لاشوں کی طرح کھال، ہڈیاں، ناخن تک نمایاں نظر آئے۔

جس وقت مجھ کو یقین آگیا کہ یہ اصلی پاؤں ہے تو بدن میں ایک تھرتھری سی پیدا ہوگئی اور میں خوف الٰہی سے کانپنے لگا۔ اس پاؤں کے باہر نکلنے کی نسبت کردی بزرگؒ کے کئی کراماتی افسانے مشہور ہیں۔

ربوہ

زیارات سے فارغ ہو کر ہوٹل میں آئے اور شام کو ربوہ کی سیر کرنے گئے یہ شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ایک تفریح گاہ ہے۔ متعدد نہروں کی نکاسی جو دمشق

میں جاتی ہیں یہاں سے ہے۔ بیان کیا گیا کہ یزید ابن معاویہ نے ان نہروں کو نکالا تھا بہت سرسبز اور دلچسپ مقام ہے۔ شامی شوقین عورت مرد یہاں بکثرت آتے ہیں۔ حاجی عبداللہ نے کہا یہی وہ جگہ ہے جسکا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے۔ یہاں ایک پتھر پر قدیمی رومی حروف میں کچھ کندہ ہے۔ جس کو یورپین سیاح دیکھنے آتے ہیں ؛

رات بڑے لطف و آرام سے بسر ہوئی۔ ہوٹل میں کچھ مصری حاجی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ شب کو دیر تک ان سے بات چیت رہی ؛

۳۱ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء

آج دن بھر بازاروں کی سیر اور خرید و فروخت میں مصروفیت رہی۔ مشہور مسجد جامع اموی کو بھی دیکھا اور اسکے اندر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار کی زیارت میسّر آئی۔ اس مسجد کے ایک حصّہ میں وہ مقام بھی ہے جہاں سیدنا حضرت امام حسینؓ کا شہید سر لاکر رکھا گیا تھا۔ بلکہ سر کا مدفن بھی بنا ہوا ہے۔ اس سر کے مدفن کی نسبت بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں مصر میں خلفائے فاطمیین لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ دمشق میں جامع اموی کے اندر یزید نے دفن کرادیا تھا ؛

اسی جگہ وہ حجرہ ہے جہاں سیدنا حضرت امام زین العابدینؓ اور اہل بیت مقید تھے۔ خلقت ان مقامات کو دیکھتی ہے تو بیتاب ہو جاتی ہے۔ واقعی یہ مقامات گریہ و بکا کے قابل ہیں۔ انسان کا دل تصوّرات قدیم سے بے قابو ہو جاتا ہے۔ جب اپنی آنکھوں سے ان جگہوں کو دیکھتا ہے ؛

جامع اموی

اسلامی دُنیا کی بہت بڑی مسجد مشہور ہے۔ اور واقعی بلحاظ طول و عرض اچھی

ہے لیکن عمارت کی شان ان آنکھوں کو جنھوں نے دہلی کی جامع مسجد دیکھی ہو کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کرسی بالکل نہیں ہے۔ نہایت پستی میں ہے۔ چاروں طرف لوگوں کے گھر بنے ہوئے ہیں۔ اسلئے اس کی ساری خوشنمائی برباد ہوگئی ہے۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ باہر کا آدمی خیال نہیں کرسکتا گو وہ دروازۂ مسجد پر پہنچ جائے کہ یہاں کوئی اتنی بڑی مسجد ہوگی ؛

گذشتہ ایام میں یہ مسجد آتش زدگی سے جل گئی تھی اب عام چندہ سے مرمت ہوئی ہے۔ اسکی بیرونی وسطی محراب پر اب بھی قدیمی رنگ آمیزی کہیں کہیں نظر آتی ہے جس میں مکانات اور باغوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان تصاویر کی زمین سنہری تھی ؛

جامع اموی میں اذان کے وقت مینار پر ہلالی پھریرہ چڑھا دیا جاتا ہے۔ جسکو دیکھکر تمام شہر کی مسجدوں میں ایک وقت اذانیں ہوجاتی ہیں۔ پھریرہ بلند ہوتے ہی جامع اموی میں بھی اذان ہوتی ہے ؛

اس مسجد میں جمعہ بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ معمولی نمازیں کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوتا ہے لوگ وقت کے پابند نہیں ہیں۔ کیونکہ متعدد جماعتیں ہوتی رہتی ہیں۔ چند آدمی جمع ہوئے انھوں نے ایک جماعت کرلی۔ اسکے بعد اور آئے انھوں نے اپنی جماعت بنالی۔ یہ طریقہ بہت برا ہے اور اصول فقہ کے خلاف ہے ؛

آج رات کو جامع اموی میں جانا ہوا۔ دیکھا ایک جگہ حلقہ ہو رہا ہے۔ ٹاٹ کا کرتہ پہنے ہوئے ایک نوجوان بزرگ وسط میں تشریف رکھتے ہیں اور خلقت چاروں طرف ہجوم کئے بیٹھی ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں قرآن شریف خوش لہجے سے پڑھتے ہیں اور روتے ہیں ؛

دمشق کی جامع اموی اور وہ منارہ جس پر حضرت عیسیٰ اُتریںگے

"میں بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ بہت باکیف محفل تھی۔ بزرگ شیخ نے اشارہ سے اپنے پاس بُلالیا اور فرمایا۔ سیدنا بلالؓ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے؟ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا۔ پڑھو والضحیٰ۔ اور اسکے بعد خود بھی والضحیٰ خوش نوائی سے پڑھنے لگے۔ مجھکو بہت تعجب ہوا کہ حضرت بلالؓ کے مزار پر میری زبان سے بے ساختہ والضحیٰ نکلی تھی۔ ان بزرگ نے بھی وہی پڑھی۔ اور وہاں کا ذکر کرکے اسکے بعد شیخ فوراً جوتیاں ہاتھ میں اُٹھا کر بسرعت تمام بھاگے اور خلقت ان کے پیچھے دوڑی۔ دروازہ پر جاکر شیخ نے مجھکو گلے سے لگالیا اور چل دئے*

یہ مصر کے امیرزادے ہیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی جانتے ہیں کسی کی نگاہ پڑ گئی سب چھوڑ چھاڑ ٹاٹ کا کرتہ پہن لیا۔ ۲۴۔۲۵ برس کی عمر ہوگی۔ ہر وقت آنکھیں آنسوؤں سے تر رہتی ہیں۔ اب مصر سے آئے ہیں۔ مدینہ شریف پیدل جانا چاہتے ہیں۔ ان کے بھائی بھی جو بہت خوشحال ہیں پیچھے پیچھے پہنچے ہیں۔ اور ان کے فقیر ہو جانے سے غمگین ہیں۔ شاید ہمارا ان کا ریل میں ساتھ ہو۔ کیونکہ انکے بھائیوں نے ریل میں چلنے کے لئے ان کو راضی کرلیا ہے*

یکم اگست ۱۹۱۱ء

آج مدینہ منورہ کو روانگی ہے۔ دمشق میں جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ متعدد مشائخ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ واپسی میں اطمینان سے بات چیت ہوگی۔ اُس وقت ان کے حالات لکھے جائینگے۔ رات سے سیٹھ عبدالکریم سلیمان کی اہلیہ توشۂ سفر کی تیاری میں ہیں بیٹھی سلونی روٹیاں تل رہی ہیں۔ راستہ تین روز کا ہے۔ مگر انھوں نے سامان چھ دن کا کیا ہے۔ بیشک احتیاط اسی کی متقاضی ہے۔ کیونکہ بچوں کا ساتھ ہے۔ میں نے کھانے کا کچھ سامان نہیں لیا۔

کیونکہ سیٹھ صاحب کا مہمان ہوں۔ ان کی اہلیہ بیچاری بڑی عقیدت و محبت سے اصرار کرتی ہیں کہ کھانا ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہیئے ؛

عصر کے وقت ریل پر پہنچے۔ اسٹیشن شہر سے ذرا فاصلہ پر ہے۔ اور بہت مختصر بنا ہوا ہے۔ نیا نیا معاملہ ہے۔ رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جائیگا۔ تین گنی انگریزی اور تین مجیدی ترکی میں مدینہ شریف کا فی کس ٹکٹ خریدا۔ لوگوں نے تختے خرید لئے ہیں۔ ان کو ریل کے اندر بچھا کر بچھونا کر لیں گے۔ کیونکہ رات دن کا رہنا ہے ؛

حجاز ریلوے

کی گاڑیاں ہندوستان کی بڑی ریل سے چھوٹی۔ اور چھوٹی لائن سے بڑی ہیں۔ ان کے اندر صفائی اور روشنی کا اچھا انتظام نہیں ہے۔ دو درجے ہیں ایک تھرڈ اور ایک فرسٹ۔ انٹر اور سکنڈ نہیں ہے۔ روشنی رات کو بارہ بجے تک زیتون کے تیل کی رہتی ہے اور اسکے بعد خاموش۔ افسر کہتے ہیں اب سو جاؤ۔ روشنی کی کیا ضرورت ہے۔ سچ تو ہے کفایت شعار حکومت کا کہنا۔ فرسٹ کلاس میں مخملی گدے ہیں۔ اور کچھ زیادہ فرق تھرڈ سے نہیں ہے۔ اسلیئے لوگ عموماً تھرڈ میں سفر کرتے ہیں۔ ٹرین میں کوئی گاڑی جیسا کہ ہندوستان میں مشہور ہے۔ نماز کے لئے مقرر نہیں ہے۔ نہ نماز کے اوقات میں ریل کہیں ٹھہرتی ہے ؛

عصر کے بعد گاڑی روانہ ہوئی۔ اس وقت شوق مدینہ نے اکثر مسافروں کو بے قرار کر دیا ؛

شروع شروع میں راستہ بہت سرسبز رہا۔ اسکے بعد خشک پہاڑ آنے لگے راستے کے اسٹیشن عموماً اچھی حالت میں ہیں۔ مگر مسافروں کی آبادی یعنی جتھا اترنا کم ہے۔ بلکہ بالکل نہیں ہے۔ کھانا کسی جگہ نہیں ملتا۔ بڑے بڑے مقامات پر ڈبل روٹی

اور پنیر مل جاتا ہے۔ اسی واسطے مسافر دمشق سے کھانا ہمراہ لے لیتے ہیں ؎

روزنامچہ کا التوا

راستہ کی بے اطمینانی اور اسکے بعد مدینہ شریف میں چند خاص حالات کی مصروفیت کے سبب روزنامچہ کا سلسلہ ملتوی ہو گیا۔ یادداشتیں لکھ لی جاتی تھیں۔ انہی کی بنا پر ہندوستان پہنچکر آگے کے واقعات قلمبند کئے گئے ؎

مدائن صالح نام اسٹیشن پر ایک سوڈانی عرب ملازم ہیں۔ گورے رنگ کے آدمی ہیں۔ مہدی کی لڑائیوں کے بعد یہاں چلے آئے۔ بہت سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ حاجی حسن ابراہیم نام ہے۔ انگریزی بول لیتے ہیں۔ اسلامی درد کا یہ عالم ہے کہ روتے ہیں اور رُلاتے ہیں ؎

سوڈان کے ایک امیر سلطان علی دینار کا قصہ بیان کیا کہ وہ دارفور میں رہتا ہے۔ آزاد و مختار ہے۔ انگریزوں کو کچھ سالانہ دیدیتا ہے۔ ساٹھ ستر ہزار فوج کا مالک ہے۔ اسکے علاقہ میں اگر کوئی مسلمان انگریزی یا ترکی ٹوپی پہنے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ایسا ہی اگر نصرانی اسلامی لباس پہنے تو وہ بھی مار ڈالا جاتا ہے ؎

مدائن صالح بہت پُرانا مقام ہے۔ قرآن شریف میں حضرت صالح پیغمبر کی قوم کا جو ذکر آیا ہے اسکے آثار پہاڑوں میں اب تک موجود ہیں۔ یعنی ریل میں سے پہاڑوں کے اندر مکانات کے دروازے معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً یہ سنگ سرخ کے ہیں۔ جن کی محرابیں خوش نما ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں صدہا خوبصورت عمارتیں اُسوقت کی ویران پڑی ہیں۔ میں نے وہاں جانا چاہا کیونکہ ریل کئی گھنٹے ٹھہرنا چاہتی تھی۔ مگر اسٹیشن والوں نے منع کیا کہ بدو مار ڈالتے ہیں۔ سپاہیوں کو ہمراہ

لے کر جانا چاہیے۔

ان آثار قدیم کی حکومت کی جانب سے کسی قسم کی حفاظت نہیں ہے۔ بلکہ یہانتک غفلت ہے کہ ریلوے افسروں نے بعض عمارتوں کو توڑ کر ان کے پتھروں کی روڑی ریل پر بچھادی ہے۔

دور سے ان دروازوں پر جو نقش و نگار نظر آئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر بہت سی چیزیں قابل دید ہوں گی۔

اس سے آگے بڑھ کر اسٹیشن اصطبل کے پاس پہاڑ پر قصر عنتر کے نشانات ہیں۔ یہ شداد کا مشہور قلعہ تھا جو ویران پڑا ہوا ہے۔

دمشق سے مدینہ منورہ تک پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے ہیں۔ کوئی جگہ پہاڑوں سے خالی نہیں دیکھی۔ نہ آبادی کا کوئی نشان نظر آیا۔ بعض مقامات پر پہاڑ عجیب وضع کے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیوار الگ الگ کھڑے ہیں یعنی یہ پہاڑ مسلسل نہیں ہیں اور قدرتی طور پر ایسے ہیں جیسے کسی نے تراش کر بتوں کی شکلیں بنائی ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس راستہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کے ملک میں تشریف لیگئے تھے۔ اور آپ نے ان تمام عجیب پہاڑوں اور آثار قدیمہ کو دیکھا تھا ظاہر ہے کہ سب سے بڑے کامل انسان کے دل پر ان ویران نظاروں اور عجیب و غریب اشکال کے پہاڑوں کا خاص اثر پڑا ہوگا۔ جبکہ ہم جیسے ناقص وجود متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حادثہ

درمیانی راستہ میں ایک دن ریل رک گئی اور ایک رات دن جنگل بیابان میں کھڑی رہی معلوم ہوا آگے کہیں کوئی حادثہ پیش آگیا تھا۔ سڑک ٹوٹ کر انجن گر پڑا تھا۔ جب سڑک بن گئی تو ہماری ریل گزری۔ وہ رات ہماری ٹرین کے

مسافروں میں عجیب تشویش کی تھی کیونکہ ہر وقت چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ مگر شکر ہے کہ خیریت رہی۔ البتہ جن لوگوں نے کھانا صرف تین روز کا ہمراہ لیا تھا وہ فاقہ کشی کی مصیبت میں تھے۔ چھ دن میں مدینہ شریف پہنچے ؛

ہماری گاڑی میں ملیبار کے چند حاجی تھے۔ ان کے بچے بھوک کے مارے روتے تھے۔ خدا کی شان ہے ساری ٹرین میں وہی سب سے زیادہ مالدار۔ مگر اسوقت سب سے زیادہ بھوکے تھے۔ ہمارے حاجی عبدالکریم سیٹھ نے اپنی روٹیوں کے پشتارہ سے ان کی مدد کی اور ان کی اہلیہ کی پیش بندی و احتیاط کام آئی جو انھوں نے پہلے ہی چھ دن کا کھانا ہمراہ لے لیا تھا ؛

تبوک

راستہ میں تبوک کا مشہور مقام بھی آتا ہے جہاں صحابہ کا کفار سے بڑا قتال ہوا ہے۔ اب وہاں سلطان عبدالحمید کی مسجد اور ایک پرانا قلعہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ معمولی سی آبادی ہے۔ امید ہے کہ ریل کے سبب خوب رونق ہو جائے گی ؛

مدینہ منورہ

چھٹے دن فجر کی نماز کے بعد سے مسافروں میں خوشیاں ہیں کہ وہ قریب ہے جس کے لئے آئے ہیں۔ ذرا اور دن چڑھا تو کالے پہاڑوں کے بیچ میں سبز گنبد کی کچھ یوں ہی سی چمک نظر آئی۔ جیسے اندھیری رات میں کہیں دور آسمان کے کنارے بجلی کوندا کرتی ہے۔ اس سبزی کی جھلک نے جو کہرام گاڑی میں مچایا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ کلیجے پھٹے جاتے تھے۔ ہاتھ گریباںوں پر تھے۔ شاید دل تھامتے تھے یا کرتے چاک کرتے تھے۔ گردنیں کھڑکیوں سے باہر تھیں۔ آنکھیں

ٹکٹکیاں باندھ رہی تھیں۔ ریل لہراتی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ ایلو۔ وہ سامنے۔ اتنے خوب صاف اچھی طرح نظر آتا ہے۔ ہاں سبز گنبد ہے۔ اونچے مینار ہیں۔ مدینہ آیا مدینہ آیا۔ ذرا میں بھی دیکھوں کہاں ہے۔ کیا ہے کیوں ہے۔ کیا کہتا ہے۔ کچھ سُنتا آسمان والے نغمہ سرائی کر رہے ہیں۔ انجن کو روکو۔ پہلے وہ کیوں جائے مادی روح۔ مادی جسم کا پتلا۔ ہمکو بڑھنے دو۔ اشرف المخلوقات ہیں۔ اشرف الانبیا کی اشرف اُمت ہیں۔ بصارت و بصیرت رکھتے ہیں۔ لو وہ رک گیا۔ ذرا دیکھنا۔ کیسی سہانی لمبی لمبی قباؤں والے نورانی چہرے استقبال کو آئے ہیں آنکھیں سامنے سے ہٹیں تو میں بھی دیکھوں۔ کہتے ہیں اُترو۔ پہلے کونسا قدم اُتاروں۔ سر کے بل کیونکر چلا کہتے ہیں۔ یونہی چلوں۔ دل دھڑکتا ہے۔ اسے سنبھالوں۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہے۔ جسم کی توانائی نے جواب دیدیا کیا کروں۔ لوگو! میرا ہاتھ لینا۔ میں چلا۔ سہارا دو کہ میں گرا۔

پلیٹ فارم کے سنگریزوں نے پاؤں سے مصافحہ کیا۔ اور حسن عبد الجواد آفندی مزوّر نے ہاتھ سے مصافحہ کیا۔

پھر دیکھا تو حرم کے سامنے ایک مکان کی تلاش تھی جو مل گیا۔ باب رحمت کے سامنے تین گنّی کرایہ پر ٹھہرا۔ اسباب رکھا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور حاضری دربار کی تیاریاں ہونے لگیں۔

مدینہ کا داخلہ

مراد مندی کا پہلا دن

مزوّر صاحب باب السلام سے اندر لیکر گئے۔ وہ کچھ کہتے جاتے اور کہلاتے جاتے تھے۔ پہلا دن تھا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ طوطے کی طرح سبق پڑھتا تھا۔ لیکن لطف خاک نہ آیا۔ زبان کہنا چاہتی فریاد۔ مزوّر کہتے تھے۔ السلام۔ جگہ جگہ نذر نیاز کی طلبی۔ بھائی سب کچھ تمھارے لئے ہے۔ مجھے ذرا بابا جان کی چوکھٹ چوم لینے دو۔

مزوّر صاحب نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہر نماز کے بعد ہم سلام پڑھوا دیا کرینگے۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں جناب مجھکو میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کے جو حقوق ہیں پیش کر دئے جائینگے۔

واہ۔ کیا اخلاق ہے۔ میرے دیوانہ پن سے کبیدہ نہیں ہوئے۔ بخندہ پیشانی فرمایا۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ آزاد ہو جس طرح چاہو کرو۔

اسی مبارک دن کی عصر پڑھی۔ اور بے تابانہ اُن سبز جالیوں کی طرف بڑھا۔ جو مسجد میں بائیں طرف نظر آتی ہیں۔ معمولی جالیاں ہیں۔ سبز رنگ پھیر دیا ہے۔ اندر خبر نہیں کیا ہے۔ جھانک کر دیکھو۔ سبز غلاف پڑا ہوا ہے۔ جس پر کچھ لکھا ہے۔

لیکن بجلی معمولی تانبے کے تار میں رہتی ہے۔ تلوار کی کاٹنے والی دھار لوہے کی ہوتی ہے۔ ابر رحمت کی بوند بھی کیسی چھوٹی مگر شیریں اور سیراب کنندہ۔ یہی حال اُس حجرے کا ہے۔ دیکھنے میں معمولی جگہ۔ حقیقت میں خدا کے بعد ہر چیز سے اعلیٰ و بزرگ

جھانک رہا تھا۔ اور دل سے یہ بے ادبانہ باتیں کہہ رہا تھا۔ یکایک کلیجہ میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ کسی نے سر کو جالی سے لگا دیا۔ آنکھوں نے مینہ برسانا شروع کیا۔ ہونٹ اس ٹھنڈی جالی کو چومتے تھے۔ انگلیاں گڑی جاتی تھیں۔

ادب۔ اے گستاخ تخیل۔ ادب اے ناپاک غور۔ یہ مکان فلسفیانہ سوچ بچار کا نہیں ہے۔ یہاں شاہ اپنا پالٹیکس بھول جاتے ہیں عقلا عقل سے دست بردار ہوکر آتے ہیں۔ یہ محبوب خدا کی خوابگاہ ہے۔ یہ وہ خوش نصیب خطہ ہے جسکی قسمت پر آسمان و زمین۔ عرش کرسی رشک کرتے ہیں۔

بابا جان! مجھے اپنا بنالو۔ اور اُسکو جسے میں اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ اور اُسے جو میرا بننا چاہتا ہے۔ اور کیا کہوں سب بھول گیا۔ خبر نہیں کیا کیا کہنا تھا۔ ہزاروں سلام تھے۔ ہزاروں پیام تھے۔ دعائیں۔ شکوے۔ احوال دل۔ اسوقت ایک یاد نہیں۔ ہاں یاد آیا حلقہ۔ اسکے ممبر۔ خادم۔ رکن۔ معاون۔ عورت مرد سب۔

گرمی کا یہ عالم ہے کہ کسی پہلو چین نہیں۔ مگر حرم کے اندر قدم رکھا۔ گویا سرد خانے میں چلے گئے۔ ہر چند غور کیا اسکی عقلی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ پانی برف کی مثل۔ مٹی کی بیشمار چھوٹی چھوٹی صراحیاں حرم میں جگہ جگہ رکھی ہیں۔ لوگ گھر میں کھانا کھاتے اور پانی یہاں آکر پیتے ہیں وہی مثل صادق ہے کہ یہاں ایسی جلدی آنا کہ کھانا وہاں کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔

شیاک اور فیاض لوگوں نے آدمی مقرر کر رکھے ہیں۔ جو صراحیاں بھر بھر کر رکھتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ ان کو زمزمی کہتے ہیں۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ جو بیچارے کچھ آمدنی نہیں رکھتے اور مدینے شریف میں رہنا چاہتے ہیں اُن کی معاشیں اس طرح نکل آتی ہیں۔ اور زائرین رسول ؐ کو ہر وقت ٹھنڈا برف سا پانی ملتا رہتا ہے۔

تصویروں میں حرم رسولؐ کی اصلی شان معلوم نہیں ہوتی - صرف صحن - باہر کے ستون - روضۂ منورہ نظر آتا ہے - لیکن اندر داخل ہو کر دیکھو - حرم بڑی وسیع اور گنجائش دار جگہ ہے - پچیس تیس ہزار آدمی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں - اسکی مختلف اوقات میں مختلف لوگوں نے تعمیر کی ہے ؛

یہ التزام تعریف کے قابل ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جسقدر حصہ مسجد کا تھا اُس کا نشان بتا دیا گیا ہے - اسکے بعد جوں جوں بالتدریج ترقی ہوئی سب کے جدا گانہ کتبے اور نشان لگا دئے ہیں جس سے محقق کو بہت آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں حصہ فلاں شخص نے فلاں زمانہ میں بنایا - میں نے چاہا کہ ان کتبوں کو لکھ لوں - نیز ستون - جھاڑ - ہانڈیاں بھی شمار کروں - مگر خدام نے منع کیا اور کہا کہ مسلمان شک کرینگے اور کہینگے یہ مسلمان نہیں کوئی نصرانی ہے - مصر کے مسلمان زیارت کو آتے ہیں - تو کتبہ لکھنے کی بہت کوشش کرتے ہیں - مگر کامیاب نہیں ہوتے ؛

اس عجیب و غریب توہم سے افسوس ہوا - مسلمان اب ایسے وہمی اور بوڑھے خیال کے ہو گئے ہیں - لیکن خدا کا شکر کہ ایک کتاب ہاتھ آگئی جو مدینہ شریف کے ایک بزرگ نے لکھی ہے - اس میں ابتدا سے لیکر آج تک کی سب تاریخ مرقوم ہے ؛

ہا! بیچارے سلطان عبدالحمید کی یادگاریں جگہ جگہ نظر آتی ہیں - بیت المقدس میں - بیروت میں - دمشق میں - دمشق سے مدینہ منورہ تک راستہ میں جہاں کوئی ممتاز چیز دیکھی - سلطان عبدالحمید کی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور پائی - کیسا باخیر اور نیک خلیفہ تھا - موجودہ حکومت نے ہر جگہ سے اس کا نام مٹا دیا ہے - مگر عرب کے بچہ بچہ کے دل پر عبدالحمید کندہ ہے - اسکو کیونکر محو کر سکتے ہیں ؛

حرم کے اندر ستونوں کے پائے ذرا کمزور ہو گئے تھے - سلطان عبدالحمید نے

معقول لاگت سے پیتل کے موٹے موٹے مگر خوشنما حلقے پایوں پر چڑھوا دئے۔ یہ غریب کی آخری خدمت تھی جسکے بعد اسکی خلافت کا پاؤں پھسل گیا۔ اور گر پڑا میں نے صدہا لوگوں کو دیکھا کہ چشم پُر آب ہو کر ٹھنڈا سانس بھرتے ہیں اور عبد الحمید کو یاد کرتے ہیں ؞

یہ ہندوستان والے بھی کیسے حضرت ہیں۔ جہاں دیکھو انھیں کا قبضہ۔ حرم رسول ؐ کے سب دروازوں کے دربان ہندی ہیں۔ اندر حرم میں پانی وغیرہ کی خدمت پر ہندی ہیں۔ اور سُنا کہ مکہ مکرمہ میں بھی دربانی کی خدمت اہل ہند کے ہاتھ میں ہے۔ مجھکو تو صاحب اس حالت کے دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ الٰہی تیرا لاکھ لاکھ شکر۔ ہمارا ہند تیرے دروازے پر مقبول ہے ؞

اور اُن کو بھی دیکھا۔ روضۂ پاک کے قریب چبوترے پر خواجہ سرا بیٹھے ہیں سفید براق لباس سفید عمامہ۔ شالی رومالوں سے کمر باندھے چوب ہاتھ میں لئے انتظام کرتے پھرتے ہیں۔ روضہ منورہ کے اندر انکے سوا اور کوئی نہیں جا سکتا۔ انکو حکومت معقول تنخواہیں دیتی ہے۔ زائرین کے نذرانے اسکے علاوہ ؞

حرم کی روشنی

بیت المقدس میں عیسائیوں کے جتنے بڑے بڑے گرجا دیکھے سب اس قدر تاریک اور وحشتناک ہیں کہ خدا کی پناہ۔ وہ گرجا جہاں عیسائی عقیدے کے موافق حضرت مسیح ؑ کو صلیب ہوئی۔ اور جو کُل کرسٹانوں کا قبلہ و کعبہ ہے۔ وہاں دن کے وقت ایسا اندھیرا ہوتا ہے کہ بغیر ٹھوکر کھائے کوئی شخص رستہ نہیں چل سکتا گو سارا دن روشنی رہتی ہے۔ یعنی دن کو چراغ جلتے رہتے ہیں۔ اسپر ظلمت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ مگر مدینہ منورہ کے حرم میں کچھ قدرتی نورانیت ہے۔ روضۂ مبارک

چاروں طرف سے عمارتوں میں گھرا ہوا ہے لیکن تاریکی نام کو نہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ ایک غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ یہ دعویٰ حسن عقیدت کے سبب ہے۔ مگر نہیں اسکو عقیدت سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر غیر مسلم لوگ وہاں جا سکتے تو میرے اس بیان کی انصافاً تصدیق کرتے۔ گرجاؤں میں آج تک بجلی کی روشنی نہیں ہوتی۔ بیت المقدس کے بڑے پادری سے میں نے سوال کیا کہ آپ کے ہاں برقی روشنی کیوں نہیں کی گئی۔ تو جواب دیا کہ ہم لوگ نئی روشنی کو قدیمی گرجاؤں میں نہیں لے سکتے اور زیتون کے مقدس تیل پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ تو ان قوموں کے قبلہ کا حال ہے جو دُنیا میں نئی روشنی پھیلانے کے لئے انسانوں کے خواہ مخواہ خون بہاتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے مقام مقدس کو دیکھو تو وہاں بجلی کی روشنی موجود ہے۔

یہ برقی روشنی سلطان عبدالحمید خاں کی یادگار ہے۔ مغرب سے پہلے زیتون کے تیل کی ہانڈیاں روشن ہونی شروع ہوتی ہیں۔ اور جہاں اذان ہوئی اور مومنین نماز کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہوئے۔ موذن نے تکبیر شروع کی کہ ایکا ایکی بجلی کی زور سے چمک ہوئی اور سارے حرم میں برقی ہنڈے جگمگانے لگے۔ ممبر رسول اللہ پر نیلگوں برقی قمقمے عجب بہار دیتے ہیں۔

الغرض مسلمانوں نے اپنے معتدل مذہب کے موافق روشنی کا انتظام بھی درمیانی رکھا ہے۔ نئی روشنی بھی ہے اور پرانی بھی۔ حرم کے اندر ہزار ہا جھاڑ ہانڈیاں پرانی روشنی کی بھی ہیں۔ جن میں مومی شمعیں اور زیتون کا تیل جلتا ہے۔ اور بجلی کے لیمپ بھی ہیں لیکن خاص روضہ پاک کے اندر صرف مومی اور کافوری شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ جن کی روشنی نئی اور پرانی دونوں روشنیوں سے نرالی ہے۔ آفتاب و ماہتاب بھی اس مرکز انوار قبہ کی نورانیت کے آگے مُنہ سے نہیں بول سکتے۔

حرم کی نماز

نماز کی اصلی بہار دنیا کے پردے پر سوائے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں میسر نہیں آتی۔ مکہ معظمہ میں گو بیت اللہ موجود ہے لیکن یہ کشش وہاں بھی نہیں اور کیونکر ہو۔ جس ذات کے طفیل کعبہ کی عظمت کا علم ہوا وہ تو مدینہ میں ہے

قاعدہ ہے کہ جب حرم رسول میں نماز ہو چکتی ہے تو موذن میناروں پر چڑھ جاتے ہیں اور بلند آواز سے درود اور سلام پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ یہ نہایت با اثر اور عمدہ دستور ہے۔ پچھلی رات کو یہ صدائیں وہ کیفیت پیدا کرتی ہیں اور سامعین کو اُن تجلیات تک پہنچاتی ہیں جن کا اظہار الفاظ میں محال ہے۔ تہجد کے وقت بھی میناروں پر درود خوانی اور قرآن خوانی ہوتی ہے۔ یہ صرف مدینہ منورہ کی نرالی رسم نہیں ہے۔ دمشق و بیت المقدس میں بھی اسکا رواج ہے۔ اگلے زمانہ میں اہل ہند کے ہاں بھی یہ قاعدہ جاری تھا۔ میرے آقا حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتدائی عمر میں سب سے پہلا واقعہ جس نے آپکے قلب پر آیت کی پُرعظمت کیفیت ڈالی۔ اسی تلاوت نیم شبی سے تعلق رکھتا ہے ؀

ہندوستان کی مساجد میں بھی موذن پچھلی رات کو میناروں پر چڑھ کر موزون و مناسب آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے ؀

لازم ہے

کہ اب پھر ہندوستان میں اس رسم کو زندہ کیا جائے۔ یہی وہ باتیں ہیں کہ جن سے مسلمانوں کے تن مُردہ میں از سر نو جان پڑ سکتی ہے ؀

پانچ وقت میں صرف صبح کی نماز شافعی امام کے پیچھے پہلے ہوتی ہے ورنہ چار وقت اوّل حنفی امام نماز پڑھاتا ہے۔ اسکے بعد شافعی۔ حنفی امام کے پیچھے حنبلی شافعی بھی صدہا ہوتے ہیں تاہم یہ جدا جدا نمازیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ حرم نبوی میں مسلمانوں کو ہر اعتبار سے یکجان ہو جانا چاہیئے *

جمعہ کے روز بڑی بہار ہوتی ہے۔ مجھکو دو جمعے میسّر آئے۔ جس وقت امام خطبہ میں قبۂ رسول اللہ کی طرف ھذا رسول اللہ کہکر اشارہ کرتا ہے تو مسافران دیار پاک بیقرار ہو جاتے ہیں اور دل میں عجب کیفیت طاری ہوتی ہے *

قبۂ پاک اور بچّے

ایک دن میں نے یہ رسم نہایت دلچسپی سے دیکھی کہ شام کے وقت شیرخوار بچّے قبۂ پاک کے اندر سے گزارے گئے۔ معلوم ہوا جمعرات کا دن اسکے لئے مقرر ہے بیسیوں آدمی بچّوں کو عمدہ صاف کپڑے پہنا کر گود میں لاتے ہیں۔ ان بچّوں کے ساتھ تھوڑی سی روٹی یا مٹھائی بھی ہوتی ہے۔ جب روشنی کے وقت قبۂ پاک کھلتا ہے تو خواجہ سران بچّوں کو گود میں لیکر گود میں اُٹھا قبۂ پاک کے اندر مزار شریف کا طواف کرا کے لے آتے ہیں۔ جس وقت یہ بچّے باہر نکلتے ہیں تو خلقت دیوانہ وار بچّوں پر گرتی ہے۔ اور اُن کو ہاتھ لگا لگا کر چومتا اور آنکھوں سے لگانا چاہتی ہے *

بچّوں کے لئے یہ بڑے خطرے کا وقت ہے۔ اگر خلقت کو بزور نہ روکا جائے تو بیچارے بچّے پس کر چورہ ہو جائیں۔ روٹی اور مٹھائی جو بچّوں کے ساتھ ہوتی ہے کنبے رشتہ میں تقسیم کی جاتی ہے اور بچّہ والی عورتوں کو سب عورتیں مبارکباد دیتی ہیں کہ بُوا تمھاری خوش نصیبی مبارک ہو۔ خدا نے یہ دن دکھایا کہ بچّہ رسول خدا کے دربار سے فیضیاب ہوا *

معجزہ

یہاں یہ امر معجزہ سے کم نہیں کہ بیسیوں شیرخوار بچے جمع ہیں۔ رو رہے ہیں۔ کلبلا رہے ہیں۔ مگر جونہی قبہ پاک میں داخل ہوئے۔ چُپ ہو گئے۔ چنانچہ جب باہر آتے ہیں تو دو چار نہیں سب کے سب خاموش ہوتے ہیں اور تعجب تو اسپر ہے کہ جب خلقت انپر جھپٹتی ہے اور کھینچا تانی کرتی ہے اُسوقت بھی یہ بچے نہیں روتے *

مدینہ کا چاند

چودھویں تاریخ شب برات۔ صاف دُھلا دُھلا آسمان۔ عشا کی نماز پڑھکے اپنے گنگوہی دوست مولوی سید احمد صاحب کے دولتخانہ پر شب باشی کے لئے گیا۔ گرمی کا موسم چھت پر چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ مولانے سندھی تحفہ پان کھلایا جب وہ تشریف لیگئے تو دماغ میں تمباکو کا اثر معلوم ہوا اور چکر آنے لگا۔ کھڑے ہوکر ٹہلنا شروع کیا۔ ناگاہ گنبد خضرا پر نظر پڑ گئی۔ جو چودھویں رات کے چاند سے اشارہ بازی کر رہا تھا۔ کیا سُہانی چاندنی ہے۔ کھجور کے درخت گیسو نما ٹہنیوں کو سر پر لئے جگہ جگہ سرو بالائی شان سے کھڑے ہیں۔ آس پاس کی خانقاہوں سے ہو حق کی صدائیں آرہی ہیں۔ سفید نور میں یہ کالے پہاڑ بھی نظر فریبی میں کم نہیں۔ مدینہ کا چاند کسکو نصیب۔ مدتوں تصوّرات کی آنکھوں نے خیالی چاندنیاں دکھائیں۔ اور تخیّل کوئے یثرب کی شب ماہتاب دکھانے لایا۔ مگر یہ حقیقی نظارہ پھر اصلی ہے۔ اصل کی سی نقل میں بات کہاں۔ اتنے میں خلوتیہ طریق کے درویشوں کا ذکر جہر تال سُر سے سُنائی دیا۔ وہ تو عربی الفاظ عربی لَون میں کہتے تھے۔ میں نے اُردو میں اسی لے پر کہنا شروع کیا۔ باقی وہ۔ فانی سب۔ اوپر وہ۔

نیچے وہ - رحمت والے - شفقت والے کہتا جاتا تھا اور چاند کی شعاعوں کو گنبدِ رسول صلعم پر برستا دیکھتا جاتا تھا - ہائے کیا عالم تھا ۔

مدینہ کی گلیاں

پھول کی کلی مدینہ کی گلی دونوں تنگ دہن ہیں - ترکی حکومت کی بے پروائی سے صفائی بہت کم - مگر مجھکو تو ان گلیوں کا چپہ چپہ لندن و پیرس کی شاہراہوں سے بڑھکر معلوم ہوتا تھا - یہ وہی راستے ہیں جہاں مولائے کائنات چلتے پھرتے تھے یہ وہی کوچے ہیں جو ایک گذرنے والے کی غیبی خوشبو سے مہکا کرتے تھے - درودیوار بدل گئے ہیں - عمارات کی ہیئت میں فرق آگیا ہے لیکن جگہ وہی مشتاقوں کے دل میں رہنے والی ہے ۔

اب وہ دعا پیش کی جاتی ہے - جو جالی پکڑ کے عرض کی گئی تھی اور جس کا بار بار ذکر آیا ہے اور جسکو سننے کے لئے لوگوں کی بے چینی حد سے بڑھ گئی تھی - جگہ کی قلت کے سبب دعا کے بعض طولانی حصے مختصر کر دئے گئے ہیں اور احباب کے نام بھی علیحدہ کر کے صرف شہروں کے نام لکھدئے ہیں ۔

حالِ دل

جالی پکڑ کے روضۂ اقدس کی ایک بار سب حالِ دل رسولِ خدا کو سنائیں ہم

السّلام علیکم یا سیّد الکونین - السلام علیکم یا جیّدی - السلام علیکم یا وسیلتنا فی الدنیا والدین ۔

خوش نصیب ہیں یہ آنکھیں جو آپ کے روضۂ اطہر کو دیکھ رہی ہیں - نصیبہ والا ہے یہ ہاتھ جو اس نورانی جالی کو تھامے ہوئے ہے اور زبان کی عزّت پر تو جس قدر

رشک کیا جائے کم ہے کہ وہ اس زندہ اور زندہ کرنے والے وجود سے کلام کر رہی ہے۔ جسکے آگے سارے جہان کی زبانیں گنگ ہیں۔

یا رسول اللہ! آپکا یہ ناکارہ ناخلف فرزند حسن نظامی حالِ دل عرض کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ایمان ہو کہ حی قیوم کی عنایت سے اسوقت آپ جامۂ حیات میں موجود ہیں۔ دیکھ سکتے اور کر سکتے ہیں وہ جو نہیں کر سکتا کوئی۔

اسلام۔ آپ کا پیارا اسلام۔ آپکے خدا کا مقبول اسلام۔ آپکے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پسندیدہ اسلام نرغہ میں ہے۔ اعدا نے گھیر لیا۔ اکیلا رہ گیا۔ اُس کا کوئی یار و ناصر نظر نہیں آتا۔ عرب دریائے اسلام کا سرچشمہ دن بدن پست ہو رہا ہے۔ دشمن اسکو زیرنگین کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ عرب جس نے ساری دنیا کو زیرنگین کر لیا تھا۔

عرب کی محافظ سیف عثمانی۔ اسکو بھی زنگ لگ گیا۔ صاحب السیف نے حریت کی صیقل سے اسکو صاف کرنا چاہا تھا۔ مگر اس صیقل میں اجانب کے تیزآبی عناصر کی آمیزش سے اندیشہ ہے کہ وہ اس تیز اور دھاردار تلوار کی کاٹ کو بیکار کر دینگے۔

میں پاک مدینے میں غیروں کے سکّے چلتے دیکھتا ہوں۔ غیروں کی تجارت کو پھیلا ہوا پاتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں سنسنی پیدا ہوتی ہے۔

حضور! ایک حکومت کا نقرئی سکّہ یہاں پورے دام میں چلتا ہے اور طلائی کے دام اصل سے بھی کچھ زیادہ آتے ہیں۔ اسکے مقابلہ میں ترکی سکہ کو دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اسکی حکومت کے اس میں بٹہ لگتا ہے۔

سرکار! سکّہ حکمرانی کی نشانی ہے تو کیا غیروں نے مدینہ کی حکمرانی میں دخل نہیں پا لیا؟ آہ غیروں کے بنائے ہوئے کپڑے کو یہاں تک فروغ ہے کہ اس میں لپیٹ کر بقیع جیسے برگزیدہ مقام میں مُردے دفن ہوتے ہیں۔ یعنی آپکی اُمّت

کفن کے لئے بھی غیروں کی محتاج ہے ؛؛

حکومت ہمارے ہاتھ سے نکلی چلی جا رہی ہے۔ چین میں ہم محکوم۔ جاوا میں ہم محکوم تاتار و بخارا میں ہم محکوم۔ ہندوستان میں بھی ہماری حیثیت محکومیت کی ہے۔ گو خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ ہمارے مذہب سے سروکار نہیں رکھتا اور اس نے ہم کو ہر طرح کی آزادی و آسایش دے رکھی ہے۔ ایران کی کشتی طوفان میں ڈگمگا رہی ہے۔ مراکو کا گلا کٹ چکا۔ خون بہ رہا ہے۔ آخر وہ بھی تھم جائیگا۔ مصر کو ابھی آنکھ سے دیکھکر آیا ہوں۔ مسلمان سر بازار شراب نوشی کرتے ہیں۔ اور دین کی کسی بات میں جی نہیں لگاتے۔ افغانستان میں دین و دنیا کی آس نظر آتی ہے۔ مگر وہ بیچارہ دو انجنوں کے بیچ میں ہے۔ اِدھر بھی ٹکر۔ اُدھر بھی ٹکر؛؛

اب ہر پھر کے ہم سب کی نگاہیں آپکے پُر اسرار دروازے پر اُٹھتی ہیں۔ اور انکشاف غیب پر اپنی ہستی کا قرار تصور کرتے ہیں ؛؛

یا رسول اللہ! کاسہ لبریز ہو چکا۔ جلدی ظہور فرمائیے۔ اور بیکس و بے بس اُمّت کی دستگیری کیجئے۔ حضرت مسیح کی اُمّت صرف حکومت ہی کی مالک نہیں ہوئی۔ تمدن و شائستگی اور حُسن اخلاق بھی اس نے ہم سے چھین لیا۔ ان ممالک میں مسلمان و نصاریٰ پہلو بہ پہلو آباد ہیں۔ حکمرانی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مگر خوشحالی کا اثر مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا۔ صورتیں بھی نصاریٰ کی بشاش۔ لباس بھی نصاریٰ کے نفیس۔ گھر بھی نصاریٰ کے آراستہ۔ اخلاق بھی نصاریٰ کے اچھے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ کام سے جی نہیں چراتے۔ محل شناسی میں ان کا پلہ ہم سے بہت بھاری ہے۔ مصر، بیت المقدس، بیروت، دمشق وغیرہ مقامات میں آپکے غلام نے مسلمان و عیسائی زندگی کو خوب غور کر کے دیکھا زمین آسمان کا فرق ہے ؛؛

عیسائی طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب اسلام اس زبونی کا ذمہ دار ہے تو ہمارا سینہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ اسلام کا قصور ہوتا تو ابتدا میں قوم مسیحی سے ہم لوگ کیونکر بہتر ہوتے۔ حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ ہم نے ہی دنیا کو شائستگی اور تمدن کی تعلیم دی تھی۔ اور ہم ہی وہ مسلمان ہیں جو نصاریٰ کی موجودہ خوبیوں سے زیادہ محاسن رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں نصاریٰ کا ہم سے بھی گیا گذرا احوال تھا۔ مذہب کا دخل ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ دین مسیحی بُرا اور دین اسلام اچھا ہے *

جہاں پناہ! اس عالم افسردگی کے عرض حال کے بعد دو جملے خوشی کے بھی سماعت فرما لیجئے۔ ہم مرے نہیں ہیں۔ ہماری تعداد دُنیا میں ریل کی سڑک کی طرح بڑھ رہی ہے۔ ہر سال ہم زمین کے کناروں پر لاکھوں کی شمار میں بڑھتے جاتے ہیں *

دوسرا ثبوت ہماری حیات جاودانی کا یہ ہے کہ حضور کے نام نامی پر ہم سب فدا ہیں۔ ہمارے دل آپ کی محبت میں یکساں شریک و گرفتار ہیں۔ اس مرکز یزدانی کے دائرے سے ہم میں سے کسی کا قدم باہر نہیں نکلا۔ اس لئے ہمکو یقین ہے کہ موجودہ خرابیاں حضور کے ادنیٰ اشارہ لدنی سے دور ہو سکتی ہیں *

میرا وطن اقامت ہندوستان جاگا ہے۔ اُٹھنا چاہتا ہے۔ بلکہ اُٹھ رہا ہے۔ ہماری سب افراد میں حرکت پیدا ہوئی ہے تعلیمی جامعہ اسلامی (مسلم یونیورسٹی) کا ستارہ افق امید پر طلوع ہو گیا ہے۔ ہم اسکو چاند بنا ئینگے۔ اور آگے بڑھینگے ٹھنڈی روشنی میں حرارت پیدا کرینگے اور تارے کو سورج بنا دینگے۔ اس کوشش میں ہمارے مال، اوقات، یہانتک کہ نفوس قربان ہونگے۔ اور آپ کے طفیل ہم سب کچھ کرینگے *

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی کی یہ شاہ راہ ہم کو صاف کر کے دی جائے گی یا

توڑ پھوڑ کر۔ اگر بیچ میں رکاوٹ ڈالی گئی تو ہم ہر ممکن جد و جہد سے اس رکاوٹ کو دور کرینگے ؞

بھلا ہو آغا خاں اور امیر علی کا۔ بھلا ہو وقارالملک اور اُن کے مددگاروں کا۔ ان کے دل خلوص اور استقلال سے معمور ہوں۔ ان کے حوصلے بڑھیں۔ اور استقامت دین کا قلعہ فتح ہو ؞

خیر ہو ہمارے دینی بزرگوں کی۔ سلامت رہیں پیشوایانِ دین۔ نازل ہو برکت و رحمت حضرت مولنا پیر مہر علیشاہ گولڑوی و حضرت مولنا شاہ بدرالدین پھلواروی و حضرت دیوان سید امام الدین اجمیری۔ و حضرت دیوان سید محمد پاک پٹنی و مشائخ تونسوی و صاحبزادگان اجمیر شریف و صاحبزادگان مہرولی و صاحبزادگان چراغ دہلی و دیوان ہانسی و صاحبزادگان حضرت محبوب الٰہی و کلیری و حضرت مولینا شاہ سلیمان پھلواروی و میاں عبدالصمد فخری و صاحبزادگان مہاروی و مشائخ نیازی و مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی و سید جماعت علی شاہ علی پوری و استاذی مولوی محمد یحییٰ گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی و جمیع علمائے دہلی و دیوبند و ندوہ و فرنگی محل پر ؞

مقبول ہوں خدمتیں خادمانِ قوم آفتاب احمد خاں و نواب مزمل اللہ خاں۔ و مولوی شبلی و مولوی حبیب الرحمٰن خاں و حاذق الملک۔ و میاں محمد شفیع و مولوی رفیع الدین و سید حسین بلگرامی و حکیم نورالدین قادیانی و خواجہ کمال الدین و شیخ محمد اقبال کی۔ اور فائدہ مند ہوں مسلمانوں کی اور سب خادمان قوم کی خدمتگزاریوں سے ؞

ترقی ہو اخبارات قوم وکیل۔ ملت۔ وطن۔ پیسہ اخبار۔ کامریڈ۔ آبزرور۔ البشیر۔ علیگڈھ گزٹ۔ دبدبہ سکندری۔ نیر اعظم۔ مخزن۔ تمدن۔ صوفی۔ نظام المشائخ پنجاب ریویو۔ مشرق۔ زمیندار۔ پیڈ آصفی وغیرہ کی۔ پیدا ہو یکجہتی قوم کے ان سب

اخباروں میں ؛

فائز المرام ہوں آپکی محبت میں - کامیاب ہوں دین و دنیا کے مقاصد میں میرے احباب ذوالاخلاص ساکنان دہلی - لاہور - بمبئی - حیدرآباد - جالندھر امروہہ - کوئٹہ - ریوان - الہ آباد - کلکتہ - پٹنہ - امرتسر - جاورا - الور - راجکوٹ مانگرول - مانادور - میرٹھ - کانپور - مدراس - عدن - آگرہ - سیوہارہ - پانی پت انبالہ - لکھنؤ - گوالیار - رامپور - سہارنپور - بریلی وغیرہ کے ؛

اے سرور دو جہان دہلی کے برباد شاہزادوں کا نالۂ و بکا پیشکش ہے - یہ تاج و تخت کو نہیں روتے - ان کو روکھی روٹی کا ٹکڑا - اور تن ڈھکنے کو موٹا جھوٹا کپڑا درکار ہے - ان کی ذلت و رسوائی کی حد ہو چکی - بداعمالیوں کا کافی بدلہ مل گیا - اب خطا پوش پروردگار سے ان کو معافی دلوائیے ؛

امت کے یتیموں پر بھی ایک نظر لطف - ان کا مفلسی کے وقت کوئی پرسان حال نہیں - دربدر بھٹکتے پھرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی کمند کفر میں باندھے جاتے ہیں - اور اُن لاوارث بیواؤں کی جانب بھی ایک اشارۂ نوازش جو گھر کے سرتاج کو روتی ہیں اور مایوس ہو کر آپ کی پناہ میں آتی ہیں ؛

اے آمنہ کے جگر کی کور آغوش میں بیٹھا رہوجیں دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے والی اولاد کے لئے پھڑک رہی ہیں - اپنی والدہ ماجدہ کی بھری پوری گود کا صدقہ - ان نامرادوں کی بیکلی دور ہو - اور قوت غیب کے دربار سے اُن کی گودیں فرزندان سعادتمند سے بھر جائیں - خصوصًا حیدرآباد کی امیرا بیگم جنہوں نے اس فقیر کو پیام رسانی کی خدمت خاص طور پر سپرد کی ہے - یہاں سے کوئی خالی ہاتھ محروم نہیں جاتا - امیرا بیگم کو بھی تجز انہ مراد سے عطا فرمائی جائے - امت کے بیماروں کی طرف سے طبیب الکل کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہوں - جسم و روح کی شفا و تندرستی مانگتا ہوں - افلاس زدہ

ملک کے بیچارے بیکار افراد کی فارغ البالی و تونگری طلب کرتا ہوں۔ غنی و وہاب خدا سے دلوائیے۔ گناہگاروں کی شرمساری و ندامت خدمت میں لایا ہوں۔ انکو توفیق نکوکاری مرحمت فرمائیے۔

سوختہ دل عشاق دل کا قرار چاہتے ہیں۔ لیلی صفت محبوب ان محبوبوں سے رستگاری کے خواستگار ہیں جو فرضی قیس بنکر جنونانہ حرکات کرتے اور دامن و قار و عزت کو بدنامی کا داغ لگاتے ہیں۔ میں خود سکوت کا طالب ہوں۔ محویت کامل کا خواستگار ہوں۔ راحتِ دل۔ آبِ چشم۔ وقتِ خوش مانگتا ہوں۔ گوشۂ عافیت دلوائیے۔ حجرۂ فنا در بقا و بقا در فنا تک پہنچائیے۔ تاکہ یہ جالیاں۔ یہ درمیانی حجابات سدِ راہ نہ ہوں۔ اور منزل ابد قرار ہاتھ آجائے۔ آمین۔

اللھم افتح لنا بالخیر واختم لنا بالخیر واجعل عواقب امورنا بالخیر بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔

حرم کے باہر

مدینہ منورہ میں پندرہ روز قیام رہا۔ اس عرصہ میں حرم کے باہر شہر و بیرون شہر میں جسقدر زیارتیں ہیں۔ سب کا شرف حاصل ہوا۔

مزار سیدنا عبداللہ!

ہمارے آقا رسولِ خدا کے والد ماجد سیدنا عبداللہ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ اتفاق کی بات سفر میں رحلت فرمائی اور وہاں دفن ہوئے جہاں سلطانِ کونین فرزند کا بھی مدفن قدرت نے مقرر کیا تھا۔ شہر کی آبادی میں ایک گلی کے اندر یہ مزار ہے۔ غلاف پڑا ہوا تھا۔ کسی مزار پر ایسی معصومیت و کیفیت خاص نہیں دیکھی جو یہاں ہے۔ کیوں نہو اس وجود مقدس کے بزرگوار رکھنے کیلئے آسمان میں پیدا ہوا

جنت البقیع

حرم کے قریب یہ مشہور مقام ہے۔ جہاں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ اور اہل بیت اطہار کے مزارات ہیں۔ سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہرا رضا اور دیگر ائمہ اطہار کے مزارات بھی یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت سیدہ کا ایک مزار خاص روضہ منورہ یعنی حرم اقدس کے متصل ہے۔ بعض کہتے ہیں بقیع کا مقام درست ہے۔ بعض کا خیال ہے حرم کے اندر والا ۔

معلوم ہوتا ہے بقیع میں ایک قبر کے اندر کئی کئی اصحابؓ اہل بیت کو دفن کیا گیا ہے۔ کیونکہ متعدد مزارات اتنی کم جگہ میں ہیں کہ ہمارے ملک میں اتنی جگہ ایک قبر کو بھی کافی نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ بقیع ایک چھوٹا سا قطعہ زمین ہے۔ تیرہ سو برس سے اس میں لوگ دفن ہوتے ہیں۔ پھر بھی زمین صاف نظر آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حرمت و برکت مقام کے لحاظ سے ایک ہی جگہ سیکڑوں ہزاروں دفن ہوتے آئے ہیں ۔

یہاں پھول چڑھانے کی رسم نہیں ہے۔ مَرْوہ کی سبز شاخیں چڑھائی جاتی ہیں جو بیسیوں جگہ لوگ فروخت کرتے نظر آتے ہیں ۔

میدان احد

موجودہ شہر مدینہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر احد کا وہ مشہور میدان ہے جہاں کفار قریش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ ہوئی۔ یہیں حضرت امیر حمزہ عم رسولؐ کا مزار ہے۔ اور دیگر شہدا کے مقابر ہیں۔ میں نے حضرت امیر حمزہؓ کے مزار کی زیارت کر کے احد کے میدان جنگ کو خوب جی بھر کر دیکھا۔ رات کو ایک عجیب خواب دیکھا تھا اسکی تعبیر یہاں کے مناظر سے ہو بہو پوری ہوئی۔ یہ میدان نہایت پُر اثر ہے۔ اس

خواب کا قصہ میں نے رسالہ شیخ سنوسی میں بشرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جو ہندوستان میں دو برس سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوا اور ہو رہا ہے ۔

افسوسناک منظر

شہدائے احد جس مقام پر دفن ہیں وہ مختصر جگہ ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ اس مقام پر میں نے چند تازہ قبریں دیکھیں ۔ یہ بات میرے خیال میں شہدا کی بے حرمتی ہے ان نئے مُردوں کو مقبرۂ شہدا کے متصل دفن کرنا لازم تھا ۔ نہ کہ خاص مقبرہ کے اندر اور سابقہ قبروں کے اوپر ۔

مسجد قبا

مدینہ منورہ کے دوسرے رخ مسجد قبا واقع ہے ۔ سڑک یہاں کی بہت ناقص و خراب ہے ۔ بیان کیا گیا کہ اسی جگہ قبلہ کی آیت نازل ہوئی تھی ۔ مقام وحی پر ایک کتبہ کوفی خط میں لگا ہوا ہے ۔ اسی کے قریب ایک اور نشان بُرجی نما صحن میں بنا ہوا ہے یہاں آیت اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی نازل ہوئی تھی ۔

ظاہری عمارت کے اعتبار سے یہ جگہ کچھ زیادہ خوبصورت نہیں ہے ۔ لیکن یہ وہ مقام ہے جہاں اسلام کی بنیاد قائم ہوئی ۔ اگر انسان کچھ دیر بیٹھ کر غور کرے تو اسکے دل پر عجیب اثر ہوگا ۔ اللہ اکبر یہاں رسولِ خدا پر وحی نازل ہوتی تھی اور صحابہؓ کے ساتھ آپ نمازیں پڑھتے تھے ۔ یہ مقامات اُس اسلام کے ابتدائی مواقع ہیں جس نے باہر کی دنیا میں تاجداریاں اور حکمرانیاں کیں اور جسکے پیرو دس دس کروڑ روپیئے قیمت کے تخت پر بیٹھے ۔ اور دنیا کے بڑے حصہ کے مالک حکمران قرار پائے ۔

مسجد قبا کے قریب باہر کے رخ حضرت علیؓ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی مسجدیں

ہیں۔ یہاں چند لڑکیوں نے مجھکو مہدی کے چند پھول دئیے اور کہا کہ یہ حضرت بی بی فاطمہ رض کی مہدی ہے۔ میں نے اُن پھولوں کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ ان لڑکیوں نے کچھ اشعار بھی سُنائے جن میں رسولِ خدا کی تعریف تھی۔

کتب خانے

مدینہ شریف میں متعدد مقامات پر کتب خانے قائم ہیں جو باہر والوں نے قائم کئے ہیں ان میں بخاری کتب خانہ کو میں نے زیادہ غور سے دیکھا۔ کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔

شیخ الحرم

آجکل ایک ترک ہیں۔ بوڑھے اور بہت ملنسار آدمی ہیں۔ میری ان کی تخلیہ کی ملاقاتیں ہوئیں اور میں نے ان سے چند ضروری مسائل مسلمین پر گفتگو کی۔ خاصکر مسئلہ خلافت کے عملدرآمد پر زیادہ بحث رہی۔ میں نے اُن سے کہا کہ ترکی حکومت خلافت کا کچھ کام نہیں کرتی۔ آپ اُس کو رغبت دلائیے کہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں کام شروع کیا جائے۔

شیخ الحرم نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ کیا کام ہونا چاہئے۔ میں نے کہا آپکو معلوم ہے کہ آج کل تمام دُنیا کے مسلمان ترکی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور حضرت سلطان روم کو اپنا مذہبی خلیفہ اور پیشوا مانتے ہیں۔ مگر یہ عقیدہ بیکار رہے جب تک اس کا عملی ظہور نہ ہو۔ خلافت کا دارمدار خدمت حرمین پر ہے۔ لہذا سلطان کو چاہئے کہ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہر سال آنے والے حاجیوں سے تعلقات بڑھائیں۔ اور ان کی مذہبی ضرورتوں کو معلوم کرکے اُسمیں دخل دیں۔

مثلاً بعض ملکوں میں بعض مسائل کے سبب مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ خلیفہ

کو چاہیئے کہ وہ ان اختلافی مسائل کے بارہ میں مسلمانوں کو حکم دیں کہ اختلاف ترک کر کے سب کو متحد رہ کر کام کرنا چاہیئے۔ مدینہ منورہ میں خلافت کے زیر اثر ایک دارالافتا دقائم کیا جائے جہاں سے تمام اسلامی دنیا کو اسکی ضرورت وسوال کے وقت فتوے بھیجے جائیں اور ایک ایسا محکمہ خبر رسانی مہیا ہو جو مسلمانوں کی مذہبی حالات کی خبر رکھے اور جس ملک کے مسلمانوں میں کوئی مذہبی کمزوری محسوس ہو۔ خاص فرمان کے ذریعہ ان کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنی حالت کی اصلاح کریں۔

ہر سال جو حاجی یہاں آئیں ان سے نائب خلیفہ اپنے ہاتھ پر امیرالمومنین کی اطاعت وتسلیم خلافت کے لئے بیعت لیں۔ اورانہیں میں چند لوگوں کو اجازت دی جائے کہ اپنے ملکوں میں جاکر خلیفہ کے نام سے بیعت لیں۔ اس بیعت کو ملکی و سیاسی معاملات میں کچھ دخل نہو بلکہ اتباع خدا اور رسولؐ اور اطاعت حکم خلیفہ کے لئے بجائے بجا آوری فرائض دین یہ بیعت لی جائے۔

شیخ الحرم نے فرمایا تجاویز تو بہت اچھی ہیں مگر ان میں کئی دقتیں ہیں۔ اوّل تو زبان کی مشکل۔ ہم لوگ ہر ملک کی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ پھر کیونکر اپنا مطلب ان کو سمجھا سکینگے۔ دوسرے یہ کہ جسوقت یہ عمل شروع کیا گیا اجنبی حکومتیں شبہ کرینگی کہ ہم کوئی خطرناک سازش کفار کے خلاف کر رہے ہیں۔

میں نے جواب دیا۔ زبان کی مشکل کا تو یہ آسان حل ہے کہ مزوّر لوگ زبانوں سے واقف ہیں۔ جاوا کے مزوّر جاوی مسلمانوں کو سمجھائیں۔ ہندوستانی مزوّر ہندیوں کو سمجھائیں۔ اس طرح یہاں ہر ملک کے مزوّر موجود ہیں۔ جو بہت خوبی سے ترجمانی کر سکتے ہیں۔

دوسرے اندیشہ کا جواب یہ ہے کہ جب آپ محض مذہبی باتوں پر اپنے عمل کی بنیاد رکھینگے تو کوئی وجہ نہیں جو غیر حکومتیں شبہ کریں۔ اگر شک کیا جائے تو انکو

سمجھا دینا چاہیے کہ ہمارا کام صرف امور دین سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے شک و شبہ کا اندیشہ رہیگا تو ایک دن آپ کو رسم حج سے ہاتھ دھونا پڑیگا کیونکہ اجنبی بادشاہ اس رسم کو بھی خوفناک نظروں سے دیکھتے ہیں ؛۔

شیخ نے بہت تامّل اور غور خوض کے بعد فرمایا کہ اس کا تذکرہ ارا کین خلافت سے کرونگا۔ میں خود اور اکثر اہل حکومت ان کاموں کی ضرورت کے قائل ہیں۔ مگر کیا کریں اخبار کام کرنے کی مہلت نہیں دیتے ؛۔

کمشنر مدینہ حسن بصری

ایک دن حسن بصری کمشنر مدینہ منورہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ بھی بہت لائق اور ہوشیار آدمی ہے۔ مذکورہ امور پر ان سے بھی گفتگو ہوئی ؛

حرم کے اندر جو اختیارات شیخ الحرم کو ہیں ایسے ہی اطراف مدینہ میں کمشنر کے اختیارات ہیں ؛

مدینہ میونسپل کمیٹی

پارلیمنٹ کے قیام سے جدید باتوں کا دخل مدینہ منورہ میں ہوتا چلا ہے۔ ابھی حال میں میونسپل کمیٹی قائم ہوئی ہے جو روشنی اور صفائی کا انتظام کر رہی ہے۔ روشنی۔ سڑکیں قابل اصلاح ہیں۔ خاصکر صفائی کے معاملہ میں تو بہت جلدی توجہ کی ضرورت ہے کر خاص حرم کے قریب طہارت یعنی بیت الخلا بنے ہوئے ہیں۔ ان کی بدبو بھی ناگوار ہے اور ادب کے بھی خلاف ہے۔ یہ طہارت بہت عرصہ میں عمارت ہوتے ہیں۔ میں نے شیخ الحرم اور کمیٹی کے سکریٹری سے ان امور کی نسبت کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر پاخانے یہاں سے ہٹائے جائیں تو حرم کے نمازیوں اور حاجیوں کو بہت تکلیف ہو جائے گی۔ حرم کے قریب کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پاخانے بنوائے جائیں۔

دور بنوائے گئے تو حجاج کو بہت تکلیف ہوگی۔ میں نے کہا یہ ضروری نہیں کہ پاخانے یہاں سے اٹھوا دئے جائیں۔ بلکہ ان کی صفائی کا جلدی جلدی انتظام ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ سالہا سال خبر نہ لی جائے ؛

واپسی

قصہ مختصر۔ مدینہ منورہ میں پندرہ روز قیام رہا۔ اس اثنا میں اکثر مشائخ شاذلیہ نقشبندیہ رفاعیہ خلوتیہ وغیرہ کی صحبتوں میں شرکت نصیب ہوئی اور مدینہ منوّرہ کے شیخ المشائخ حضرت مولانا سیّد حمزہ رفاعی نے اپنے سلسلہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور دیگر مشائخ بلاد مغرب سے چند خاص اعمال و عجائبات روحانی حاصل ہوئے ؛

خصوصًا دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار نے اپنے نالائق غلام کو طرح طرح کے انعامات سے نوازا۔ اور اسکے مخفی ارادوں کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا اُس کا ایک ضمنی اشارہ اس شعر میں ہے ؎

یا ذا الذی اضمر علی الاقدام علی الامور فاستمع نظام
ابالک ھذا الامر یا ھمام تقدام علیہ صد الایام

مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر حجاز ریلوے کے راستہ پھر دمشق آیا اور اسلامی ہوٹل دار السرور میں ٹھہرا جو مصر کے عیسائی ہوٹلوں سے زیادہ شاندار تھا اور سستا ہے۔ اسدفعہ دمشق میں چار پانچ روز قیام ہوا اور غالب کو رنر جنرل شام اور دیگر تمام نامور و ممتاز مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں ؛

حضرت شیخ عبد الجلیل مدیر مجلہ الحقیقہ

کے اہتمام سے مشائخ عظام کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مجکو طریق ذکر دکھایا گیا

اور مشائخ سے ملاقاتیں کرائی گئیں۔ حضرت شیخ محمود ابوالشامات الشاذلی نامور بزرگ شام اور حضرت مولانا عبدالرحیم القابی المکی الشاذلی نامور شیخ مکہ مکرمہ نزیل شام سے شاذلیہ سلسلہ کی اسناد و خلافت بھی حاصل ہوئیں اور بعض مشائخ سنوسیہ نے چند مخفی اعمال عطا فرمائے۔ جن میں سے بعض اس کتاب کے آخر میں درج کر دئے ہیں۔

دمشق سے بیروت پہنچا۔ اور دو روز قیام کیا اور وہاں سے پورٹ سعید آگیا۔ پورٹ سعید میں کوک کمپنی کی معرفت خرچ منگایا تھا مگر یہاں آکر معلوم ہوا زیادہ تعداد روپیہ کی مدینہ منورہ بھیجدی گئی۔ کُل اسّی روپئے کوک کمپنی کے ہاں آئے تھے اُن کو لیکر میں نے ہندوستان سے بذریعہ تار اور روپیہ منگایا اور خود دوبارہ قاہرہ چلا گیا۔ جہاں دو تین روز کے قیام میں یہ روپیہ خرچ ہو گیا۔ پورٹ سعید پہنچا تو معلوم ہوا کہ روپیہ ہندوستان سے نہیں آیا۔ عجب پریشانی کا سامنا ہوا اور پانچ چھ روز نہایت مصیبت کے گذرے جن میں کچھ فاقے بھی کرنے پڑے کیونکہ یہاں کسی سے شناسائی نہ تھی۔ اور پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسکو فروخت کر دیا جاتا۔ اس فاقہ کشی کے زمانہ میں مولانا برکت اللہ بھوپالی مقیم ٹوکیو جاپان سے ملاقات ہوئی جو قسطنطنیہ سے آرہے تھے اور جاپان جارہے تھے۔ ان کی عالمانہ صحبت نے بہت فائدہ پہنچایا مگر ان کو خبر نہ تھی کہ میرا پیٹ روٹی مانگتا ہے اور دل و دماغ میں سمجھنے اور سوچنے کی طاقت نہیں ہے۔ پانچ فاقوں کے بعد دمشق کے ایک دوست سے ڈیڑھ سو روپیہ قرضہ ملا۔ اور میں آسٹرین کمپنی کے جائنا جہاز میں سوار ہو کر سولہ دن میں بمبئی پہنچا۔ یہ فاقہ کشی خدا تعالیٰ کا ایک امتحان تھا جسنے اپنے اُس بندے کو جس نے دو ہزار روپیہ اس سفر میں خرچ کر کے سارا راستہ نہایت عیش و عشرت سے بسر کیا تھا دکھایا کہ ہمارے کوچہ میں فقر فاقہ بھی ہے۔ جس کا آخر میں تھوڑا سا مزا چکھتے جاؤ۔ اس حالت کے پیش آنے پر مجھکو جسقدر فخر ہے وہ کُل سفر

مولویہ خاندان کی قوالی ملک شام میں

مولویہ خاندان کا حال قال ملک شام میں
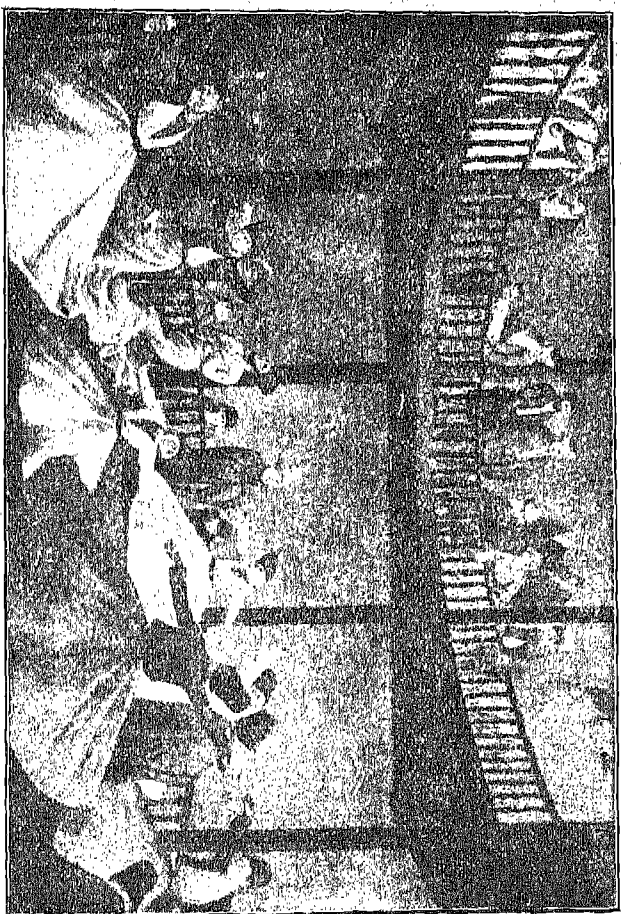
کی راحتوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

واپسی میں بمقام عدن چند گھنٹے قیام ہوا۔ سید حسین صاحب حمود و دیگر متوسلین سلسلۂ نظامیہ نے جو جاتے وقت بیعت ہوئے تھے۔ تحائف نفیس کھانے نقد نذرانے ساتھ کئے۔ اور متعدد نئے حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ عدن سے چل کر تیز مرچوں کے سالن کھانے کے سبب پیچش ہو گئی اور دو رات دن جبکہ سمندر میں مایوسی بخش طوفان تھا اس پیچش نے موت کا مزا چکھا دیا۔ جہاز ڈوبنے کے قریب۔ لیٹنا تک محال۔ اور پیچش کا تقاضا کہ بار بار بیت الخلا چلو۔ جس پر گزری وہی جان سکتا ہے۔ یہ آخری پریشانیاں ابتدا کی خوشحالیوں کا عوض تھیں۔ انسان کو خوشی میں غم اور غم میں خوشی کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

عدن سے چلتے وقت ۲۲ مسلمان ہندوستانی قیدی جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ طوفان میں ان کا کھانا خراب ہو گیا تو بیچارے فاقہ کشی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے ہر چند کپتان سے کہا مگر اس نے بغیر نقد قیمت کے ان پر کچھ رحم نہ کیا۔ آخر میرے پاس جو کچھ عدن کی نذروں کا سُنہری بقیہ موجود تھا وہ میں نے سب کپتان کی نذر کیا اور قیدیوں کا بمبئی تک کھانے کا گزارہ ہو گیا۔

جس وقت بمبئی میں قدم اُتارا ہے تو جیب میں ایک پائی نہ تھی۔ قلیوں اور گاڑی کا کرایہ قرض رہا جو شاہجہاں ہوٹل میں پہنچکر بذریعہ قرض ادا کیا گیا۔

استقبال

دہلی میں واحدی صاحب نے شاندار استقبال کا سامان کیا تھا۔ اور بمبئی میں حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبر آبادی اور دیگر احباب منتظر خیر مقدم تھے۔ مگر میں ان رسموں کو نہایت ناپسند کرتا ہوں۔ اسلئے چپ چاپ۔ بے اطلاع

داخل بمبئی ہوا اور ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ لیکن حکیم ماہر صاحب کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ جنھوں نے ہوٹل میں غیر معمولی تکلفات کا اظہار کر کے اپنی محبت کا زیر بار احسان کیا القصہ برادرم مولوی سید علی وجدی مقیم بمبئی کی اعانت قرض سے ٹکٹ لیکر دہلی روانہ ہوا اور رات کو ۲ بجے جبکہ واحدی صاحب سوتے تھے منزل گاہ حلقہ میں پہنچ گیا۔ ظاہر ہے کہ واحدی صاحب کس قدر خفا ہوئے ہونگے جنکے اسباب استقبال کو میں نے ملیا میٹ کر دیا اور بغیر پھولوں کے ہاروں کے رمضان کی آخری راتوں میں ڈھائی بجے چپ چاپ چارپائی پر لیٹ کر سو گیا۔ جو استقبال کی حالت میں ہرگز میسر نہ آتا۔ اور خبر نہیں کتنی دیر مجھکو اور دیگر احباب کو جاگنا پڑتا اور نتیجہ سوائے اسکے کچھ نہوتا کہ میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس کتاب کے دو چار ورق سیاہ کر دیتا۔ ناظرین بتائیں اُس میں آرام تھا یا اس میں؟

نتائج و ہدایات ضروری

آخر میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ میرا یہ سفرنامہ معلومات سیاسی۔ تمدنی وغیرہ کا ذخیرہ نہیں ہے۔ نہ میں نے ان امور کو اپنے سفر میں پیش نظر رکھا۔ ایسی باتیں معلوم کرنی ہوں تو میری رائے میں سب سے زیادہ کار آمد اور مفید سفرنامہ آنریبل خواجہ غلام الثقلین وکیل میرٹھ کا ہے جو اُسوۂ حسنہ دہلی کے پتہ سے دستیاب ہو گا یا منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کا سفرنامہ جو ان کے دفتر سے ملیگا یا مولوی عاشق الٰہی کا زیارت نامہ ہے جو میرٹھ خیر نگر دروازہ سے مرکو دستیاب ہوتا ہے۔ آخر الذکر سفرنامہ مذہبی مسافروں کے لئے بہت مفید ہے جس میں اُصول فقہ کے موافق حج و زیارت کے طریقے اور سفر کی عامیانہ ضروری باتیں درج ہیں۔ اور خواجہ غلام الثقلین کے سفرنامہ میں تمدن و سیاست کا نہایت بیش قیمت رسالہ ہے۔ اس

سفرنامہ کی شاید ایک روپیہ آٹھ آنہ قیمت ہے ؞

میری اس کتاب میں ناظرین کو ایک خاص محدود دائرہ کی باتیں معلوم ہونگی اور میرا خیال ہے کہ وہ اسکو ادبی اور روحانی لٹریچر کی حیثیت سے پڑھینگے۔ اور ان کو معلوم ہوگا کہ اسکا لکھنے والا تمدن و سیاست وغیرہ امور سے ناواقف نہیں ہے کیونکہ جگہ جگہ اس کے اشارے موجود ہیں۔ مگر اس کا مقصود اصلی کچھ اور ہے ؞

مینے کوشش کی ہے کہ مقامات متبرکہ کے مناظر کو الفاظ میں دکھا دوں اور اس وقت جو کچھ میرے دل میں کیفیت گزری اس کو قلم بند کرکے ناظرین تک پہنچا دوں۔ یہ ایسی حالتیں ہیں جن کے پڑھنے کے بعد اگر کوئی شخص ممالک مذکور کا سفر کرے تو مقامات متبرکہ کا اسکے قلب پر ایک خاص اثر ہوگا۔ اور یہی میرا مقصود تھا کہ دوسروں میں کیفیت روحانی پیدا ہو ؞

جو لوگ ان ممالک میں جانا چاہیں اُن کو امور ذیل کا خیال رکھنا لازمی ہے ؞

(۱) رفیق سفر ضرور ہونا چاہیئے ورنہ جی اُکتا جاتا ہے۔ ساتھی ہوں تو سکنڈ کلاس میں سفر کرنا مناسب ہے آرام دہ ہے ؞

(۲) حمالوں ترجمانوں اور پیشہ ور رہبروں پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے خواہ کیسے ہی بزرگ صورت اور دیانتدار معلوم ہوں۔ یہ لوگ عموماً بعد میں دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر خود عربی جانتے ہو تو ان کی ہمراہی کی ضرورت نہیں ورنہ خیر مجبوری ہے لیکن اس حالت میں بھی اپنا اعتماد کلی نہ رکھو اور ہر چیز سے ہوشیار رہو ؞

(۳) جب کسی ترجمان۔ ملاح۔ یا مزدور سے تکلیف پہنچے تو اس کی کتاب پر جو وہ حاصل کرنے کے لیئے پیش کریگا صاف صاف لکھدو۔ میں نے ہر جگہ ایسا ہی کیا اور اردو سے ناواقف رہبر و ملاح خوش خوش سارٹیفکٹ لیکر چلے گئے۔ حاذق الملک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ اسکندریہ کے ایک شریر گائڈ یعنی رہبر کی شرارت سے وہ ہیرا سیتا

سارٹیفکٹ دیکھکر محفوظ رہے جسکو اس نے یہ سمجھکر دکھایا تھا کہ اس میں میری تعریف ہے
مگر میں نے اصل حقیقت لکھدی تھی۔ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ملاحوں اور ترجمانوں کی خاطر
خوشامد سے متاثر ہوکر خلاف واقعہ تعریف لکھدیتے ہیں جو انکے دوسرے ہم وطنوں کے دھوکا کا باعث ہوتی ہے۔

(۴) حاجیوں کو چاہئے کہ ٹھہرنے سے پہلے ہوٹلوں کو خود جاکر دیکھ لیا کریں اور اسکا خیال نہ کریں کہ
ہوٹل مسلمان کا ہے یا عیسائی و یہودی کا۔ کیونکہ عموماً مسلمان ہوٹل والے حاجیوں کو بہت
لوٹتے ہیں اور ان کے ہاں آرام کم ملتا ہے۔ رہبر و ملاح و مزدور کہا کرتے ہیں کہ مسلمان
ہوٹل والے کے ہاں نماز کا آرام ہوگا۔ عیسائی کے ہاں نہ جاؤ۔ مگر یہ محض دھوکہ ہے
ان لوگوں کی ہوٹلوں سے کمیشن مقرر ہوتی ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوٹلوں میں
نماز وغیرہ کی آزادی ہے۔ اور مسلمان ہوٹلوں سے زیادہ صفائی و طہارت ہے۔

یہ میں نے اپنے ہموطن بھائی مسلمانوں کے فائدے کی باتیں لکھی ہیں تاکہ وہ قصائیوں کی
کُھنڈی چھُری سے ذبح نہوں۔ ورنہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا میں بھی ضروری سمجھتا ہوں
مگر میرا خیال ہے کہ جو لوگ غریب پردیسی مسلمانوں کو ستانا اور ناجائز طریقہ سے انکا روپیہ برباد
کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں انکے مقابلہ میں مجھے اپنے ملکی مسلمانوں سے زیادہ ہمدردی ہونی چاہئے۔

(۵) راستہ میں جو لوگ ساتھ ہو جائیں اور خواہ مخواہ کی ہمدردی کا اظہار کریں ان سے احتیاط
کرنی چاہئے اکثر بدمعاش ہوتے ہیں۔

(۶) گاڑی کا کرایہ خود نہ چکاؤ۔ ہوٹل والے کی معرفت کفایت رہے گی۔

(۷) ہر جگہ اپنے آپ کو مضبوط ہوشیار ثابت کرو۔ کمزور اور بھولے بھالے کی ہر جگہ
مشکل ہے مصنوعی مضبوطی و ہوشیاری بھی کام دے جاتی ہے۔

(۸) کوئی تکلیف پہنچے تو انگریزی کونسل سے جاکر کہو وہ تم کو ہر طرح کی مدد دیگا۔

(۹) سودا خریدنے میں خیال رکھو کہ ترجمان زیادہ نہ لٹوا دے کئی جگہ دیکھ بھال کر خریدو۔

(۱۰) کنجوسی اور فضول کفایت شعاری کا خیال نہ کرو۔ سفر میں آرام کشادہ دلی سے ہوتا ہے۔

ایک صوفی درویش تلاوت میں مشغول

دمشق میں سلطان صلاح الدین مجاہد کا مزار
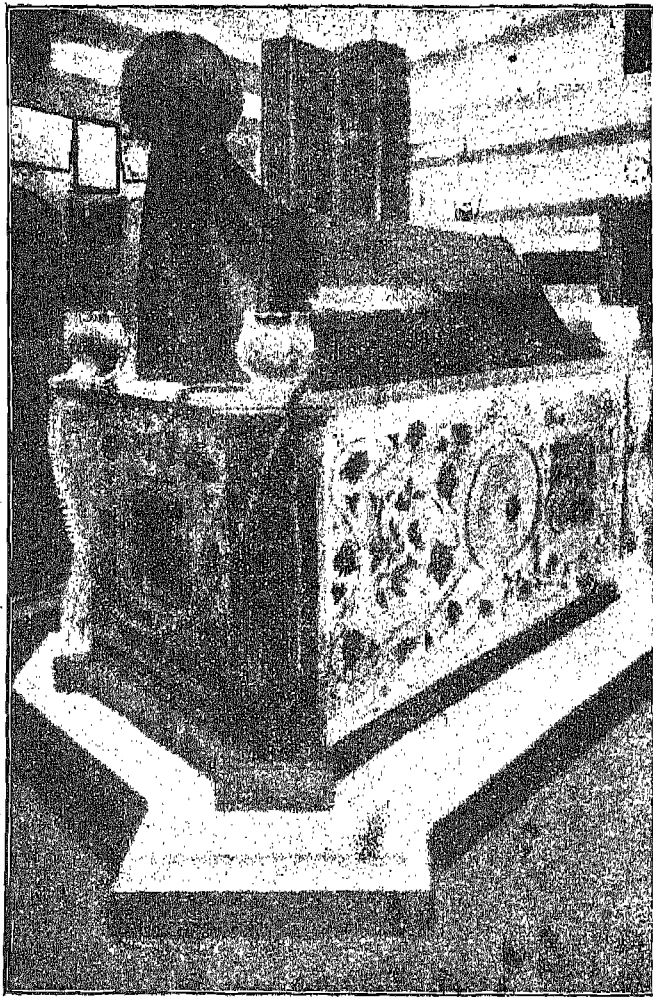
میلے ہوٹلوں میں ٹھہرنے اور کھانا کھانے سے کفایت تو ہوتی ہے مگر ناگہانی طور سے آدمی بیمار بھی ہو جاتا ہے اور مسافرت کی بیماری تگنا چوگنا خرچ کرا دیتی ہے۔ بس یہ دس باتیں میری یاد رکھنی چاہئیں باقی مذکورہ سفرناموں میں سب کچھ ملیگا۔

مخفی اعمال اور کیمیا کے نسخے

سفر کے بعض عجیب قصے میں نے رسالہ صوفی۔ نظام المشائخ۔ زمیندار وغیرہ پرچوں میں شائع کرا دیئے تھے ان کا لکھنا باعث طوالت ہوگا بعض اعمال بھی کتاب فیضان سنوسی میں شائع ہو چکے ہیں لیکن یہاں بھی چند درج کرتا ہوں۔

یاد رہے کہ مجھکو جتنا اعمال کا شوق ہے کیمیا کا نہیں ہے اور میں کیمیا کو فضول وردِ سری اور ناکام خلجان تصور کرتا ہوں لیکن بلاد مغرب یعنی مراکو الجزائر ٹونس وغیرہ میں ان باتوں کا بہت چرچا ہے۔ وہاں کے جن مشائخ سے ملنا ہوا اور برسبیل تذکرہ اعمال و نسخجات کا ذکر آگیا انکو میں نے یادداشت میں لکھ لیا جو یہاں درج کئے دیتا ہوں۔ میری رائے میں انپر عمل کرنیکی بجائے یہ بہتر ہوگا کہ نثر مطلوبات عجیبہ ان کو محدود رکھا جائے نیز یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ کوئی صاحبان اعمال و نسخجات کی نسبت مجھ سے خط و کتابت نہ کریں مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ یہ سر گردانی مول لوں۔

تاثیر اسمائے باری تعالے

(یا رحمٰن) ساعت زہرہ میں اسم اس تعداد کی موافق جو اسکے حروف سے نکلتی ہے طالب مطلوب کی نام ایکر پڑھے اور لوبان پر دم کرے اور جب مطلوب کے پاس جانیکا موقع ہو لوبان آگ پر ڈالے اس کی خوشبو سونگھتے ہی دیوانہ وار مطیع ہو جائیگا۔ خاوند اور زوجہ تعلقات اسکے ذریعہ خوشگوار کئے جا سکتے ہیں۔

(یا مہیمن) جو شخص اس کے اعداد حروف کی موافق ہمیشہ عشا کی نماز کے بعد پڑھا کریگا اسکو خواب میں ہر واقعہ آئندہ کا علم ہو جائے گا۔

(یا شہید) یہ اسم اُن سات بزرگوں کے ورد میں رہتا ہے جو دائرہ ربانی کے اسرار میں توشید

ہیں۔ جو شخص ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ پڑھنے کی عادت ڈالے تو اللہ تعالی اسکو چشم کا کشف عطا فرما دیتا ہے اور وہ تمام چھپی ہوئی چیزیں دیکھنے لگتا ہے۔ ورد ناغہ نہو۔ مدت دراز کے بعد اثر ظاہر ہوگا

نقش تسخیر

جو شخص ہر نماز کے بعد اسم یا ھادی سو بار پڑھنے کی عادت ڈالے اور کبھی ناغہ کرے اور یہ نقش اپنے بازو پر باندھے رکھے تو تمام مخلوق اسکی مسخر رہے گی نقش یہ ہے:-

تاثیر آیات قرآنی

ہلاکی دشمن کے واسطے یہ آیت عجیب و غریب تاثیر رکھتی ہے عمل سے پہلے لازم ہے کہ مخالف کا طالع نجوم معلوم کرے کہ اسکی پیدائش کس برج سے تعلق رکھتی ہے اگر یہ بات معلوم نہو تو اسکے نام سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے اور نجومی لوگ بتا سکتے ہیں کہ اس نام کا آدمی فلاں سیارہ و برج سے تعلق رکھتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے تو اُس وقت جبکہ قمر اس برج میں ہو جسکا تعلق مخالف کے طالع سے ہے سیاہ کاغذ پر یہ آیت لکھے:- فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اسکے بعد مخالف کا نام لکھا جائے اور یہ کاغذ آگ میں جلا دیا جائے تو دشمن تباہ و برباد ہو جائیگا

۱۴	۱	8	۳۰	۱
8	الہادی	الہادی	الہادی	۱۳۰
۱	الہادی	8	الہادی	8
۱۳۰	الہادی	الہادی	الہادی	۱
۱	۳۰	8	۱	۴

کیمیا

عارف کامل حضرت شیخ عیسی السنوسی نے فرمایا جن سے دمشق میں ملاقات ہوئی تھی کہ ہر چیز کا حصول اور کامیابی رازداری کے ماتحت ہے خلقت کیمیا کے شوق میں دیوانی رہتی ہے ہزاروں لاکھوں روپے اسکے شوق میں برباد کئے جاتے ہیں لیکن اصول رازداری کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اسواسطے کامیابی نہیں ہوتی۔

میں نے کہا کیا آپ کیمیا کے وجود و اصلیت کے قائل ہیں فرمایا تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث نہیں دیکھی جس میں ارشاد ہے تُقْذَفُ الْأَرْضُ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا (؟) فِي الْأَرْضِ مَا يَتَّبِعُ فِيهَا

ایک کرد صوفی درویش

حکمۃ اللہ ثابتۃ ۔ ہر بوٹی جو زمین پر نمودار ہوتی ہے اسمیں خدا کی ایک حکمت ہے ۔ پس جس طرح خدا نے چاندی سونا وغیرہ دھاتیں پیدا کی ہیں اسی طرح دواؤں اور بوٹیوں میں خواص عجیب رکھے ہیں اور ان میں قدرت دی ہے کہ ایک چیز کی ماہیت بدلکر دوسری شکل بنا دیں۔ مگر یاد رکھو کیمیا میں اصل چیز رازداری ہے نہ کہ اخراجات کثیر ۔ جو لوگ ہوسوں کا ہزار ہا روپیہ طرح طرح کی قیمتی ادویات فراہم کرانے میں خرچ کرا دیتے ہیں وہ دھوکہ باز ہیں ۔ کیمیا تو بغیر خرچ کے ملتی ہے ؛

اسکے بعد حضرت شیخ نے چند بوٹیوں کے خواص بیان فرمائے اور اصول رازداری کی تشریح سمجھائی ۔ میں صرف ایک بوٹی کی خاصیت کیفیت لکھتا ہوں باقی لکھنا طول کلامی ہے ؛

کرہیونا بوٹی

حضرت شیخ نے ایک بوٹی کا ذکر فرمایا جسکا نام انھوں نے کرہیونا لیا اور ارشاد کیا کہ یہ بوٹی دریائے نیل کے قریب اور شام کے پہاڑوں میں ہوتی ہے ۔ ہندوستان کی نسبت فرمایا کہ وہاں بھی سرسبز پہاڑوں میں تلاش کیا جائے تو ملے گی ۔ اسکی شکل یہ ہے کہ اسکے پتے گول ہوتے ہیں جنکے کناروں پر کنگنی اور نیم کے پتوں کی طرح کنگورے کٹے ہوئے ہوتے ہیں ۔ اور یہ کنگورے سرخی مائل ہوتے ہیں ۔ ان پتوں کو توڑا جائے اور ہاتھ میں ملا جائے تو چکنائی سی محسوس ہوتی ہے ۔ اس بوٹی پر سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں چڑھی رہتی ہیں ۔ اور سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اسکے سایہ میں اور کوئی گھاس نہیں ہوتی ۔ یہ بوٹی بالشت بھر سے زیادہ اونچی نہیں ہوتی اور اس میں مشک کی سی خوشبو آتی ہے ۔ اور بعض اوقات اسکے پتوں اور شاخوں کو توڑا جائے تو اس میں سے زرد رنگ کا دودھ نکلتا ہے ؛

فرمایا غرہ ماہ یعنی پہلی تاریخ سے دسویں تک اس بوٹی پر اسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور رات کے وقت پچھلے پہر یعنی جگنو کی طرح اسکے پتے چمکتے ہیں ۔ طالب کو

چاہئے کہ انھی دس راتوں میں کسی رات جاکر اسکو توڑ لے۔ مگر اسکا توڑنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ دور سے یہ بوٹی چمکتی ہے۔ پاس جاؤ تو اس کی روشنی غائب ہو جاتی ہے۔ شیخ نے اسکی یہ ترکیب بتائی کہ ایک لمبے بانس پر کپڑا باندھا جائے اور دور سے جب بوٹی کی چمک معلوم ہو تو اسپر یہ کپڑا ڈالدیا جائے اور اسکے بعد قریب جاکر اسکو جڑ سمیت اکھیڑ لے اور سائے میں اسکو سکھا کر رکھ لے۔ اور جب یہ سوکھ جائے تو اسکو خوب پیسے اور سیسے کو شہد میں غوطہ دیکر پگھلائے اور یہ پسی ہوئی بوٹی اسپر ڈالدے سیسہ خالص سونا بن جائیگا۔

ارشاد ہوا اس بوٹی کی دو قسمیں اور بھی ہیں۔ ایک کے پتے مروہ یعنی ریحان کے پتوں کی ہمشکل ہوتے ہیں اور بوٹی کا قد بالشت بھر کا ہوتا ہے۔ باہر کی جانب سے اسکے پتے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں اور اندر سے سفیدی مائل سبز۔ جس جگہ یہ بوٹی ہوتی ہے زمین کچھ چکنی چکنی سی معلوم ہوتی ہے جسپر چیونٹیاں جمع رہتی ہیں۔ اس کی خوشبو بہت تیز ہوتی ہے۔ اس میں سے سفید دودھ نکلتا ہے۔

اگر خالص لوہے کو تپا کر یہ بوٹی اس پر ڈالی جائے تو لوہا چاندی بن جائیگا۔

دوسری قسم اسکی یہ ہے کہ بوٹی کی تین شاخیں ہوتی ہیں اور اس کے پتے مہندی کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور اس میں سے سرخ رنگ کا دودھ نکلتا ہے۔ اس کو اگر سیسہ پر ڈالا جائے تو سونا بن جاتا ہے۔

احتیاطیں

شیخ نے فرمایا کہ بوٹی اکھیڑنے والا پورا پاک و صاف ہونا چاہیے۔ اور اکھیڑنے کے وقت کسی سے بات نہ کرنی چاہیئے۔ اور کیمیا بناتے وقت کسی غیر آدمی کا موجود ہونا خوف ہے۔ ارشاد ہوا۔ اس کیمیا میں سب سے بڑی چیز رازداری ہے

قسطنطنیہ کی ٹکسال کے سکے
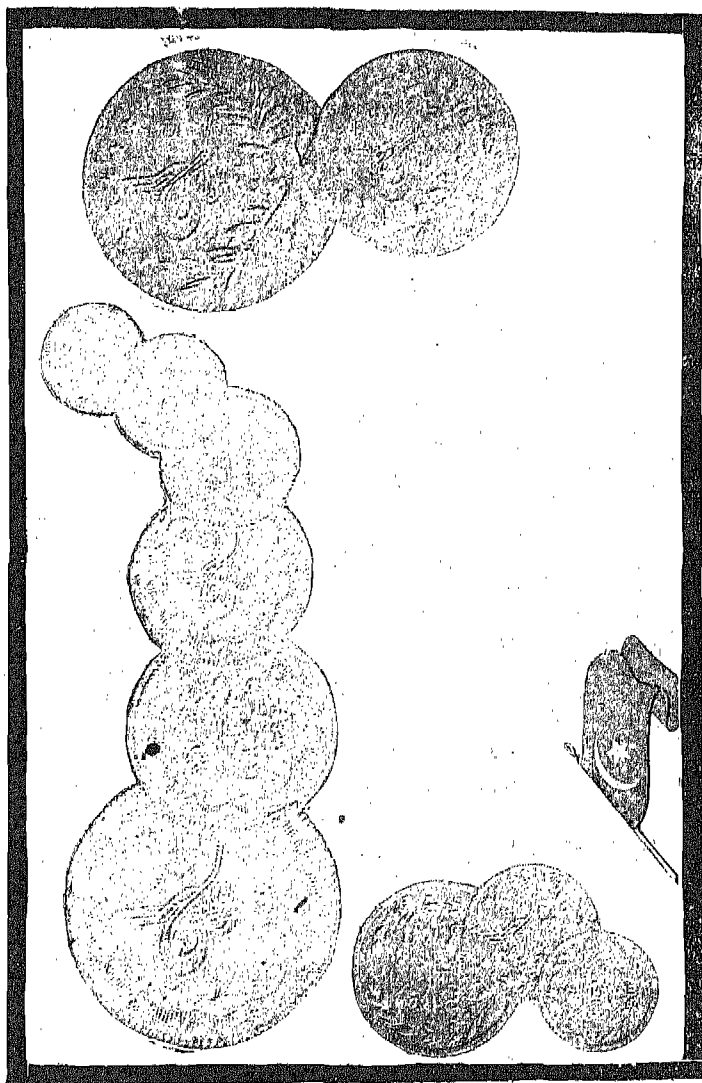
یعنی کسی سے اپنے بھید و ارادے کو ظاہر نہ کرے۔ جو کام ہو نہایت پوشیدگی کے ساتھ خفیہ ہو۔

حضرت شیخ کی زبانی میں نے جو کچھ سنا لکھدیا۔ مگر کبھی اسپر عمل کرنے کا ارادہ نہیں ہوا۔ نہ آئندہ امید ہے کہ میں اس درد سری کی جانب متوجہ ہوں سفر سے واپس آنے کے بعد میرے احباب طریقت مجی حاجی فتح محمد خاں صاحب نظامی جمالی خدمتی و بابو حبیب اللہ خاں صاحب فدائی نظامی قلندری نے مجھکو چند روز ڈلہوزی پہاڑ پر مہمان بنا رکھا تھا۔ اس زمانہ میں میں نے کوہ ڈلہوزی پہ یہ بوٹی جگہ جگہ دیکھی لیکن باوجود بعض لوگوں کے اشتیاق کے کبھی اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا کیونکہ میں اس کوشش تضیع اوقات سمجھتا تھا اور سمجھتا ہوں۔ تاہم اس وقت مناسب معلوم ہوا کہ جو چیز مجھکو حاصل ہوئی ہے اسکو کتاب میں درج کردوں شاید کہ یہ کسی شخص کے کام آئے۔ اور میں چھپانے کا مجرم قرار نہ پاؤں ٭

سنہ ۱۹۰۷ء کا روزنامچہ ہے جسمیں حسب ذیل حالات ہیں بمبئی کے
تمام دلچسپ نظارے سومنات مندر کے چشم دید حالات
غازی محمود غزنوی کے جنگی میدان کے ریاست منگرول کاٹھیاواڑ کے
مشہور تبرکات ریاست جوناگڑھ کے تاریخی مقامات۔ احمد آباد گجرات
کی تاریخی عمارات اور بزرگان دین کے مزارات
ریاست بڑودہ کے عجیب و غریب قرآن شریف
وغیرہ یادگاروں کا مفصل تذکرہ ضخامت ۲۰۲ صفحہ کاغذ
لکھائی چھپائی عمدہ۔ دوسرا ایڈیشن قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ - حلقہ المشائخ دہلی۔

سی پارۂ دل

یعنی مجموعہ کلاں مضامین حسن نظامی

حضرت خواجہ صاحب کے اُن تمام مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف سالوں اور اخباروں میں شائع ہوئے

اُردو سکھانیکا آتا لیق اعظم

یہ کتاب درحقیقت اُردو سکھانے کی اتالیق ہے۔ جو شخص اس کتاب کو تین چار دفعہ ذرا غور سے پڑھ لیگا اُسکو اُردو لکھنی آجائیگی اور اُس کی عبارت میں ایک اثر اور دلکشی پیدا ہو جائے گی۔

مدرسوں کے طالب علم اس کو پڑھکر بہت اچھا مضمون لکھنے لگتے ہیں چھوٹی لڑکیاں صرف اس کے پڑھنے سے لائق بنجاتی ہیں۔

یہ مجموعہ تصوف، مذہب، تمدن، سیاست اور انشا پردازی کا بیمثل ذخیرہ ہے۔ بڑی ضخامت اچھا کاغذ۔ اچھی لکھائی۔ اچھی چھپائی۔ قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک دو روپے (عہ)

ملنے کا پتہ

کارکن حلقۂ مشائخ بکڈپو دہلی